باب السین المہملہ

سالک

سالک تخلص، سالک مسالک ارشاد وہدایت، مرزا خجستہ بخت مغفور ابن حضرت شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برھانہ، خلفائے قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، سید عماد الدین المعروف بہ میر محمدی قدس سرہ العزیز کی سلک میں منسلک، اور باوجود نازونعم شاہزادگی کے مجاہدہ اور ریاضت نفس میں منہمک، طریقہ سخن گستری کے مجاہدہ اور ریاضت نفس میں منہمک، طریقہ سخن گستری میں حضرت احسان غفران ماب سے ارشاد طلب ہوئے تھے۔ یہ شعر تیمنا مرقوم ہوا۔

مت دیکھ حقارت سے مرے گریے کو ظالم
یہ اشک مسلسل نہیں موتی کی لڑی ہیں۔

سالک

سالک تخلص، قربان علی۔ مرد اشراف اور نیک نہاد، صاحب طبع اور خاندان نجبا سے ہے۔ پہلے اپنے نام کی مشابہت سے قربان تخلص اور مومن خان مومن تخلص مرحوم سے مشورہ سخن کرتا تھا۔ اب کہ مرزا اسد اللہ خان غالب کی شاگردی کی راہ میں سلوک کرتا ہے۔ تخلص سالک مقرر کیا۔ یہ چند شعر اس کے مرقوم ہوتے ہیں۔

جلوے سے ان کے رہا صبح تلک میں بے ہوش
ان سے اس طرح ہوا وصل کہ گویا نہ ہوا
مت پوچھ سب گریے کا، اے شیخ حرم میں
یہ گھر بھی کبھی غیرت بت خانہ چیں تھا
یوں عمر گذاری تری فرقت میں کہ ہر دم
جینے کا گماں تھا مجھے مرنے کا یقین تھا
آج اس کا یہ علام ہے کہ لب تک نہیں آتا

وہ نالہ کہ کل رختہ گر چرخ بریں تھا

قتل قاصد پہ گلا کیا اس جفا کر دار کا
خون ناحق روز ہو رہتا ہے واں دو چار کا

کیا کہا ہے میں نے حال دل کہ ہو کر بے دماغ
آپ کہتے ہیں غم ایام کا دفتر کھلا!

کیجئے کیا ناتوانی مانع پرواز ہے
ورنہ دروازہ قفس کا رہ گیا اثر کھلا!

یہی طول شب غم ہے تو سالک
قیامت ہم پہ گزرے گی سحر تک

منتیں اپنی وصل میں ہے ہے
اور کہنا ترا کہ آج نہیں

اے لالہ پردہ ہاے فلک پھونک دے تمام
کچھ تو ادھر کا راز بھی ہووے عیاں مجھے

ترک عشق اور میں غلط سالک
کون پکڑے زبان خلقت کی

....

سپہر

سپہر تخلص دوست صادق السوادد، راسخ الاتحاد، سرمایہ سرور دل و جان، باعث مسرت، قلب و جنان، مقبول انام، شتاب خاں کہ راقم تذکرہ سے رشتہ محبت کو محکم اور قواعد الفت کو مستحکم رکھتا ہے۔ جادہ اخلاص میں گرم رفتار اور دعوی، صداقت میں راست گفتار، شائستگی ایک خلعت ہے اس کے قامت احوال پر راست اور اہلیت ایک نقد ہے اس کے گنجینہ اوضاع میں بے کم و کاست۔ راستی فکر اور سلامت طبع اور

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

دور گردی، خیال کے اوصاف کا بیان زبان خامہ چرب گفتار کی مجال سے باہر ہے۔ اصلاح شعر صابر دل سوختہ محبت سے لیتا ہے۔ اگر تلمذ کی نسبت میرے ساتھ درست نہ رکھتا تو میں کہتا کہ اس کا کلام فرط شیرینی سے صفحہ قرطاس کو کلہ قند اور لب اعتراض کو بند کرتا ہے۔ اور اس کا سخن کثرت ملاحت سے مذاق جان احباب میں لذت رساں اور زخم دل اعدا پر و گیان پر نمک فشاں۔ ابیات عرائس معنی کے لیے شبستان۔ اشعار مضامین کے واسطے ایوان، یہ چند شعر لکھ کر اس کے محاسن کلام سے آگاہ کرتا ہوں۔

کیا ہوا گر دہن یار نے چھڑکا نمک
دل تنگ ظرف کا شرمندہ احساں نہ ہوا
بخت کی برگشتگی دیکھو کہ کہتے ہیں وہ آج
آتے آتے غیر کی خاطر سے الٹا پھر گیا
اے شور حشر جا کہ مجھے آگئی تھی نیند
کیوں تو نے غل کیا کہ میں بیدار ہو گیا
مے کے پینے سے خدا کا میں گنہ گار رہ
محتسب تو مرے کیوں درپے آزار رہا
خون ہو ہو کے بہا دل تو بلا سے لیکن
سرخ رو تجھ سے تو اے دیدہ خوں بار رہا
نام کا بھی نہ ذرا پاس کیا ہائے سپہر
چرخ میرے ہی سدا درپے آزار رہا
ناتوانی میں بڑھا سودا ترے دل گیر کا
دیکھیے اٹھتا ہے کیوں کر بوجھ اب زنجیر کا
دیکھیے تھے جوں ہلال عید مشتاقان قتل
ایک جھلکا سا ہوا تاھ کل تری شمشیر کا

ہے ترا بندہ قبا یا دل غیروں کا کہ یوں
کام سے جاتا رہا ناخن مری تدبیر کا

اس برے لکھے کی گر ہوتی خبر مجھ کو تو میں
تھام لیتا ہاتھ اپنے کاتب تقدیر کا

ہو غریق رحمت حق وہ عجب انسان تھا
مے کدے کی پہلے جو موجد ہوا تعمیر کا

حسن کی تیز نگیاں دیکھو کہ ہم صحبت تھے اور
زلف کافر ہو گئی اور رخ مسلماں ہو گیا

ٹھہرتا گر کوئی دم تو مجھے چین آجاتا
ہائے افسوس کہ چارہ مرے دل کا نہ ہوا

اس کو ظالم جو کہا میں نے تو ہنس کر یہ کہا
تجھ کو ظالم بھی میسر کوئی مجھ سا نہ ہوا

تیرہ بختی بھی عجب شے ہے کہ سائے کی طرح
میں کسی روز جدا تجھ سے خود آرا نہ ہوا

میں نے مانگا دل تو یوں بولا پٹک کر ناز سے
یہ دل صد چاک تیرا کس کو یاں درکار تھا

کیا تماشا ہے کہ پہنچا تیرے دل تک وہ غبار
تیرے دامن تک پہنچنا جس کو اک دشوار تھا

آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اس نے نرگس کی طرف
جو کہ اے بے دید تیری چشم کا بیمار تھا

کیوں رنج دیا تو نے عبث آنکھ ملا کر
گر دل کا ملانا تجھے منظور نہیں تھا

رکھا یاد تم نے مرے بھولنے کو
عجب لطف کا ہے یہ نسیان تمہارا

نیم بوسے پر لیجے جان و دل کہ اس میں تو
فایدہ تمہارا ہے اور ہے زیان اپنا

نہ پھرا لے کے اب تلک کوئی
رفتگان رہ عدم سے جواب

ہم تم سے بے خبر ہوں تو کیا کچھ کرو سپہر
غفلت میں دو گھڑی کی تو کھو بیٹھے جان آپ

ظالم یہ تیز نگاہیں تری مدام
کھٹکے ہیں دل میں تیر کے پیکان کی طرح

ہوا ہے کس کا کہ ہوگا تمہارا اب وہ سپہر
عبث نہ کیجئے آپ اپنی زندگانی تلخ

روتا ہوں جس کے سامنے کہہ کر میں ہائے دل
بے حوصلہ سمجھ کے وہ ہنستا ہے اے سپہر

کھلے نہ ہجر میں لب وصل کی دعا پہ سپہر
بتوں کو مانگئے ناداں خدا سے کیوں کر ہم

دل ہو تو خار وگل سے ہو کچھ ربط کی ہوس
اب ناتوانیوں کا ہمیں تو گلا نہیں

کیوں ان کی بندگی کو دل اب جانتا ہے فرض
یہ بت بھی آدمی ہی تو ہیں کچھ خدا نہیں

اس بندگی پر اپنی وہ نا آشنا مزاج
ملتا ہے ہم سے یوں کہ ذرا آشنا نہیں

کچھ یہ بھی شوخیاں ہیں کہ رفتار سے تری
ہے کون سی جگہ کہ قیامت بپا نہیں

ساغر کشی سے ہاتھ اٹھاؤں میں کس طرح
زاہد نہیں، میں شیخ نہیں، پارسا نہیں

حیران ہوں کہ کیا ہے ترا حال اے سپہر
ہے کون سی بلا کہ تو اس میں پھنسا نہیں

اپنا جو گذارا ہو تو کس طرح ترے پاس
وہ بزم نہیں جس میں کہ اغیار نہیں ہیں

تکلیف نماز او رہمیں زاہد سے عجب ہے
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بے کار نہیں ہیں

اتنا تو نہ کر ہم سے تغافل کہیں کہ ہم
اے نرگس فتاں ترے بیمار نہیں ہیں

دس غیروں میں آ بیٹھے اگر ہم بھی تو کیا ہے
ایسے تو کچھ ان لوگوں میں ہم خوار نہیں ہیں

بھکو نہ سپہر اتنے کہ خو اس کی ہے نازک
کچھ آپ ابھی ایسے تو سرشار نہیں ہیں

بے کاریوں میں نالہ کریں یا بکا کریں
یہ بھی نہ ہم کریں تو کہو اور کیا کریں

ہوتا ہے کیوں تلاش بتاں میں خراب دل
چل اپنے گھر میں بیٹھ کے یاد خدا کریں

دنیا سے کام رکھیں نہ عقبیٰ سے ہم سپہر
کب تک ادھر ادھر کے یہ قصے سنا کریں

بجھادے گا ہمارا دامن تر اس کی آتش کو
جہنم سے نہیں کچھ خوف رندان قدح کش کو

برا دور جگر کا ہو شب مہتاب میں جس نے
اندھیرے میں بٹھایا یا بزم میں خوبان مہوش ک

کرتا ہے ذبح ہم کو تو اپنے ہی ہاتھ سے
تیری جفا بتا کہ نہ کیوں کر پسند ہو

لائے گا اک جہان پہ تو آفت اے سپہر
ڈرتا ہوں تیرے لب سے نہ نالہ بلند ہو

ہم لطف سے تو گذرے، پہ تیرا جفا شعار
یہ بھی بڑا ستم ہے کہ ہم پر ستم نہ ہو

لینا ہے امتحان تو اب لے کہ پھر کہیں
تو آئے تیغ کھینچ لے اور مجھ میں دن نہ ہو

فلک دکھائے تھا اک شعبدہ نیا مجھ کو
پر اب دکھا کے تجھے کیا دکھائے گا مجھ کو

چتوں کے ہاتھ سے یہ تنگ ہوں کہ تا دم مرگ
گلی میں انکے نہ لے جائے پھر خدا مجھ کو

ملا ہوں جب سے کہ تجھ بے وفا سے اے بے مہر
برا ی کہتے ہیں سب دوست آشنا مجھ کو

کچھ آج کل مرے دل میں گزرتے ہیں اغیار
کھلا نہ آئے کا یاں ان کے مدعا مجھ کو

سپہر گریہ و زاری کا کیا سبب ہے مدام
تو اپنے حال سے آگاہ تو کر ذرا مجھ کو

جب کہ کوچے میں ترے باد صبا جاتی ہے
آگے گلشن میں نیا گل وہ کھلا جاتی ہے۔

....

سحاب

سحاب تخلص، کنور گوپال سنگھ خلف الصدق راجا سالک رام شاگرد غلام مولیٰ عرف مولا بخش قلق تخلص، نوجوان سعادت مند، اخلاق حمیدہ و اطوار پسندیدہ میں یگانہ۔ باوجود کم مشقی کے لطف زبان اور دلچسپی، طرز خدا داد، ہے۔ یہ دو شعر کہ مذاق طبیعت میں خوش گوار ہیں۔

مرقوم ہوئے:

شمع رو رو کے سر بزم ہے کہتی تھی کہ ہائے
خاک کرتی ہے مری گرمی۔ بازار مجھے
اے دل رفتہ مگر جان پر کچھ آن بنی
چارہ کر اب نظر آئے ہیں عزادار مجھے

....

سحر

سحر تخلص، سخن دور شیریں زبان، احمد علی خان ابن کرم علی خان۔ نوجوان خوش اسلوب، سعادت منش، کتب درسیہ فارسی جناب استادی مولوی امام بخش صہبائی سے پڑھیں ہیں۔ ہر چند ریختہ میں کسی سے اصلاح نہیں ہے بلکہ اظہار سخن کم تر وقوع میں آتا ہے۔ لیکن بزور استعداد اور حسن طبیعت سے کلام بامزہ و لزید ہے۔ یہ دو شعر اس کے طبع زاد ہیں۔

تسخیر نہ ہوں کیوں کر سحر اپنے یہ آتش رخ
سیکھا ہے فسوں ہم نے اس نرگس فتاں سے

ہوئے زخمی مژہ کے اور نگاہ چشم دل بر کے
نہیں محتاج ہم نوک ستان و آب خنجر کے

....

سرور

سرور تخلص، اعظم الدولہ، نواب میر محمد خاں خلف ارشد نواب ابو القاسم خاں۔ امرائے مشہور اور روسائے معروف حضرت شاہجہان آباد حرسہا اللہ عن الشر و الفساد سے تھا۔ علوم ضروری سے آگاہ اور فن شعر میں صاحب دست گاہ۔ تہذیب اخلاق سے بہرور۔ سخن پرور معنی گستر، استعداد علمی کی نیرو سے شعر کو سنجیدہ اور سخن کی فہمیدہ کہتا تھا۔ مشق شعر محمد جان بیگ سامی کی تھی اور تحصیل علم علمائے نامی و فضلائے گرامی سے۔ ایک دیوان ریختہ اور ایک تذکرہ شعرائے ریختہ گو کا، اس سے صفحہ روزگار پر یادگار ہے۔ ایام مشاعرہ میں ہمیشہ شاہ نصیر مرحوم کے مکان میں وارد اور شعر خوانی میں شعرائے خوش سخن کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ راقم تذکرہ اسی مشاعرے میں اس والا مرتبت کی ملاقات سے بہرہ یاب اور کلام نیک سرانجام سے کام یاب ہوا۔ یہ چند شعر اس کے نتائج افکار سے مرقوم ہوئے:

درون سینہ اب تو سان نشتر سی کھٹکتی ہے
بیاں تقریر سے باہر ہے اپنی خستہ جانی کا
رخصت نہیں ہے جنبش لب کی بھی اب مجھے
وہ بھی زمانہ تھا کہ جواب و سوال تھا
مانع امید وصل ہوئی ورنہ ہجر میں
قصہ ہی زندگی کا یہ سب انفصال تھا
واں کش مکش تھی پنجہ شانہ سے زلف کو
یاں پیچ و تاب رشک سے جینا محال تھا۔

۱۔ نسخہء اول و دوم میں ''کھٹکی'' ہے جس سے مصرع ساقط الوزن ہو جاتا ہے۔ (فائق)۔

یہ ٹھہر چکی تھی کہ کبھی اس سے نہ ملیے
اس بات پہ لیکن دل بے تاب نہ ٹھہرا

سر ہر خار ہے خون کف پا سے رنگین
کون یہ دشت میں ہے آبلہ فرسا پھرتا

صبح ہوتی نظر نہیں آتی
شب ہجراں ہے روز محشر کا

تشنہ کامی تجھے نوید کے ہے
آب دار آہن اس کے خنجر کا

ہے طور یہ نرالا اس شوخ بے وفا کا
بیگانے سے ہے الفت دشمن ہے آشنا کا

اس ناتواں کو شاید پہنچائے واں اڑا کر
رہتا ہوں منتظر میں ہر صبح دم صبا کا

ساقی گل فام جام مے نہ دیتا بس مجھے
تیری گردش سے نگہ کی کام میرا ہو گیا

قاتل سے کرے دعوی خوں روز قیامت
ایسا یہ گنہ سرور رسوا سے ہوا کیوں کر

دیوانے ہم نہیں ہیں جو فصل بہار میں
کہتے سے ناصحوں کے گریباں رفو کریں

ہجر میں چشم کو ہم اشک سے دولاب کی طرح
کرتے خالی ہیں کبھو اور کبھو بھرتے ہیں

پھرتی ہے مضطرب سی باد صبا چمن میں
بلبل بتا مجھے بھی کیا گل کھلا چمن میں
دیر و حرم میں اس کا نہ پایا سراغ کچھ
کیجئے تلاش گوشہ دل میں یہیں نہ ہو
رہواں دیوانہ ہو کر شہر میں کیا مجھ کو سود اے
کنایت اس گریباں چاک کو دامان صحرا ہے

....

سرور

سرور تخلص، شاہ زادہ باتمکین، مرزا عزیز الدین۔ اولا دامجاد حضرت شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برہانہ اور داماد حضرت ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ۔ اور تلمیز شیخ ابراہیم ذوق ہے۔ مروت واخلاق میں بے مثل اور اہلیت وسعادت میں بے مانند۔ یہ دو چار شعر اس بلند مرتبت کے نتائج طبع سے ہیں:

شمع رو تو نہ ہو بے پردہ کہ پروانہ صفت
دیکھ محفل میں ابھی رشک سے جل جاؤں گا
تقدیر سے تو وہ بھی جفا کار ہی نکلا
جس پر کہ بھروسا تھا ہمیں مہر وفا کا
ہوتے ہیں آپ چیں بہ جبیں بات بات پر
یہ ڈھنگ ہے تو ہو چکی صورت نباہ کی
یہ بھی سرور ترک کیا چاہتے ہیں وہ
صحبت ہو ہم سے ان سے ہے یہ گاہ گاہ کی

سرور

سرور تخلص، مرزا افضل علی بیگ، برادر، حقیقی مرزا نیاز علی بیگ نگہت، جوان وجیہ،

خوش ترکیب تھا۔ مزاج میں سازو باز اور طبیعت میں سوز و گداز، شاہ نصیر مرحوم سے فن سخن میں تلمذ رکھتا تھا۔ یہ شعر اس کے نتائج طبع سے ہے:

آج آتی نہیں ہے بانگ درا
ہم ہوں۔ نے کہیں مقام کیا

....

سرور

سرور تخلص، لچھمی رام پنڈت، ساکن بلدہ لکھنو، ہمشہ عہدہ نیابت میر منشی دسرکار اودھ سے سرفراز رہا۔ زبان فارسی میں فکر شعر کرتا تھا۔ یہ چند بیتیں اس کے افکار سے مرقوم ہوئیں:

بے تو جاں بر لبم و ذوق طپیدن باقی ست
تک نفس فرصت و صد نالہ کشیدن باقی ست
غنچہ ساں بے تو بسے خون جگر خوردم و آہ
چوں گل از دست غمت جامہ دریدن باقی ست
شبے کسے بہ در او طپید و ہیچ نہ گفت
چہ نالہا کہ ز دل بر کشید و ہیچ نہ گفت
ہلاک شیوہ آں سر کشم کز استغنی
مرا طپاں بہ سر راہ دید و ہیچ نہ گفت
سحر شنید ز بلبل چو وصف روے تو گل
بخوں طپید و گریباں درید و ہیچ نہ گفت
ز درد دل بہ درش دوش زاد نالیدم
فغاں کہ آں بت بد خو شنید و ہیچ نہ گفت
زد از دہان تو حرفے بہ غنچہ باد صبا

ز شرم سر بہ گریباں کشید و ہیچ نہ گفت
وفائے سرور شیدا نگر کہ در عشقت
ہزار جور و جفا ہا کشید و ہیچ نہ گفت

....

سرور

سرور تخلص، رجب علی بیگ، متوطن شہر لکھنو، شاگرد نوازش، حسین خان نوازش، ایک قصہ رنگین و دل چسپ مسمّی بہ فسانہ عجائب، زبان اردو میں جو بالفعل کارپردازان مطبع لکھنو کے اہتمام سے رواج تمام رکھتا ہے۔ اس صاحب طبع رسا کے قلم رنگیں رقم کا کارنامہ ہے۔ یہ دو چار شعر اس کے نتائج فکر سے جو بہم پہنچے، مرقوم ہوئے:

نسیم صبح ہوں یا بوے گل یا شمع سوزاں ہوں
میں ہوں جس رنگ میں پیارے غرض دم بھر کا مہماں ہوں
وہ بھی ہوگا کوئی امید پر آئی جس کی
اپنے مطلب تو نہ اس چرخ کہن سے نکلے
نہ لگا ، اس کو مری بات کو تو مان سرور
دل کا نہیں اے یار ضرر سے خالی

....

سعید

سعید تخلص محمد سعید الدین۔ خلف رشید مولوی محمد اساس الدین ابن سرکردہ ارباب کمال ظاہری و باطنی حافظ ابو الموید خان مرحوم اسکنتہ اللہ فی الجنان الخلود۔ ہر چند طن قدیم سر زمین بدایوں ہے لیکن عرصہ دراز سے شاہ جہان آباد فیض بنیاد میں قیام کی صورت جلوہ گر ہے، گویا اب یہی گل زمین وطنی ہوگئی ہے۔ بس کہ خاندان

عالی سے ہے۔ اہالیِ شہر کی نظر میں عزت و آبرو کے ساتھ زیست کرتا ہے۔ سنہ اس کی عمر کے سکندر کے برابر کہ قول مشہور کے موافق اٹھائیس ہیں اور کمالات وہبی و مکتسبی عمر خضر سے زیادہ۔ فن سخن میں نواب زین العابدین خاں مرحوم عارف تخلص سے استفادہ کیا ہے۔ یہ چند شعر اس کے طبع زاد لکھے جاتے ہیں:

اندام صاف یار میں مورے کمر نہیں
اس آئنے میں بال کا ہرگز اثر نہیں
ہے برق کا خواص شب وصل یار میں
یعنی ادھر سے لپٹے میں آئے ادھر نہیں
ان روزوں بے خودی مری کم ہے۔ ذرا مدد
اے ساکنانِ کنج خرابات، چاہیے
گو لامکاں تلک تو رسائی ہے آہ کی
پر کیا ہے گر بتوں ہی کے دل میں نہ راہ کی

سعید

سعید تخلص، میر سعادت علی، ساکن بلوچ پورہ کہ ایک محلّہ ہے محلات اکبر آباد سے۔ اول مدرسے میں عہدہ مدرسی رکھتا تھا۔ اب مولوی سید محمد امیر علی شاہ جاگیردار و رئیس اکبر آباد کی سرکار میں تحصیل دیہات و سرانجام امور ضروری۔ رئیس موصوف پر مامور ہے اور عہدہ قضا بھی اس کی ذات سے متعلق ہے۔ یہ دو چار شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں:

آنسو ٹپکا کیے تارے سے شب اس مہ رو بن
ٹوٹا اشکوں کا نہ فرقت کی شب تار میں تار
یار بن آنکھوں میں اپنی خار ہے گل باغ میں
ہے نمک پاش جراحت شور بلبل باغ میں

اس کے کوچے میں رقیب روسیہ کا ہے گزر
زاغ اب رہنے لگے ہیں جا ے بلبل باغ میں

کوچ کے ہیں فکر میں آرام کی نوبت کہاں
ہر گھڑی بانگ، جرس ، ہر دم صدائے کوس ہے

سکندر

سکندر تخلص، سکندر خاں، ساکن، شاہ جہان پور، طالب علمی کی تقریب سے چند سال شاہجہان آباد میں قیام کیا۔ اب چند مدت سے لکھنو میں تحصیل علوم میں ساعی ہے۔ جب یہاں تھا گاہ گاہ شعر ریختہ بھی کہتا اور مومن خاں سے اصلاح لیتا تھا۔ ایک روز اس شعر میں استاد سے مباحثہ کیا:

دم لینے میں ہے مجھ کو تو آئینے کا لحاظ
اور یار یہ سمجھے ہیں مجھ میں ہی دم نہیں

مومن خاں اس شعر کو بے معنی بتاتے ہیں اور وہ معنی۔ شعری کو کرسی۔ لفظ پر بٹھاتا تھا۔ جب ان کی طرف سے اس شعر میں مبالغہ حد سے گزر گیا۔ اس نے ترک مشورہ کیا۔ بعد اس کے اپنے کلام میں آپ حک و اصلاح کر لیتا تھا۔ یہ تین شعر اس کے نتائج افکار سے ہیں:

ہوش کھوئے ترے نظارے نے ایسے کہ سحر
آئینہ اپنی بھی حیرانی پہ حیراں نہ ہوا

کس کا نام اس کے لبوں پر تھا کہ اس نفرت پر
حرف ناصح سے دماغ اپنا پریشاں نہ ہوا

ہے وہ کیا قتل سکندر کے خجل ہو اس سے
جبکہ خوں ریزی۔ اعدا سے پشیماں نہ ہوا

…………………

سلطان

سلطان تخلص نونہال گلشن وشگوفہ باغ زندگانی لخت دل و پارہ جگر سلطان شاہ طال عمرہ۔ خلف میرزا جمعیت شاہ بہادر ماہر تخلص ۔ باوجود اس کے کہ ہنوز چمن عمر میں تازہ خرام اور گلشن ایام میں نونہال ہے۔ لیاقت نشست وبرخاست اور شائستگی ، کردار و گفتار اور تیزی، فہم اور جودت طبع، استعداد ذاتی و ملکہ خداداد پر دال ہے۔

اول پدر مشفق کو سرگرم سخن سنجی و معنی گستری دیکھ کر حفظ اشعار و ضبط ابیات کی طرف التفات ہوئی اور ادب آموزی۔ شوق سے کے ہزار شعر گنجنہ حافظہ میں فراہم آئے۔ من بعد رہ نمائی۔ ذہن رسا اور تائید سخن آفریں نے قافلہ کلام کو جادہ موزونی پر پہنچا دیا۔ یہ وقت اقتضا کرتا ہے کہ اگر مساعدت لطف الٰہی شامل اور اسباب کسب کمال آمادہ رہیں تو اس کا کمال خلوت استعداد سے جلوہ گاہ ظہور میں نقاب کشا اور منصۂ وقوع میں چہرہ نما ہو جائے۔ یہ تین چار شعر اس کے نتائج طبیعت سے درج تزکرہ ہوتے ہیں:

اے فلک طفلی میں کیا سمجھوں میں رسم عاشقی
مجھ کو اس سن میں یہ دینا عشق کیا درکار تھا

بن جلائے دل و جگر جل جائے
کیا بری آگ ہے محبت کی

آتے آتے وہ پھر گئے گھر کو
یہ بھی خوبی ہے اپنی قسمت کی

عہد طفولیت بھی نہیں سلطنت سے کم
سلطان شاہ کیوں نہ کہے کہ جہاں مجھے

....

سلیم

سلیم تخلص ،فخر دودہ گورگانی ،گوہر افسر سلطانی ۔مرزا سلیم بہادر مرحوم ،خلف اکبر شاہ بادشاہ ثانی انا راللہ برہانہ ،کہ فرزندان بادشاہ مغفور میں پیشئی امتیاز سے سرفراز اور کثرت اعتبار سے ممتاز تھا۔ جیسے وہ بادشاہ کیواں جاہ۔ حسن صورت و سیرت میں سلاطین سلسلہ تیموریہ سے گوے سبقت لے گیا تھا۔ یہ اشرف اخلاف ان دونوں صفت شاہزادا گان والا شان سے امتیاز رکھتا تھا۔ اس مقام میں بلندی، شان اور رفعت مکان اورشوکت شاہی اور حشمت والا پایہ گاہی اور دبدبہ اقبال اور طنطنہ جاہ و جلال کے اوصاف میں زبان قلم کو گویا کرتا ایک امر زاید ہے۔ کہ صدا اس کوس کی فلک اورصیت اس اجلال کی ملک تک بلند ہے۔ قدرے سلطنت معنوی کا حال لکھا جاتا ہے کہ جناب مغفرت ماب میر محمدی مرحوم سے۔ کہ اس روزگار مین اس صفای۔ باطن کے ساتھ درویش خدا آ گاہ رباط عالم میں کم مشاہدہ ہوا ہے۔شرف کمال کے ارتقا اور مسند سعادت آخروی کے تمکن سے مشرف ہوا۔ جو کہ اس مخدوم حور و غلمان کے بغیر قصور فردوس آرایش تھے۔ بادشاہ غفران پناہ کے عہد حیات میں دنیا، دوں سے دل اٹھا کر روضہ،رضوان کی گل گشت اور باغ جنان کی تفرج کے واسطے راہی ہوا۔ یہ دوشعر کہ خلاصہ مطالب متصوفہ پر اشتہال رکھتے ہیں۔ اس مرجع۔ مارب ملائک اور زبدہ متکین فیہا علی الارائک، کے افکار گوہر نثار سے ہیں:

جھگڑے سے جب دوئی کے فراغت ہوئی ہمیں
کثرت میں سیر عالم وحدت ہوئی ہمیں
ہے کوی اپنا خانہ ، دل بھی عجب مکان
جس میں نصیب یار سے صحبت ہوئی ہمیں

....

سلیمان

سلیمان تخلص، مرزا سلیمان شکوہ، خلف رشید حضرت شاہ عالم بادشاہ۔ ان کے محامد زات وحماید صفات اندازہ تقریر سے زاید اور حوصلہ قیاس سے خارج ہیں۔ یہاں خاموشی عین مدح اواعتراف عجز وقصور، کمال ستایش ہے۔ مدت تک لکھنو اوسر پیش تر مستقر الخلافت آگرے میں تشریف فرمارہے۔ ایک دفعہ راقم کی یاد میں حضرت شاہ جہان آباد میں رونق افروز ہوئے۔ تھے۔ پھر سرزمین اکبرآباد میں تشریف لیجا کر قیام کیا کوچ فرمایا۔ شعراکوان کی قدردانی سے ہمیان حرص پر زرتھی اور دامن امل پر از گوہر۔ جوکہ فکر شعر خاندن تیموریہ کا زاتی ہے۔ شعر گوئی کی طرف بیشتر متوجہ تھے۔ یہ چند شعر انکے افکار گوہر نثار سے زیب صفحہ تذکرہ ہوتے ہیں:

لبوں پہ نالہ جو آکر نہ ہٹ گیا ہوتا
تو آسمان و زمیں سب الٹ گیا ہوتا

جنازہ تیرے دیوانے کا اس توقیر سے اٹھا
کہ شور نالہ ہر اک خانہ زنجیر سے اٹھا

رہ گئے ہوش و حواس و خرد و طاقت سے
یوں ترے کوچے سے میں بے سرو سامان نکلا

تیرے بیمار کی سنتے ہیں یہ حالت ہے کہ اب
جو گیا اس کی خبر کو سو روہ گریاں نکلا

یہ کس کے دست حنا بستہ یاد آئے تھے رات
کہ تا بہ صبح مرے دل کو اک فشار رہا

شب فراق میں میں کیا کہوں سلیماں آہ
کہ کس طرح دل اپنا یہ بے قرار رہا

کشتے کو تیرے در سے افسوس لے گئے کل

اور تو نہ اک قدم بھی اے یار گھر سے نکلا
کچھ تو اثر کیا ہے دل کی ترے کشش نے
پڑھتا جو وہ سلیماں اشعار گھر سے نکلا
کیا رفتار اپنی بھول گئے
دیکھ اس کے خرام کا عالم
اب خدا پھر ہمیں نہ دکھلائے
شب ہجراں کی شام کا عا م
شب دل سے مرے آہ کا شعلہ جو اٹھا گرم
منقل کی طرح تا بہ سحر سینہ رہا گرم
گالی نہ دیا کرو کسی کو
بس بس اپنی زباں سنبھالو
یہ طفل اشک، آنکھوں سے نکل کر
مری چھاتی سے پیروں لگ رہے ہیں

....

سوز

سوز تخلص ہے سلالہ خانداں شرافت، زیدہ دودمان نجابت۔ سبک، روح گراں حلم،قلیل السن۔ کثیر العلم شیریں مقال، بسیار، کمال، صاحب طبع سلیم، مولوی عبد الکرے، خلف رشید استادی ومولائی مولوی امام بخش صہبائی۔ سلمہ اللہ تعالی کا۔ ہر چند سن عمر کے اعتبار سے کہیں پسر حضرت استاد ہے۔لیکن کثرت علم اور افزوئی۔ دانش کی جہت سے گویا اکبر اولاد ہے۔سال عمر اس نونہال چمنستان کمال کے ہنوز انیس بیس سے متجاوز نہیں ہوئے۔لیکن کشور فضل وکمال کی منازل ہزار سے زیادہ طے کی ہیں۔یہ شعر جس نے اپنی شان میں کہا ہے۔ غالبا۔اسی فخر خاندان کی زبان

سے لیا دیا ہے:

مراست از دندب فضل ہفت حصل وہنوز
میان نوزدہ وہ پست می ء کنم تکرار

واہب بے صفت نے اپنے فضل واحسان کا دروازہ بے دریغ کھولا اور اس زیدہ اہل رشد کے دست سعی کو فروخی کا مژدہ دیا۔ اس سن و سال مین اپنے پدر بزرگ وار کی خدمت میں زانوے ادب تہ کر کے سب کتب درسی فارسی کی تحصیل سے خواہ نظم، خواہ نثر، فراغت کلی حاصل کی اور اس فن میں شب روز افادہ طلباے مدرسہ کمال میں مصروف ہے۔ گویا تخفیف تصدیع جناب ممدوح مدنظر ہے۔ اور علوم عربیہ میں سے صرف اور نحو اور معنی و بیان و بدیع کو نہایت تحقیق اور تدقیق کیساتھ پڑھ کر تحصیل منطق اور تکمیل فن طباعت میں مشغوف تھے۔ کتب درسہ طب سے کچھ قلیل مقدمات باقی رہے ہیں۔ اللہ تعالی مدت عمر میں افزائش کرے اور ترقی کمالات کی ایسی توفیق دے کہ ہر فن میں یک فنی ہو جائے۔ جو ناظم دیوان کائنات نے سرو کے مانند جامہ موزونی اس کے قامت استعداد پر قطع کیا ہے، اس سن میں پایہ شاعری کا مسلم ہو گیا ار نقد سخن محک تحسین اہل انصاف پر پہنچ گیا۔ بسیار گوئی اور خوش گوئی ایک نعمت ہے کہ موائد انعام منعام حقیقی سے جس کے نصیب میں ہو۔ اس کو ملتی ہے۔ کثرت سخن اس مرتبہ کہ مشاعرے کے روز معہود تک اس کے گنجینہ فکر سے اکثر اہل مذاق کو کہ ہنوز استعداد شعر گوئی نے ان کو مر دمیدان مشاعرہ نہیں کیا۔ صدہا شعر عطا ہو جاتے ہیں۔ ہر چند وہ اشعار اس کے متاع سخن کی زکوۃ ہیں، لیکن خود اس طرح نصاب کمال کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر ان سے مستحقین کرامت زکوۃ لے جائیں تو عجب نہیں، اور خوبی کا یہ حال کہ اگر چہ وہ اس کے باغ طبیعت کا فضلہ ہیں لیکن اوروں کے نخل استعداد کے ثمرۂ نفواد سے بہتر۔ پاکی۔ زبان اور شستگی عبارت اور روح افزائی۔ معنی اور دل آویزی مضمون اور تازگی طرز اور متانت تراکیب۔ کس

کس چیز کی تعریف کی جائے کہ کثرت خوبیوں کی بند زبان تقریر ہے اور مانع جرات تحریر۔ علم عروض قافیہ کی مہارت کا تو کیا کہنا ہے۔ کہ یہ اپنی ہی دوکان کی متاع او اپنے ہی خزینے کا نقد ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ ان کمالات پر مزاج میں خلق اور طبیعت میں انس ایسا ہے کہ دولب گویا کتاب۔ اخلاق الحسین، کی دوسطر اور سخن نفحات الانس۔ کا ایک باب ہے۔ گل کی طرح خندہ پیشانی لیکن ریش خند سے بیزار، سوسن کی مانندہ زبان مگر زیادہ گوئی سے ننگ و عار۔ اگر صفائی الفاظ کر بیان کیجئے موج نفس صبح کے روبرو ہمسری کا دم بھرے اور اگر رنگینی معنی کا مذکورہ ہو تو ہوائے کلام شفق کے ساتھ برابری کرے۔ مبالغہ شاعرانہ اور اغراق منشیانہ سے قطع نظر توصیف اس نونہال جوانی کی فی الواقع حیز تقریر سے خارج ہے۔ ہر چند اصناف سخن پر قدرت اور انواع کلام میں مہارت حاصل ہے لیکن تخمیس غزل خصوصا قطعہ لاسیما اس قطعے کے کہ ابیات کثیرہ پر مشتمل ہو۔ جیسے اس سر کردہ سخن سنجان روزگار سے صورت پذیر ہوتی ہے۔ کہن مشقان کامل استعداد اس میں عاجز ہیں۔ اب چند روز سے یوں بھی دیکھا جاتا ہے کہ کمیت توجہ کی عنان مخمس کرنے کی طرف بہت منعطف ہے۔ اہل انصاف اس سخن سنجی کی داد دیتے ہیں اور اس کلام کو سخن وری ک امعجزہ قرار دے کر بجان و دل مانتے ہیں۔ یہ سب کمالات ایک طرف، تاریخ گوئی ایک نعمت عظمی ہے کہ منعم بے منت اور فیاض بے ضنت عمت آلاوہ وجلت نعماوہ نے خوان الوان کرم سے اس کو عطا کی۔

ماہران فن خوب جانتے ہیں۔ کہ التزام کس چیز کا لطف سخن کو حد کمال تک پہنچنے نہیں دیتا۔

بلکہ بسا اوقات ان قیود کی شامت سے شاہد کلام زیور معنی سے معرا ہوا ہو جاتا ہ ے۔ اور تاریخ گوئی میں عدد خاص کی قید سے تو دائرہ سخن سنجی کا ایسا تنگ ہوتا ہے کہ قدرت انشاء کو نیم گام اٹھانا دشوار ہے۔ اس شہ سوار کمال کی مطلق عنانی۔ عرصہ تنگ

تاریخ میں تماشائیاں انصاف دوست پر واضح اور لائح ہے۔ اس التزام پر فصاحت الفاظ اور جدت معنی اور تازگی، تشبیہ اور نزاکت مضامین یہ پایہ رکھتی ہے کہ اگر سامع کو متنبہ نہ کریں تو آیا نی۔ سیاق اور روانی طرز اور بے تکلفی تراکیب سے قید تاریخ کی طرف وہم کو گذر نہ ہو۔ شیخ ابراہیم ذوق کی تاریخ وفات کا قطعہ کہ اس کے ترجے میں سطور ہے۔ دیدہ وران منصف کو قطع نظر اس سے کہ مذاق سخن فہمی کو لذت بخش ہوا۔ کس قدر بر سر انصاف لایا ہوگا کہ دعوے دران ہنر اس نظم بے عدیل کے سامنے بجز اس کے کہ فرق لاف کو فرو اور زبان گزاف کو بند کریں۔ کیا چارہ ہے، ہاں اے مدعی۔ ہرزہ سر۔ اگر اعتاف وہ کجی سے تیری طبیعت ناراست دامن انصاف ہاتھ سے چھوڑ کر بے ہودہ میدان یاوہ درائی میں خواہ مخواہ سرگرم جولان ہے۔ بسم اللہ اینک گوی و اینک میدان۔ محاسن ذاتی اور صفاتی جد دامن گیر ہے اور محبت صمیمی اور الفت دلی جو مجھ کو اس مجمع مفاخر کے ساتھ ہے۔ علاحدہ متقاضی ہے کہ قلم کو تحریر سے اور زبان کو تقریر سے باز نہ رکھوں۔ اور جہاں تک حد بشری ہو۔ اظہار محامد میں کوتاہی نہ کروں۔ اور میں خود بھی اپنے شوق سے سخن سرائی میں سرگرم ہوتا ہوں۔ لیکن ان باتوں کی حلاوت لب کو بند کیے دیتی ہے۔ ناچار چند شعران کے کلام گوہر نثار سے انتخاب کر کے نظر ارباب زوق سے گزرتا ہوں، اور عجیب یہ ہے کہ ہنگام انتخاب ہر شعر کا یہی تقاضا ہے کہ اگر مجھ کو نہ لکھا، کیا لکھا۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

لیکن اطناب سخن کے خوف اور اختصار کلام کی رغبت کو ایک حیلہ معقل سمجھ کر گریز پائی کو بدرقیہ بنالیا اور چلتے چلتے جس پر قلم کا ہاتھ پڑ گیا۔ غنیمت سمجھا اور اس کو درج قرطاس میں درج کیا۔

ہوتے ہی ہو گا اثر اس نالہ شب گیر کا

راہ پر آنا کوئی آساں ہے چرخ پیر کا
جان کو راہ فنا میں ہو گیا چلتا محال

بس کہ ہر ہر گام ہے کشتہ تری شمشیر کا
میرے دل میں حسرتیں ہیں کاروں در کارواں

کم نہ ہو جائے کہیں پیکاں تمہارے تیر کا
سوز یاروں نے تو چاہا کہ وہ تجھ سے ملے

پر نہ وہ آئے تو یہ لکھا تری تقدیر کا
کوئی افسانہ غم دل کے برابر نہ ہوا

لکھے سو حرف پر اک حرف مکرر نہ ہوا
تربیت کے بھی لیے اہل ہیں درکار کہ یاں

اشک قطرہ ہی رہا اور کبھی گوہر نہ ہوا
ہم تو ہر رنگ میں پہچانتے ہیں تجھ کو و لے

کم نگاہوں سے یہ پردہ ترا بہتر نہ ہوا
ازنوا، واسطے ناقص کے ہے اکسیر کمال

قطر ہ آیا نہ صدف میں تو وہ گوہر نہ ہوا
دور سے توڑے ہے مژ گاں تری سو تو وہ دل

شکر صد شکر کہ دناوک میں ترے پر نہ ہوا
یہ دل کے جانے کا ماتم مگر ہے جان حزیں

کہ ایک شور ہے سینے میں زباں ہوتا
چمن سے جاتی ہے اس طرح سے بہار اور ہاے

کسی طرح نہیں صیاد مہرباں ہوتا
ہم اور بیٹھے پریشانیاں یہاں کھینچیں

تم اور بیٹھے بنایا کرو سنگار اپنا

تو مر نہ جائے کہیں سوزغم میں رک رک کر
ذرا تو حال کہا کر کسی سے یار اپنا

فکر میں تھے انتہائے عشق کی مدت سے ہم
بارے یہ عقدہ ہمیں آ کر نہ خنجر کھلا!

صبا رقیب سے رکھتی تھی راہ کچھ ورنہ
ستم یہ کیوں مرے مشت غبار پر ہوتا

خدا ہی جانے کہ کیا سوز دل پہ آن بنی
کہ آج صدمے پہ صدمہ ہے جان پر ہوتا

عالم کو چین دیتی نہیں شوخیاں تری
اور اضطراب میرے دل بے قرار کا

ساقی ہوا نہ موسم گل میں تو مہرباں
اور اب جو مہرباں ہے تو موسم ہے خار کا

میرے جنوں سے اور ترے حسن شوخ سے
اب کی کچھ اور رنگ ہے ظالم بہار کا

دھوکے میں غیر کے مجھے ساقی نے دی شراب
مجھ کو ہوا گماں کہ ہے کچھ ڈھنگ پیار کا

ظالم ترے تشنوں کا گلہ تر نہیں ہوتا
جب تک کہ رواں حلق پہ خنجر نہیں ہوتا

کچھ ترا شہرہ ہوا کچھ میری رسوائی ہوئی
رفتہ رفتہ یوں ہی ظاہر راز پنہاں ہو گیا

عشق میں ہو ہی چکے ہم تو بے ساماں مگر

IqbalCyberLibrary.net all rights reserved. ©2002-2006

حسرتیں بڑھ بڑھ کے پھر کچھ جمع ساماں ہو گیا

سوز نے اچھی نباہی ابتدا میں تو و لے
انتہا پر آن کر ناداں ہراساں ہو گیا

میں بڑا بول جو بولا تھا شب وصلت میں
سو وہ آگے مرے ہنگام سحر آہی گیا

ابھی دل میں ابھی آنکھوں میں ابھی دامن پر
اشک میں بھی تری شوخی کا اثر آہی گیا

دل جوں ہی کعبے سے اچٹا تو لگایا نہ گیا
کر کے بت خانے کا ناچار سفر آہی گیا

اب کوئی سوز سے نبھنے کی نکالو صورت
خیر تقصیر ہوئی اب تو ادھر آہی گیا

انقلاب دھر کع کب تک کوئی روئے کہ یاں
کیا سے کیا کچھ ہو گیا اور کیا سے کیا ہو جائے گا

آہ میں ہرچند اثر ہو تا تو ہے دشوار لیک
ایسی مایوسی میں کچھ تو آسرا ہو جائے گا

سوس گو بے گانہ ہے پر بزم میں رہنے تو دے
رفتہ رفتہ ہے ابھی ظالم آشنا ہو جائے گا

وائے قسمت کہ خزاں میں رہے گل زار کے پاس
اور بہار آئی تو صیاد جفا کار کے پاس

پاس آنے میں نہ کشتوں کے لگے دیر کہیں
لے لیا موت نے گھر ہی تری دیوار کے پاس

اللہ اللہ تسری صیاد تغافل کیشی

کہ جو بھولے سے بھی آئے نہ گرفتار کے پاس
ہائے رے جذبہ صیاد کہ بھاگے بھی جو صید
پھر بھی ان رہے ہے اسی خوں خوار کے پاس
وز خستہ ہی نہ ہو جلد خبر لے ظالم
اک جواں سا ہے تڑپتا تری دیوار کے پاس
اے سوز ابتدا ہی میں بگڑا ہوا ہے حال
آگے کو رنگ دیکھیے کیا کیا دکھائے دل
لگ چلنے کو کسی کے دامن سے تو بلا ہیں
گو دیکھنے کو ظاہر مشت غبار ہیں ہم
بد عہدیوں کی تیرے کیا کیجئے شکایت
جب آپ ہی جہاں میں نا کدار ہیں ہم
جتنا جتنا روکا ان کو وتنے ہی بکھرے اور
طفل تو ہیں یہ اشک ابھی پر کتنی شرارت رکھتے ہیں
یوں ہی آئی عمر اور یوں ہی گئی
ہم خدا جانے رہے کس دھیان میں
سوز تھا آخر کو پھر ناکردہ کار
ظلم سے گھبرا گیا اک آن میں
کثرت حجاب کی ہمیں مانع ہے ورنہ یہاں
وہ کون سی جگہ ہے کہ تو جلوہ گر نہیں
ناحق بتوں کے سجدے میں اوقات کی تلف
پتھر ہیں ان میں کچھ بھی تو ہوتا اثر نہیں
بوسے پہ اس دھن کے کہ جس کا نہیں سراغ

ہلتی تری زبان بت بے داد گر نہیں
ارماں ہے کون سا کہ سویدایدل نہ ہو
امید کون سی ہے جو داغ جگر نہیں
ایک مژگاں کے تصور سے ترے اے کافر
خار سے خار تھے سینے میں کہ کھٹکے لاکھوں
سیکڑوں ہیں تری اس سادہ مزاجی پہ نثار
اور قربان ہیں ظالم تری ہٹ کے لاکھوں
مجھ کو ہر کھٹکے پہ گذرا ترے آنے کا خیال
اور شب وعدہ میں ہوتے رہے کھٹکے لاکھوں
جان سینے میں ، نظر آنکھوں میں، دم ہونٹوں پہ
اک نہ آنے سے ترے کام ہیں اٹکے لاکھوں
الفت میں تری ہائے میں اس طرح سے اجڑوں
اور خانہ اغیار ہو آباد غضب ہے
ہم نے کبھی چین سے کی سیر گلستاں
جب فصل بہار آئی تو صیاد غضب ہے
سن سن کے دماغ اپنا تو ہوتا ہے پریشاں
اے سوز تری زاری و فریاد غضب ہے
چرخ کو آبادی۔ دام و قفس منظور ہے
ایک اجڑا تھا کہ بنتا آشیانہ او رہے
کھچ گیا شاید تغافل کچھ ترا مانی سے جو
کھچتے کھچتے یہ تری تصویر آدھی رہ گئی
رحم بھی آیا تو کب آیا تجھے قاتل کہ یاں

حلق میں کٹ کر رگِ نخچیر آدھی رہ گئی

اس کے حلقوں میں ہے ضعف پا سے سرمے کا اثر
جو صدائے نالہ زنجیر آدھی رہ گئی

ہم نے کچھ ہمت تو کی تھی پر کریں کیا لب تلک
آتے آتے آہ کی تاثیر آدھی رہ گئی

آج یاں رسوا ہوا، کل واں خرابی میں پڑا
یوں ہی گھٹ گھٹ کر مری توقیر آدھی رہ گئی

اللہ اللہ شوخیاں تیری کہ تیرے ناز کی
لوحِ دل پر جب بنی تصویر، آدھی رہ گئی

اس نے چشمِ قہر سے بھی ہم کو رکھا بے نصیب
ہم یہ سمجھے جرم کی تعذیر آدھی رہ گئی

سوز اس کو دیکھ کر حیرت زدہ سا رہ گیا
کہتے کہتے زیرِ لب تقریر آدھی رہ گئی

تو بھی دے چاہے جس انداز سے آزار مجھے
میں بھی دیکھوں کہ ترے ساتھ ہے کیا پیار مجھے

جی نے چاہا تو گیا بیٹھ کسی کوچے میں
اور نہ چاہا تو ہے پھرنے سے سروکار مجھے

اس کو ہے شوقِ ستم مجھ کو ستم کی خواہش
میں ستم گار کو درکار، ستم گار مجھے

اور وہ کون سا عقدہ ہے کہ آساں ہو گا
ایک ملنا تھا تمہارا سو ہے دشوار مجھے

سوز ہے کچھ تو تمنا کہ پڑے پھرتے ہو

کیوں یہ کہتے ہو نہیں اس سے سروکار مجھے
ہیں تو چمن کے اندر پر جور باغباں سے
آوارہ پھر رہے ہیں گم کردہ آشیاں سے
حیرت نے ہم کو غنچہ تصویر کا بنایا
اس پر بھی ڈر رہے ہیں بیدادی، خزاں سے
صیاد پھینک دیوے یا برق پھونک دیوے
اب ہاتھ اٹھا لیا ہے ہم نے بھی آشیاں سے
دیکھا عجب تماشا طرفہ کیا نظارہ
گزرا جو صبح گاہاں میں صحن گلستاں سے
یعنی کہ ایک بلبل بیٹھی تھی شاخ گل پر
رنگ چمن دوبالا تھا اس کی داستاں سے
جوں سوز در دل اشعار میر بر لب
گویا وہ خبر دیتی تھی سوزش نہاں سے
اس کے سخن میں ہم دم کیا کچھ بھری تھی گرمی
گویا کہ آتش دل تھی شعلہ زن زباں سے
گہ نالہ و فغاں سے عالم کو پھونک دینا
گہ دل ہی دل میں جانا آہ شرر فشاں سے
گہ فصل گل سے شاداں کو تاہ بینیوں سے
گہ پیش بینیوں سے غم گیں تھی وہ خزاں سے
اسکو سمجھ کے اپنا ہم درد وہم مصیبت
پوچھا یہ میں نے اس سے تو کہہ تو کچھ زباں سے
کیا حال ہے کہ تیرے وہ کہ تیرے وہ زمزمے نہیں ہیں

اندوہ گینیاں ہیں ظاہر تر ی فغاں سے
کہنے لگی کہ جو جو میری حقیقتیں ہیں
سو گفتنی نہیں ہیں کیا فائدہ یہاں سے
لیکن نہیں مناسب بالکل بھی چپکے رہنا
اب راز دل چھپاؤں اور تجھ سے راز واں سے
میری یہ ہے حقیقت میرا یہ ماجرا ہے
یعنی کہ خستہ دل ہوں اور تنگ اپنی جاں سے
نے بیٹھنے کی جا ہے، نے رہنے کا ٹھکانا
آزردہ ہوں زمیں سے آشفتہ ہوں زماں سے
ان کے تو جور سہتے اک عمر ہو گئی ہے
صیاد سے گلہ ہے شکوہ نہ ہے شکوہ نہ باغباں سے
اب تو اک اور تازہ آفت ہے سر پہ نازل
یعنی بقول میر دل خستہ، آسماں سے
جب کو ندتی ہے بجلی تب جانب گلستاں
رکھتی ہے چھیڑ میرے خاشاک آشیا ں سے
لالہ اور اس طرح سے چھاتی پہ داغ رکھے
سب ڈھنگ اڑا لیے ہیں ہم سوز خستہ جاں سے

....

مخمس

پروانے ہی کی جان نہ کچھ شمع پر گئی
کچھ شمع ہی جلا کے نہ جان و جگر گئی
میری ہی جان پر نہ یہ آفت گزر گئی

تو ہی کچھ اپنے سر پہ یاں خاک کر گئی
شبنم بھی اس چمن سے صبا چشم تر گئی
ہیں قمریاں سو سرو پہ دل کو فدا کریں
اور سرو ہیں سو سب سے وہ آزاد ہی رہیں
اب آگے بلبلیں ہیں سو وہ گل پہ جان دیں
دیوانہ کون گل ہے ترا جس کو باغ میں
زنجیر کرنے موج نسیم سحر گئی
بہکی ہی بہکی پھرتی ہے ہر شام و ہر پگاہ
نے چرخ پر گزار نہ دل میں کسی کے راہ
تو کر کے اس کی بیکسیوں پر ذرا نگاہ
کیجو اثر قبول کہ تجھ تک ہماری آہ
سینے سے ارمغاں لیے لخت جگر گئی
ہر جا پہ لڑ ہی جاتی ہے کیا ماجرا کہوں
جب یہ ہوں اس کے ڈھنگ تو کیوں کر بھلا کہوں
کہتا نہیں میں دل کو کہ کیوں کر برا کہوں
خانہ خرابدل تو ہے لیکن میں کیا کہوں
جیسی بلالے جان سے یہ آنکھ گھر گئی
اول تو دیکھتا ہی نہ تھا کہ ادب سے میں
اپنی نظر کو روکے ہی رہتا تھا سب سے میں
بالفرض اب جو آگے کسی کے سبب سے میں
نظارہ باز بزم بتاں کا ہوں جب سے میں
تو ہی نظر پڑا مری جیدھر نظر گئی

منظور گر تلافی، مافات ہو تو خیر
کچھ درد اپنا روئیں بھی پھیلا کے خوب پیر
اور گر بھرے ہیں دل ترے میں وہ ہی اگلے پیر
مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیونکہ مجھ بغیر
اس گفتگو سے فائدہ پیارے گذر گئی
جوں سوز اس کو کچھ نہ دیا روزگار نے
اور کچھ دیا تو رنج دیا بد شعار نے
جب دے دیا جواب شکیب و قرار نے
سودا فغاں کو خط یہ لکھا اس کے یار نے
جس وقت اس کے حال کی اس کو خبر گئی
اور یہ سنا کہ صبر نہیں ہے اسے ذرا
سمجھا وہ یہ وہ یہ کہ راز نہ ہو جائے برملا
ناچار اس نے اس کی تسلی کو یہ لکھا
سن اے فغاں جہان میں عاشق جو ہو گیا
معشوق سے اس روش اس کی گزر گئی
عاشق ستم اٹھاتے ہی آئے ہیں بیش تر
معشوق ظلم کرتے ہی آئے ہیں سر بسر
تو اپنے اپ سوچ کے انصاف دل میں کر
شیریں نے جور کب نہ کیا کو ہکن کے سر
مجنوں پہ کیا جفا ہے کہ لیلی نہ کر گئی
نالوں کا قمریوں کے رہا غل چمن کے بیچ
کھائے دل و جگر پہ نہ کیا گل چمن کے پیچ

اور آگے کیجئے، جو تامل چمن کے بیچ
گل ہی پڑی سسکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
ذرہ نہ اس کے حال پہ گل کی نظر گئی

دل عاشقوں کے شب کو یہاں تک گلے کہ صبح
آنکھوں سے کوئی نالے سے نالے چلے کہ صبح
ظاہر نہ تھی کہ شام ہے آنکھوں تلے کہ صبح
پروانے رات شمع سے اتنے جلے کہ صبح
خاکستر ان کی لے کے صبا دوش پر گئی

ان کے ستم اٹھانے کو ہیں جانتے سبھی
انکی ستم گری سے بھی واقف ہے ہر کوئی
آئی قدیم سے بھی یہی رسم ہے چلی
کچھ تازہ میں کیا ہے کہ بدنامی کو مری
آواز آہ و نالہ تری گھر بہ گھر گئی

سوزش سے تیری نام کو باقی نہیں تری
پھرتی ہے تیری آہ سے بجلی ڈری ڈری
شور و فغاں سے چرخ بھی بھولا ستم گری
حرمت رکھی نہ رعد کی فریاد نے تری
رونے سے تیرے آبروئے ابر تر گئی

تونے بہا کے دل لہو چشم ترکی سرخ
دامن پہ تیرے بوندیں ہیں خون جگر کی سرخ
پائے فگار سے یہ زمیں سر بسر کی سرخ
لوہو سے تیرے سر کے ہے دیوار گھر کی سرخ

آنکھوں سے موج خوں تری بیرون در گئی

عاشق ہے لائے جس کا جگر تاب درد ہجر
رکھے ہمیشہ مد نظر تاب درد ہجر
جاں کو گنوائے، لائے مگر تاب درد ہجر
دل کو ترے نہیں ہے اگر تاب درد ہجر
تو کار عشق سے تو مری جان کر گئی

اور ایسا ایسا اور لکھا نکلے جس سے بیر
جس میں کہ شر ہی شر ہو نہ ہو کچھ بھی بوے خیر
جیسے کلام غیر سے کرتا ہے کوئی غیر
القصہ خط کو پڑھ کے یہ اس نے لکھا کہ خیر
تیرے ہی دل کی مہر نہ جانوں کدھر گئی

کیا جانیے کہ تیری ہی خاطر کو کیا ہوا
دل میں نہ تیرے رحم نہ کچھ عادت وفا
شیریں نے کوہکن پہ ستم گر کیا کیا
شیریں کی ایک میں نہ کہوں ورنہ بارہا
لیلی جدھر تھی وادی، مجنوں ادھر گئی

آخر پھری ہے اس کے تجسس میں جابجا
جو یا ہو جیسے معنی از یاد رفتہ کا
معنی کی طرح جان کے اک حرف مدعا
یاں تک تو گھٹ میں لیلیٰ کے مجنوں سما گیا
اس اتحاد سے انھیں باہم بسر گئی

واں رنگ اڑ گیا رخ گل گوں سے وقت قصد

طاقت یہاں گئی دل مجزوں سے وقت فصد
رنگین واں تو ہاتھ ہوا خوں سے وقت فصد
لیلی کے پوست مال اگر نیشتر گئی
تیرے ہی عہد میں ہیکہ عاشق تو ہو ہلاک
معشوق اس کے سوگ میں ہو وے نہ درد ناک
مر جاں جب بھی تجھ کو تو ہووے نہ درد ناک
ظالم کڑوڑ گل کا گریباں ہو اہے چاک
ایک عندلیب گر اجل اپنی سے مر گئی
عاشق کو اپنے آپ جلاتی ہے گو کہ شمع
روشن ہے اس پہ ظلم وہ کرتی ہے جو کہ شمع
پر اپنے سوزدل سے ہے آگاہ جو کہ شمع
پروانہ کون سا نہ جلا شام کو کہ شمع
روتی ہوئی نہ بزم سے وقت سحر گئی
اب کب تلک یہ روؤں ترے آگے ماجرا
بیٹھا ہو اکلام کو دوں طول تا کجا
کب تک کہا کروں کہ یہ اچھا ہے یہ برا
یہ گفتگو تو قطع نظر اس سے تجھ کو کیا
مجھ سے جفائے ہجر کی طاقت اگر گئی
میں نے ہی خون دل سے یہ ہے چشم تر کی سرخ
دامن پہ میرے بوندیں ہیں خون جگر کی سرخ
میں نے ہی اپنے پا سے زمین سر بسر کی سرخ
میرے لہو سے ہے مرے دیوار گھر کی سرخ

میرے ہی موج خون کی بیرون در گئی
رویا تھا میں ہی میں نے ہی پھر پاک کر کیا
تو نے تو ہاتھ آنکھ پہ میری نہیں رکھا
دامن بھرا تو میرا بھرا اس سے تجھ کو کیا
شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لو ہر سے بھرگئی

....

سوزان

سوزان تخلص، شاہزادہ تبار، مرزا امام بخش المعروف بہ مولوی کلو۔ درویش مزاج اور میاں رحیم بخش قدس سرہ کے خلفا میں شمار کیے جاتے تھے۔ جناب غفران مآب حافظ عبدالرحمان خان احسان سے تلمذ رکھتے تھے۔ یہ چند شعر اس معرفت کوش کے تحریر ہوئے:

کہے کوئی خاک اس سے راز نہفتہ
نہیں سامنے اس کے یارا کسی کا
پھر دام سے زلفوں کی تاحشر نہ چھوٹے گا
اے دل تو کہیں اس کے پھندے میں نہ آجانا
میں خون دل پیوں اور ہنگام بادہ نوشی
بوسہ یہ جام لیوے اس کے لب و دہاں کا
جسے تو چاہتا ہے اس کو یہ رکھتی ہیں نظروں میں
دلا قائل ہوں میں آنکھوں کی اور تیری رقابت کا

....

سوزش

سوزش تخلص زیدہ جہان، حافظ عبدالرحمٰن۔ شاہجہان آباد میں نقد کہاں کی تحصیل کے واسطے وارد، اور علوم عربیہ میں کما ینبغی مستعد۔ مقدمات علمی حاضر او رقوت مطالعہ معین۔ یقین ہے کہ مدت قلیل میں تحصیل کمال سے فراغ بہم پہنچ جائے۔ ہر چند لباس طالب علمی جامہ جہالت ہوتا ہے لیکن اس صاحب اخلاق نیک نہاد میں انکسار اور تواضع کا ذخیرہ ایسا فراہم ہے کہ درویشان خاکی نہاد اگر اس کے دریوزہ فیض کے واسطے کاسہ گدائی ہاتھ میں لیں تو کیا عجب ہے۔ یہ نعمائے غیر مترقبہ خوان سالار حکمت بالغہ کے قبضے میں ہیں۔ جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں:

این دولت سرمد کس را نہ دھند

ہر چند مقدمات علمی کا توغل توجہ شعر سے مانع ہے۔ لیکن موزونی، ذاتی کے اقتضا سے اس شغل دل پزیر سے گزیر نہ ہوا اور اس سلسلے میں ابراہیم ذوق کو شیخ وقت پا کر پیر طریقت قرار دیا اور بہت فیض اٹھایا۔ اکثر مشاعرے میں تشریف لا کر حاضرین بزم کو کبھی اپنے کلام سے شاد کاے اور کبھی ان کے سخن کی داد دی۔

یہ اشعار اس کے نتائج افکار سے ہیں:

اس قدر ضعف ہے بیٹھوں ہوں تو اٹھنا ہے محال
ناتوانی سے اٹھا بھی تو گرا جاتا ہوں

واعظا آ کے بزم رنداں میں
کر نہ روز حساب کی باتیں

ہوا منظور میرا رشک جو اس شوک پر فن کو
تصورے میں بھی ساتھ اپنے لیے آیا وہ دشمن کو

کوئی بجھتی ہے دل میں عشق کی آتش پس مردن
نہیں پانے کے تم ٹھنڈ کبھی سوزش کے مدفن کو

بند مخمس

یہ کیا ہے کہ ترے عشق نے مجھے مارا
دل و جگر کو کیا پارہ پارہ سے سارا
مری تو خواہش دل ہے یہی کہ یک بارا
جگر ز ہجر تو صد پارہ با دو ہر پارا
ہزار ذرہ وہ ہر ذرہ در ہوا ے تو باد

....

سہراب

سہراب تخلص ،مرزا سہراب بیگ ،متوطن شاہجہاں آباد۔مرد معمر صاحب اخلاص حمیدہ اوصاف پسندیدہ۔علم رمل میں دستگاہ تمام اور استخراج احکام میں قدرت مالا کلام۔خط نسک سے یاقوت کی آبرو کو خاک پر گرا دیا ہے اور جو کہ گوہر رقم اس کے خطاب مستطاب کا جزو ہے۔اس نسبت سے گوہر کا وقار بڑھا دیا ہے۔جن سخن کی مشق شاہ نصیر مرحوم سے کی ہے۔اس فن میں فکر رسا اور تلاش بلند رکھتا ہے۔یہ چند شعر اس کے مرقوم ہوتے ہیں

اشعار فارسی

الم بسلسلہ زلف یار در بند است
چہ گویم آہ کہ ایں قصہ چند در چند است
دارم بیاد زلف او ہر لحظہ سو دائے دگر
من خود بجائے دیگر وہ دل ہست در جاے دگر

اشعار ریختہ

صبح دم دیکھ کہ نقشہ تیری پیشانی کا
آئینہ فرد بنا دفتر حیرانی کا
ہم سے اک بار لگ چلے وہ صبا

پھر تو لگ چلنے کو ہوا ہیں ہم
ہے ظہور آپ ہی میں مثل حباب
اپنی ہی ذات میں فنا ہیں ہم
دریا ہے موج زن مری چشم پر آب میں
بحر محیط بند ہوا ہے حباب میں
طپش دل کی فرو ہوتی ہے چشم تر کی دولت سے
رہے جاری اگر یہ رات دن ناسور بہتر ہے

سیارہ

سیارہ تخلص مرزا فخر الدین پسر متوسط مرزا معز الدین ثابت، ابن حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برہانہ۔ جوان عالی طبع، خوش وضع، صاحب فکر بلند و طبع ارجمند، نیک خو، کشادہ رو، خندہ پیشانی، شگفتہ خاطر۔ رسائی۔ تدبیر سے ہو کار کے انتظام کا سلیقہ بہت خوب اور کمال ذکا سے اکثر فنون خصوصا ستار کے بجانے میں دست گاہ معقول ہے۔ راقم کے ساتھ مرتبہ دوستی کو اخویت کی حد سے آگے بڑھایا ہے اور فن شعر میں حضرت احسان علیہ الرحمتہ والرضوان سے فیض اٹھایا ہے۔ عاشق پیشگی پسند مزاج اور اختلاط گل رویان سمن اندام سرمایہ ابتہاج۔ روز و شب ایکنہ اک معشوقہ راست قامت و کج ادا سے ہنگامہ صحبت گرم رہتا ہے۔ گلشن حیات کی تازگی اور گل زار زندگی کی سیرابی۔ حدیقہ حسن کی گلگشت کو۔ اور خواب راحت کا افسانہ خوبان دل ربا کی سرگزشت کو سمجھنا ایک امر طبیعی ہے۔ یہ ثمر ہائے خوش مزہ اس کے حدائق افکار سے لذت بخش مذاق اہل سخن ہوتے ہیں:

واہ ری شدت گریہ کہ تری دولت سے
کہیں دریا، کہیں نالا ، کہیں تالاب بنا
شوق پابوس یہی ہے تو پس قتل دلا

لوٹتا پاؤں پہ قاتل کے مرا سر ہوگا

لگائے آنکھوں سے میں نے جو اضطراب میں پاؤں

یہ ضد تو دیکھو کہ پہروں میں دھوئے آب میں پاؤں

خدا کے واسطے جا کر کہو اس آفت جاں سے

کہ وقت نزع ہے رخصت تو ہو بیمار ہجراں سے

....

سید

سید تخلص میر غالب علی خاں۔ میر منشی سرکار گردوں مدار، حضرت شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برہانہ۔ تاریخ گوئی میں ید طولی رکھتا تھا۔ مردبہ اکرام کے سرائے کی تاریخ کمال آب وتاب کے ساتھ اس نتائج طبع سے مشہور اور السنہ ءجلائق پر مذکور ھے۔ تقریباً اس جگہ اُس تاریخ کا لکھنا لازم ھوا:

''یک شب کرمے کن بہ سرائے اکرام''

اور اُس کی وفات کی تاریخ بھی اس صاحب طبع کے نتائج فکر سے اور اس مرحوم کی پیشانی پر جو کہ پایان مزار پر انوار حضرت امیر خسرو دھلوی قدس سرہ العزیز واقع ھے' کندہ ھے۔ وہ بھی مشتاقان سخن پسند کی نذر نگاہ کی جاتی ھے:

''اکرام بیاسود بپاے خسرو''

یہ چند شعر اس سخن معنی یاب کے افکار سے ھیں:

سبب کیا پوچھتے ہو مجھ سے میرے زار رونے کا

کسی کو کچھ مرض، ہے مجھ کو ہے آزار رونے کا

نے غازہ نہ گل گونہ نہ ہے رنگ حنا تو

اے خوں شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا

روکش اندوہ ہجراں شب دل بے تاب تھا

تاب کا پا، جگر، طاقت کا زہرا آب تھا

دکھ مداوا، کا مر سے بیشتر پیدا ہوا

مجھو کو سن دل گھستے گھستے درد سر پیدا ہو

میں اور ترک عشق یہ امکان ہی نہیں

ناصح کے پند سننے کو یاں کان ہی نہیں

مو کمر کو تری سب ہیچ مداں کہتے ہیں

تو ہی کہہ منہ سے کہ کیا اس کو میاں کہتے ہیں

جب نہ تب شکل بتاں اس میں نظر آتی ہے

دل کو اللہ کا کس رو سے مکاں کہتے ہیں

یارو مری بالیں سے نہ اٹھو نہ جدا ہو

حالت مری اچھی نہیں۔ کیا جانیے کیا ہو

....

سید

سید تخلص میر علی نقی، کہین برادر میر ابو القاسم محبؔ، برادر، زادہ میر نظام الدین ممنون، جوان متین و خوش اخلاق ہے۔ علم ضروری سے آگاہ اور ریختہ گوئی میں صاحب دست گاہ، یہ چند اشعار اس کے درج تذکرہ ہوئے:

قربان سادگی کے لگا کہنے غیر سے

کیا جانے آج کیا تھا کہ سید خفا گیا

کس سے پوشیدہ ہو حال زار سید ہمدمو

اور کچھ باتیں باتیں کرو، جانے دو ان افکار کو

کھلے بال، شاید کوئی خوب رو ہے

صبا کی لپٹ میں جو عنبر کی بو ہے

نہ چاہوں بھلا کیوں کہ ایسے کو سید
ہر اک بات میں جس کی شوخی کی بو ہے
عجب انداز سے کچھ ان دنوں میلے کچیلے ہو
غضب دل کش ادا ہے۔ دشمنوں کی سوگواری کی

....

سید

سید تخلص، زبدہ سادات کرام، عمدہ نجبائے کرام، میر سید علیل ولد سید محمد علی کہ یہ خلف عالی وقار تھے نواب افتخار الدولہ مکرم الملک سید فیض الدین علی خاں عرف میر جھبو ولد نواب جعفر خاں کے، کہ سادات صحیح النسب شیعی مذاہب اور اولاد امجاد حضرت موسیٰ کاظم علیہ التحیہ والثنا سے تھے۔ نواب جعفر خان مغفور کے جد امجد خاک ایران دیار سے وارد گل زمین شاہجہان آباد اور مورد عنایات سلطانی ہو کر عہدہ وزارت سے ممتاز، اور میر جھبو، مہر وعہدہ قلعہ داری سے سرفراز ہوئے۔ میر سید علی موصوف حقوق سابقہ کی وساطت اور سوابق خدمت کے ذریعے سے ہنوز عطیات خسروانی کے ساتھ اختصاص رکھ کر عزت و آبرو سے بسر کرتے ہیں۔ باوصفے کہ عین ایام شباب اور گلشن عمر تازہ شاداب تھے۔ خلق و مروت اور تواضع و اہلیت ایسی ہے کہ گویا یہ جامہ انھیں کی قامت استعداد پر قطع کیا ہے۔ ہر چند طبیعت موزوں اور توجہ سراپائے اشعار کی تقطیع کی طرف مصروف ہے۔ لیکن آئمہ کرام کے اعتقاد کی عناں کشی سے دل صفا منزل قاطبۃ مرثیہ و سلام سے مشغوف ہے۔ ہر ماہ مسالے کی تقریب سے ان کے دولت خانے میں مومنین پاک اعتقاد، محبین، صافی نہاد سے مجلس منعقد ہو کر مستمعان فہیم کی طبیعت، لطف کلام سے شگفتگی بہار کا ذخیرہ فراہم کرتی ہے۔ جو کہ سخن کی یہ صنف بھی اقسام شعر سے تھے۔ ایک دو بیت صفحہ بیان پر ہر قسم کر کے اوراق کتاب کو رنگینی، الفاظ سے روضہ کرام اور سوز معنی سے بزم ماتم کرتا

ہے۔

حر یہ کہتا تھا شہ کے قدموں پر
سر فدا اس غلام کا ہوگا
تشنگی، شہ کی آئی جب کہ یاد
دیدہ پر آب جام کا ہوگا

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

باب الشین المعجمہ

شاہ تخلص میر یار خان، ساکن قصبہ میرٹھ۔ پلٹن انگریزی میں علاقہ منشی گری پر مامور اور مرد خوش خلق و پسندیدہ اطوار، ذہین و تیز طبع ہے۔ مشق شعر ہنوز بے اصلاح ہے۔ اگر ارشاد استاد دلیل ہو تو راہ پر پیچ سخن اس تیز قدم پر آسان ہو جائے۔ بحسب اتفاق ایک دفعہ وارد شاہجہان آباد ہوا تھا اور استادی مولوی امام بخش صہبائی کی خدمت میں راقم سے ملاقات ہوگئی اور چند شعر بھی زخیرہ گوش ہوئے۔ یہ شعر یاد رہ گیا تھا کہ ان اوراق میں مرقوم ہوا:

زلف صنم ہے مشک بو، سارے جہاں میں قاصد
اہوئے چیں جہاں ملے، جانیو یار کی گلی

....

شاد

شاد تخلص شیو پرشاد، شاگرد سید عالی میر حسین تسکین غفر اللہ لہ۔ مرد فہیم اور صاحب زہن سلیم ہے۔

تراکیب سخن دل چسپ اور بر جستگی، معانی ناخن بدل زن۔

یہ شعر اس کا یاد تھا:

جا کے قاصد بھی وہاں غیروں میں شامل ہو گیا
اور اک کانٹا نکل آیا مری تقدیر کا

....

شاعر

شاعر تخلص شیخ خدا بخش، متوطن سہارن پور۔ شرافت زات و حسن صفات میں بے عدیل ہے۔ یہ چند شعر اس کے افکار سے مرقوم ہوئے:

رہ گیا عیسیٰ بھی اپنا زخم خنداں دیکھ رکر

ہنس پڑا شور جراحت کو ، نمک داں دیکھ کر
ماہ تو دیکھیں نہ ہم، ابروے جاناں دیکھ کر
سنبل ترکو نہ چھوئیں زلف پیچاں دیکھ کر
اس کے لعل لب سے کس کو دیجئے نسبت کہ ہیں
خون دل ہے دل میں اپنے لعل و مرجان دیکھ کر
خود بخود گردن ڈھلی جاتی ہے اپنی اس طرف
ہاتھ میں اس صف شکن کے تیغ عریاں دیکھ کر
دہان تنگ دیکھ اس سرو قامت کا گلستان میں
چھپایا شرم سے غنچوں نے منہ اپنا گریباں میں
یہ کیا انصاف ہے اے چرخ ناانصاف سچ بتلا
زلیخا خوش ہو عشرت گہ میں اور یوسف ہو زنداں میں
کیا غمزے نے آخر کار اپنا ایک چشمک میں
بلا ہی آبداری تھی۔ میاں اس تیغ براں میں
اٹھایا لطف دنیا میں سبھوں نے عشق خوباں سے
رہا شاعر ہی لیکن حسرت و افسوس و حرماں میں

....

شاکی

شاکی تخلص، مرزا بختاور شاہ بہادر، خلف الصدق حضرت ظل الٰہی محمد سراج الدین بہادر شاہ خلد اللہ ملکہ۔ عمر پندرہ سولہ برس کی اور خلق خوش اور طوار گزیدہ اور تلمذ حافظ قطب الدین مشیر سے ہے۔ یہ دو شعر اس کے نتائج طبع سے مسموع ہوئے:

لائے اے آہ جگر تو اسے، یا نالہ دل
کون دونوں میں کرے جلد اثر ، دیکھیں تو

ایک پر ہے زخم ایک پر ہے داغ
دل تو وہ کچھ ہے۔ اور جگر یہ کچھ

شاہ

شاہ تخلص، درویش خدا آگاہ،۔ ذاکر لا الہ اللہ، درویش محمد شاہ، ایام جوانی میں مشق سخن کمال کو پہنچی تھی۔ اب کہ عمر شریف قریب ستر برس کے پہنچی۔ اگرچہ کثرت عبادت سے اور طرف کم تر متوجہ ہوتے ہیں لیکن موزونی ذاتی گاہ گاہ گلگشت سرزمین سخن کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ یہ دو شعر جوان دنوں میں زبان گوہر بیان سے سنے گئے۔ مرقوم ہوئے:

کیا بھروسا خوب رویان سمن اندام کا
ان پہ مرنا ہاتھ سے کھونا ہے ننگ و نام کا
روزی، اغیار ہی ہووے گا مے خانہ تمام
اور بھی ہے مستحق کوئی سبو و جام کا

شاہی

شاہی تخلص، مرزا نورالدین نبیرہ مرزا سلیمان شکوہ۔ ابن شاہ عالم بادشاہ۔ اک عرصہ دراز سے شہر لکھنو میں ساکن اور اس خطہ لطافت بنیاد میں مشاہیر شعرا سے مستفید ہے۔ عرصہ دو سال کا ہوا کہ کسی تقریب سے حضرت شاہ جہان آباد میں پہنچ کر چرب زبانی کے وسیلے سے مزاج سلطانی میں دخل پایا اور سخنان بے فروغ کو آب و نان کی تحصیل کا ذریعہ ٹھہرایا۔ اسی ایام میں دربار عام میں گیتی خداوند کے ارشاد سے محفل انشا و اشعار آراستہ ہوتی تھی اور راقم بھی حاضران بزم سے ہوتا تھا۔ اس محفل میں اس کلام کو بہ تکرار سنا اور اس کے نیک و بد پر بہ تفصیل مطلع ہوا۔ یہ شعر اس کا یاد تھا

کہ لکھا گیا:

مژدہ باد اے مے پرستو مے کدے کا در کھلا
خم سر شیشہ کھلا شیشہ سر ساغر کھلا

....

شایق

شایق تخلص، شیخ عبداللہ، ساکن سہانپور، اس کے اشعار میں کوئی شعر دل چسپ بلکہ مربوط نہ پایا۔ناچار یہ شعر کہ گویا ان اشعار کا فلک دفتر تھا۔لکھا گیا:

لگا لے اور سے پروانہ لو پروا نہیں اس کو
جلا دے گی محبت جو کہ ہے شمع شبستاں میں

....

شتاب

شتاب تخلص، مرزا غلام عباس، پسر مرزا آغا جان مضطر مرحوم: اولا دامجاد حضرت شاہ عالم بادشاہ سے ہے۔نوجوان خوش وجاہت اور شعر گوئی کی طرف چند روز سے ملتفت۔اور مرزا رحیم الدین حیا سے مستفید۔یہ شعر اس کا سنا گیا:

دست بردار ہوئے تم کسے لکھوں کاغذ
آرزو کس کی کروں اور کسے بھیجوں کاغذ

....

شجاع

شجاع تخلص، مرزا کریم الشجاع، خلف مرزا دارا بخت بہادر مرحوم ولی عہد سابق ابن حضرت ظل سبحانی دام ظلہ، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔یہ شعر اس کا طبع زاد ہے:

کیسے شجاع مضطر نالے بھرے ہے آ کر

کوچے میں اس کے گھر گھر مذکور تو یہ ہے

....

شرر

شرر تخلص، میر حافظ نام، نواسہ صوفی خدا آگاہ حافظ اشرف حافظ تخلص مرحوم۔ دو امر اس مرحوم خدا جو کے خاندان میں جاری و ساری ہیں۔ حفظ قرآن اور خاک ساری۔ سو یہ دونوں اس نیک نہاد میں جمع ہیں۔ اہل دل خم تواضع کی بدولت، مثل ابرو اس کو قبلہ دعا ٹھہراتے ہیں، اور نیکوان عالم افتادگی کی برکت سے کاکل کی طرح اس کو سر پر بٹھاتے ہیں۔ جو کہ شعر گوئی اس کے خاندان میں ارثی ہے۔ قافیہ پیائی او موزونی۔ سخن کی طرف متوجہ ہے اور اصلاح کے واسطے صرف اپنے بزرگان سلف کی روح کو مددگار اور اپنی طبیعت کو استاد وافی ہدایت تصور کرتا ہے۔ یہ چند شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں:

نہ تاب جاں میں رہی ہے کہ آفتیں سہویں
نہ حال دل میں رہا ہے ستم اٹھانے کا

شرر کا پردہ ہی پوشیدہ ہونا خوب ہوا
خد ا ہی جانے وہ رسوا کہاں کہاں ہوتا

یہ خودی ہے شرر کو کہ جانتا ہی نہیں
زمین ہوتی ہے کیسے اور آسمان کیسا

تم جانتے تو تھے کہ مروت نہیں ذرا
مرنا تمھیں بتوں پہ شرر کیا ضرور تھا؟

یہا ں تک داغ کھائے میں نے دل پر
کہ سینہ بن گیا رشک گلستاں

اللہ اللہ ترے ابرو کا نشانہ قاتل

سر عشاق گرے بزم میں کٹ کے لاکھوں
آج وہ جوش جنوں ہے کہ نکل کر گھر سے
منہ اٹھائے ہوئے صحرا کو چلا جاتا ہوں
اللہ اللہ رے سجدے کی تمنا مجھ کو
اس کے ہر نقش کفِ پاپہ جھکا جاتا ہو ں
تیری تقدیر میں ہونی تھی اسیری ورنہ
ساتھ لے کر تجھے ہم اے دل مضطر آتے

....

شرر

شرر تخلص، منسارام، قوم کاٹتھ، جوان متین، صاحب خلق پسندیدہ، اطوار برگزیدہ، ذہن معدن علم، طبع کان حلم، علم فارسی وعربی جناب مستطاب مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ سے تحصیل اور فن شعر بھی انھیں کی خدمت سراسر افادیت سے کسب کیا ہے۔ یہ چند شعر فارسی اس کے مرقوم ہوئے:

شانہ گردانی کند کے از کمند زلف او
الف زنجیر دارد شوق بے پروائے ما
تاز شوخیہا اے الوشق رمیدن کردہ ایم
سرمہ چشم غزالاں گشتہ خاک پائے ما
صحبتے داریم باداغ دل از جوش جنوں
گل ہم آغوشی کند با بلبل شیدائے ما
ما کہ سوز عشق رادر سینہ پنہاں داشتیم
نحیہ از کار افگند ایں آہ شیون زائے ما
چرخ سرگشتہ غبارے کہ ز داماں پر خاست

مہر رخشندہ شرارے کہ ز افغاں برخاست

گو جنوں ہم رہ ماباش کہ در جادہ عشق

نوک ہر سبزہ بصد خار مغیلاں برخاست

زلف پیچاں و غذار تو بہ گل زار چو دید

سنبل آشفتہ و گل چاک گریباں برخاست

....

شرر

شرر تخلص، مرزا غیاث الدین۔ خلف مرزا قمر الدین شیدا تخلص، نبیرہ شاہ عالم بادشاہ نور اللہ مرقدہ۔ نوجوان خوش طبع، ظریف مزاج، جامہ اہلیت اس صاحب مروت کی قامت پر قطع ہوا۔ گاہ گاہ فکر شعر کرتا اور استفادہ سخن شیخ ابراہیم ذوق غفر اللہ سے کیا ہے۔ یہ چند شعر اس کے طبع زاد لکھے جاتے ہیں:

تجھے دکھا دوں تماشا میں بے وفائی کا

پہ کیا کروں کہ مجھے منہ ہے آشنائی کا

نگاہ ناز ستم گر ہے تیر سے سیدھی

ولیک شیوہ کافر میں کج ادائی کا

شرر خدا سے تو ڈر کل تھے سجدہ بت میں

اور آج تم کو یہ دعوی ہے پارسائی کا

لاکھ پردے میں وہ پوشیدہ رہا پر ہم نے

دیکھا جب دل کی نگاہوں سے نظر آ ہی گیا

روز کے ظلم و ستم اٹھ نہ سکے اے ظالم

تنگ آخر ترے ہاتھوں سے شرر آ ہی گیا

چشم دریاے خوں ہے یا طوفاں

کیا بلا ہے یہ ماجرا نہ کھلا

گھر کے گھر بند رہ گئے ظالم

کس پہ دست جفا ترا نہ کھلا

دل میں تجھے رکھ لیجے کہ آنکھیں تجھے دیکھیں

تو ایک ہے او ر شوق ہے کیا کیا نہیں ہم کو

ہر جفا کو تری وفا کہیے

یہ نہ کہیے تو اور کیا کہیے

اور سے کہیے یا نہ کہیے پر

اے شرر ہم سے مدعا کیجئے

دلا کچھ بھی ہے ناز و غمزے کی حد

تجھے کیا بت ملائیں گے خدا سے

شرر ہیں جبہ سابت خانے میں آج

نظر آتے تھے کل تو با خدا سے

ہم کریں اب وفا کسی سے کیا

ہم سے بھی کی وفا کسی نے ہے

....

شرر

شرر تخلص، مرزا جعفر، کہیں برادر مرزا محمد عشق تخلص، باشندہ شاہجہان آباد، مدت ہوئی کہ حیدرآباد میں جا کر عالم باقی کا سفر کیا۔ یہ شعر اس کا سنا گیا:

اے عشق جگر سوز شرر کی تجھے سو گند

اک شعلہ جاں سوز کہ مشتاق فنا ہوں

....

شرم

شرم تخلص، تہور بیگ نام

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

کبھی اصلاح شعر کی حافظ اشرف اور کبھی شاہ نصیر سے لیتا تھا۔ کسی نے اس سے خوش طبعی سے کہا کہ آپ شرم ہیں اور آپ کا دولت خانہ شرم گاہ، نہایت غضب سے تلوار کھینچی۔ بارے لوگوں نے متوسط ہو کر رہ صلح کو وا کیا۔ یہ شعر اس کا مشہور ہے:

تری محفل میں جانے کی مجھے رخصت اگر ہوتی
برنگ شمع قوت پاؤں کی بھی صرف سر ہوتی

....

شریر

شریر تخلص، منشی کریم الدین۔ مرد پنجاہ سالہ اور سوداگران پنجابی کٹرہ سے ہے۔ اور یہ اے ک محلّہ ہے محلات شاہ جہان آباد لطافت بنیاد سے کہ مسکن بل مسقط الراس مشاہیر تجار دولت مند کا ہے۔ یہ شعر اس کے نتائج افکار سے یاد تھا۔ لکھا گیا:

ہم کو خالق نے کیا بے سرو ساماں پیدا
نہ تو دامن ہے میسر نہ گریباں پیدا

....

ششدر

ششدر تخلص، مرزا روشن الدولہ ابن مرزا آغا جان مضطر مرحوم، ابن مرزا سلیمان شکوہ، نواسہ عرش آرام گاہ محمد اکبر شاہ بادشاہ انار اللہ برہانہ، حلیم مزاج، متواضع، نیک اخلاق، پاک طینت، نجیب الطرفین۔ یہ سبب طاقت لسان اور فصاحت بیان کے داستان طرازی اور افسانہ گوئی کو سر حد کمال تک پہنچا دیا اور سلیقہ شعاری کی بدولت اس حرف پا در ہوا کو براسہ ایک فن بنا دیا۔ فن شعر میں نسبت تلمذ

کی مرزا رحیم الدین حیا کے ساتھ رکھتا ہے۔ یہ اشعار اس کے نتائج فکر سے صحیفہ کاغذ پر ثبت ہوئے:

کام تو کچھ بھی نہیں حشر میں اپنا مگر
آن نکلیں گے تری خاطر اگر آنا ہوا

جنوں پہ دست درازی کی ہے عبث تہمت
کہ اپنے ہاتھ گریباں ہے تار تار کیا

ناتوانی کا برا ہو کہ اٹھانے نہ دیا
ایسا کیا بوجھ بہت طوق گلو گیر میں تھا

الٰہی ! کس کی مژگاں کا تصور ہے یہ ششدر کو
کہ جوں نشتر کھٹکتا ہے نفس ہر دم رگ جاں میں

ستم کا یہ مزہ ہے دل کو الفت میں کہ اے ظالم
لیے پھرتے ہیں ہم سر پر سدا گردوں سے دشمن کو

....

ششدر

ششدر تخلص، مرزا حاجی قادر بخش، خلف مرزا بلند بخت، ابن حضرت عرش آرام گاہ۔ معین الدین اکبر شاہ بادشاہ مرحوم۔ مرد صاف باطن۔ خدا آگاہ ہے اور درویش حقیقت پناہ۔ عبید شاہ سے فیض باطن اور فن سخن کو کسب کیا ہے۔ یہ دو شعر اس تقدس سرشت کے مسموع ہوئے:

پھر فصل بہار آئی شاید کہ گلستاں میں
آباد جو دو دن سے زنداں نظر آتے ہیں

دیکھ کر اس غزال رعنا کو
مجھ کو وحشت ہوئی زمانے سے

....

شفقت

شفقت تخلص، زبدہ خاندان نجابت، اسوہ دودمان شرافت۔ موسس اساس، نیک نہادی۔ بانئ بنائے والانژادی، مظہر سعادت نشا ئتین میر محمد حسین، متوطن قصبہ گلوٹھی۔ کہ سال ہائے دراز سے کسب کمالات کے شوق میں قدم بہار توام سے گل زمین شاہ جہان آباد کو رشک ارم کیا ہے۔ روز و شب علوم درسی کی تحصیل میں ساعی ہو کر تکمیل مراتب وفاق اور تتمیم مکارم اخلاق سے تہذیب نفس کا ساز و سامان مہیا اور گزیدگی اطوار اور پسندیدگی کردار کے اسباب مشوفی رکھتا ہے۔ زبان فارسی کی شستگی سے گلشن ایرانی کی بلبلوں کیساتھ ہم نوا اور روزمرہ اردو کی صفائی سے شکرستان ہند کی طوطیوں کے مقابل زمزمہ پیرا۔ سلک نظم کو عقد ثریا سے ہم سری ار جواہر نثر کو آب و تاب نثرہ سے برتری۔ بلندی۔ مدارج کمال کو اوج عرش سے ہم دوش کیا اور کیفیت سخن کو بادہ طہور کا سر جوش۔ رسائی، طبع سے تلاش معنی، بلند میں آمادہ اور حضرت استازی استاد الانامی زبدہ کملائے نامی مشہور فی الاطراف مستغنی عن الا وصاف علم افزا عرصہ یکتائی، مولانا و مخدومنا مولوی امام بخش صہبائی کی جناب سامی و خدمت گرامی میں سرگرم استفادہ ہے۔ اگر خوبان دل ربا کے دہم کا وصف لکھے۔ صفحہ اوراق پر بال عنقا سے مسطر کرے اور اگر شاہدان رعنا کی رفتار کا حال تحریر کرے۔ حرکت قلم کو فتنہ محشر سے ہم سر کرے۔ بہاریہ میں نقاط حروف خوردہ گل اور نوک خانہ منقار بلبل اور رزمیہ میں زبان قلم دم شمشیر اور صریر کلک نعرہ شیر۔ قصد اختصار کی درازدستی، وصف طرازی، شوق کی عناں گیر ہو کر متقاضی ہے کہ اب نقد اوقات کو ایجاز کلام کے معاملے میں خرچ کرے اور چند شعر اس عندلیب گفتار کے اوراق تذکرہ میں درج کرے:

نہیں ہے تو تو ہے محفل میں ایک حشر بپا

فغان صور ہے گویا کہ نالہ بلبل کا
کیا بہار نے تیرے چمن میں کار خزاں
کہ دیکھتے ہی اڑا رخ سے رنگ ہر گل کا
چل اب کہ ائے گی کس کام پھر مسیحائی
لبوں پہ دم ہے ترے کشتہ تغافل کا
کروں جو یاد میں اس چشم سرمہ سا کی فغاں
چمن میں بند ہو دم نغمہ ہائے بلبل کا
اگر ملے تو میں جاں تک بھی دے کے لے لوں
کہ درد و رنج میں ساماں ہو کچھ توکل کا
تغافل اے بت نا آشنا کہاں تک اب
نہ ہم ہی وہ ہیں نہ یہ وقت ہے تامل کا
وہ چشم مست ہیں ساقی کی جنگلی گردن پر
بغیر جرم ہے خوں لاکھ شیشہ مل کا
شوخی سے جس کو ایک جگہ پہ نہ ہو قرار
نقشہ جو کھینچے کوئی تو کیا اس نگا ر کا
جاتی ہے اپنی جان سحر کی امید میں
آفت ہے کوئی طول شب انتظار کا
صحرا کو چل کہیں دل وحشی کہ اب کی سال
آتا ہے کیا ہی دھوم سے موسم بہار کا
پانی ہو آب خضر جو آجائے نام لب
شرمندہ ہو مسیح سنے گر کلام لب
کاش اس کے ایک بوسہ لب سے ہوں کامیاب

قند و نبات دونوں ہیں جس کے غلام لب
کیا کیا نہ حسرتیں ہوئیں خوں دل میں پر کبھی
نکلا نہ اپنا اس لب شیریں سے کام لب
اس فتنہ گر کے قامت رعنا کی یاد میں
شوروفغاں سے حشر بپا ہو تو کیا عجب
وہ دن گئے کہ خواہاں تھے وصل کے اور اب تو
اک لطف کی نگہہ کے امیدوار ہیں ہم
بوالہوس چشم حقیقت میں تری نور نہیں
ورنہ ہر سنگ یہاں جز حجر طور نہیں
بے طرح آج جان کو کچھ اضطراب ہے
سینے میں دیکھنا کہ کہیں دل تپاں نہ ہو
شکل نگاہ گرم روان رہ فنا
چلتے ہیں اس طرح کہ قدم کا نشان نہیں
جوں شمع یاں کٹے گا سر اک ایک بات پر
شفقت عبث تو بزم میں آتش زباں نہ ہو
ترے بیمار کی کہتے ہیں حالت آج ابتر ہے
لبوں پر جان ہے اب کوئی دم کا اور مہمان ہے
مرنے کے بعد بھی اثر انتظار سے
نرگس کے دستے اگتے ہیں اپنے مزار سے
چلتی ہے جب تو میری ہی جانب ہے التفات
کیا دشمنی صبا کو ہے میرے غبار سے
کس کس سے میں بچاؤں دل ناتواں کو آہ

مس فتنہ گر ہے با فلک بدشعار سے
داغ فراق جاتے ہیں سینے میں ہم لیے
ابکام کیا رہا ہمیں شمع مزار سے
برنگ خاک ہیں ظاہر میں گرچہ افتادہ
پہ یہ دماغ ہے گویا کہ عرش پر سے

....

شفقت

شفقت تخلص، میر بشارت علی، ساکن قدیم شاہ جہان آباد اور گردش تقدیر اور انقلاب روزگار سے تلاش معاش میں ہم پائے گرد باد ہے۔ بالفعل خاک حیدرآباد میں مقیم اور وجہ معاش سے فارغ دل ہے۔ یہ ایک شعر اسی کے کتب خانے کی ایک کتاب کے حاشیے پر نظر میں آ گیا تھا۔ سو درج کیا:

دل میں بستا ہے حسینان پری رو کا خیال
بند کی ہم نے ہے افسوس سے پری شیشے میں

....

شفق

شفق تخلص اختر، مثالی، گوہر درج بے ہمالی، فرماں روائے کشور اقبال، حاکم محاکم جاہ جلال سرلوحہ نسخہ کام گاری، بیت القصیدہ نظم بختیاری، انور الدولہ، سعید الملک نواب سعد الدین خاں بہادر صولت جنگ، خلف نواب احمد بخش خاں بہادر بیتاب تخلص، ابن نواب ناصر الدولہ بہادر ناصر تخلص، ولد وزیر الملک نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر نظام تخلص، بنائے دولت و اقبال کو ان کے بخت کام گار کی معماری سے بلندی ہے اور مراتب جاہ و جلال کو انکے طالع ہمایوں کی سعادت سے ارجمندی۔ فن سخن میں سیادت ماب۔ نجابت انتساب، کلیم کلام۔ مسیح پیام، شاعر فصیح

زبان، ناظم بلیغ بیان۔ سید امجد علی قلق سے استفادہ کیا ہے۔ خاک لطافت بنیاد کالپی۔ کو ان کے قدم بہار توام سے گلستان ارم پر ناز ہے اور اس خطہ مینو نظیر کی نسیم ان کے ہوائے انفاس کی بدولت باد مسیحا سے ممتاز تھے۔ شعران کا شعری سے ہم پہلو اور نظم انکا ثریا سے دوبدو۔ بام عرش تلاش فکر کا رہ گذر اور صحرائے قدس جولان خیال سے پے سپر۔ رنگینی معنی سے قلم شاخ گل اور کیفیت مضامین سے سواد سطور موج مل۔ چند شعران کے کلام بلاغت نظام سے انتخاب ہو کر نزر تماشائیان کمال ہوئے ہیں:

پرکالہ ایک میرے دل پاک باز کا
سرمایہ دکان ہے ہر آئینہ ساز کا

شب جو دل گرم فغاں یاد بت پر فن میں تھا
نالہ ناقوس کا عالم میرے شیون میں تھا

ٹھوکریں کھاتا ہے میرا کاسہ سر خاک میں
بعد سر کٹنے کے بھی اک درد سر پیدا ہوا

بعد مردن بھی نہ دیکھا اوج میری خاک نے
ربط ہوئے ہی ہوا سے ابر تر پیدا ہوا

کریں امید وفا خاک اہل محفل سے
صراحی مے کی جو رونے لگی ایاغ ہنسا

آرزو دل کی نہ اے شوق شہادت نکلی
سخت جانی سے مری خنجر قاتل ٹوٹا

کس نے روئے آتشیں دھویا ہے اپنا آپ میں
شعلہ جوالہ کا عالم ہے ہر گرداب میں

کیوں فریب زندگی میں کھا کے آفت میں پھنسا

مجھ کو آنا تھا سمجھ کر عالم اسباب میں
بگولے لیتے ہیں تعلیم مجھ سے ہرزہ گردی کی
کہ آندھی ہوں میں صحرا اے جنوں کی خاک اڑانے میں
یاد ہے چشمہ خنجر کی روانی مجھ کو
کہ دیا نزع میں کس لطف سے پانی مجھ کو
ہم سبک رفت چلے جانب گل زار عدم
سیر ہستی کی مبارک ہو گراں جانوں کو
آرزو اتنی ہے میری ساقی ایام سے
جب میرا پیانہ پر ہو منہ لگا ہو جام سے
اک دل تھا سو وہ لے چکے آئے کہاں سے اور
پہلو مرا دکاں نہیں آئینہ ساز کی
چتون ہے سحر اس پری کی
انکھیں استاد سامری کی

....

شفق

شفق تخلص دولت رام گل فروش۔ فرش دکان اس کی بہار اخلاق کی گل آفشانی سے رشک چمن اور بزم احباب اس کی رنگینی صحبت سے غیرت گلشن۔ گاہ گاہ شعر کا فکر کرتا ہے۔ یہ شعر اس کا سنا گیا:

پس از مردن بھی گردش ہے زبس اپنے مقدر میں
بگولے کی طرح رہتی ہے میری خاک چکر میں

....

شفیق

شفیق تخلص، تلسی رام۔ شاگرد منشی کیول رام ہشیار تخلص۔ یہ اشعار اس کے مرقوم ہوئے:

ترے رخسار میں جو ہے طراوت
گل گلزار میں اتنی کہاں ہے
کہوں کیوں کر قمر عارض کو تیرے
تفاوت از زمیں تا آسماں ہے
مرے سینے کی سوزش کا بیاں کیا
فلک آہوں کا میری اک دھواں ہے

....

شکیبا

شکیبا تخلص، غلام حسین نام، شاگرد میر تقی میر۔ خوش فکر و شیریں سخن اور پایہ تخت حضرت اکبر بادشاہ خلف شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برہانہا کے شعرا میں تھا۔ سوا ان اشعار کے اور کچھ اس کے کلام سے گوش آشنا نہ ہوا:

نیم بسمل اس نے گر چھوڑا شکیبا غم نہیں
پر یہ غم ہے اعتبار دست قاتل اٹھ گیا
ہمیں قتل تم نے کیا کیا نہیں کہتے ہم کہ برا کیا
یہ بھلا کیا کہ کہو گے جو کوئی کہے کہ یہ کیا کیا
چنگا ہوں میں طبیب یہ امکان ہی نہیں
تو نبض دیکھتا ہے یہاں جان ہی نہیں
فقط جیسے تمہارے ہو رہے ہیں
مخالف سب ہمارے ہو رہے ہیں
ری چین جبیں ہے موج طوفاں

اسی سے ہم کنارے ہو رہے ہیں
نہ پوچھو ماجرا ہجراں کی شب کا سخت آفت ہے
مہ تاباں بھی میرے سر پر خورشید قیامت ہے

....

شوق

شوق تخلص، عنایت اللہ نام، متوطن فرید آباد، نجابت نسب اور شرافت اور شرافت حسب کو اس کی نسبت سے افتخار اور سعادت و اہلیت کو اس کی اوضاع پسندیدہ سے اعتبار۔ آباء اجداد اس کے ہمیشہ مساعدت روزگار سے اوقات عمر کو فراغ بالی سے گزارتے تھے۔ فارسی و ریختہ میں مولوی امام بخش صہبائی سے استفادہ کیا۔ بالفعل روزگار کی تقریب سے ملک پنجاب میں خوش حالی کے ساتھ بسر کرتا ہے۔ سخن اس کا علو معنی سے آفتاب اور تازگی تراکیب سے گل شاداب پر ناز کرتا ہے۔ یہ چند اشعار اس کے نتائج طبع سے لکھے جاتے ہیں:

بہ ترک دوست مفر مای بعدازیں ناصح
نہ ماندہ بر دل خود ہیچ اختیار مرا
من و طپیدن دلاز غمت بہ کنج قفس
اسیر دام تو ام با چمن چہ کار مرا
ز ضبط نالہ نیارم بلب والے ترسم
کز اہل درد نیارند در شمار مرا
از تماشاے چمن طرف نہ بندم کہ مرا
سینہ از چاک بود رشک گلستانے چند
دوش دیدم خالی از مینا و ساغر مے کدہ
شد کجا ساقی ہجوم مے گساراں راچہ شد

غم تو روز و شب اے دوست ہم نشیں دارم
ز درد، چشم تر و خاطر حزیں دارم
چہ نقش خدمت مسجد نشیندم بر دل
کہ گرد سجدہ اصنام بر جبیں دارم
نمینالم ز درد بے کسی کز شعلہ آہم
گیا ہے کز مزارم رست شد شمع مزار من
رو دامن کشاں از تربتم ای آفت جانہا
کہ شور صد قیامت خیزد از مشت غبار من
شبے میخوا ہم ای شوق ار کند بختم مددگاری
کہ تنہا من بخلوت باشم و باشد نگار من

ریختہ

شوق کامل کے بیٹھنا سب میں
روتے ہیں یاد کرکے سب احباب
نہ پوچھتا ہے کوئی جب تو اپنے حال کو دیکھ
میں آپ ہی کہتا ہوں ہے یہ کیا ہو مجھ کو
کروں میں شکوہ اغیار کس طرح جب شوق
ملا ہو یار ہی قسمت سے بے وفا مجھ کو
وہ چشم جو کہ رہ ی تھی مدام محو جمال
ہے ربط اب اسے دامان و آستین کیساتھ
وہ دن گئے کہ جو تھی تاب ضبط اور اب تو
طپش ہے برق کی ہر آہ آتشین کے ساتھ
شاعری کچھ نہیں شعار اپنا

کہہ دیا دل کا ماجرا ہے ہے
ایک عالم کو ہے آرام کی خواہش پر دل
نہیں معلوم غم و درد کا خواہاں کیوں ہے
نظر قہر سے بھی دیکھتے گر میری طرف
آپ کا عین کرم عین عنایت ہوتی

....

شوق

شوق تخلص، حافظ غلام رسول، شاگرد شاہ نصیر مرحوم، عہد طفولیت سے اب تک باوجودے کہ سنین عمر ستر کے قریب پہنچے۔ مشق سخن میں مصروف ہے۔ مشکل زمینوں میں بیش تر گام زن اور قوافی، تنگ میں اکثر گرم سخن ہے۔ جو کہ اشعار عاشقانہ وہ دل چسپ یا تشبیہ وہ تمثیل ایسی کہ مذاق شاعری میں گوارا ہو۔ اس کے نتائج طبع سے کم کیا کہ مطلق مسموع نہیں ہوئے۔ ناچار یہ ایک شعر کہ بہ نسبت اور اشعار کے فی الجملہ حلیہ صفا سے محلی تھا۔

، مرقوم ہوا:

رونگٹے پاؤں میں چبھتے ہیں نزاکت کے سبب
فرش مخمل پہ وہ گل رو جو قدم رکھتا ہے

شوکت

شوکت تخلص ہے زبدہ جوانان موزوں طبع، میر حسن علی نام کا۔ سعادت اور اہلیت میں یگانہ، تہذیب اخلاق میں مشہور زمانہ۔ ابروے خوباں۔ وضع تسلیم اس سے وام لی۔ نرگس محبوباں نے طرز حیا اس سے یاد کی۔ علوم رسمی سے بہ قدر ضرورت آگاہ اور فن سخن میں صاحب دست گاہ۔ الفاظ کی طرح اہل معنی سے آشنا اور معنی کے مانند نا اہل سے بے گانہ۔ مثل زبان سخن وری میں یکتا اور مانند نگاہ دیدہ وری میں

یگانہ۔کمال متانت سے خوب رویوں کی شوخی۔ ناز نامطبوع اور نہایت تمکین سے غمزے کی بے باکی میں حسینوں سی عذر دل ربائی نامسموع۔ مدت تک حاکم انصاف کیش، داور عدل اندیش، نصف آئین۔ مفتی محمد صدرالدین خاں سلمہ الرحمان کے محکمہ عدالت میں عہد نظرت پر مامور رکھا اور شیوہ کارگزاری اور آئین ہوشیاری میں مشہور۔اب انقلاب ادوار اور گردش فلک دوار سے خانہ نشیں اور کنج عزت میں گوشہ گزیں ہے۔فکر یا وصف تیز عنانی کے حلم طبعی۔ کے تقاضے سے آہستہ خرام اور مشغلہ سخن میں پاس انفاس کے لحظ سے احتیاط تمام۔ بعد فراغ امور ضروری کے اخواہ احبا کا تقاضا باعث رہو۔ خواہ موزونی، طبیعت کا اقتضا، گاہ گاہ گل کون طبیعت کی عنان گلشن معنی کی طرف منعطف ہوتی ہے اور شب دیز قلم کی زمام عرصہ سخن وری کی جانب منصرف۔حق یہ ہے کہ باوجود کم مشقی کے خوبی تراکیب اور رشاقت اسلوب ان کے اشعار کی دل پر ناخن زن ہے۔یہ چند شعر بہ طریق یادگار مرقوم ہوتے ہیں:

آفت جان ہے عشق اک بت ترسائی کا
جا بہ جا شور نہ کیوں ہو مری رسوائی کا

داد لیں کس سے ترے حسن کی اے غیرت ماہ
عذر ہے دیدہ یعقوب کو بینائی کا

زاہد خود کام کرتا ہے ستایش حور کی
تو بھی تو رخ سے نقاب اپنی پری پیکر اٹھا

دور چشم یار میں سب ہوگئے باہم رقیب
ایک ادنی یہ فریب نرگس مستانہ تھا

تجھ کو آغوش عدو سے کھینچ لایا بے طرح
جذبہ دل کام میں اپنے عجب مردانہ تھا

پوچھتے ہو کیا اثر میری شب دیجور کا

کرمک شب تاب کا عالم ہے مہ کے نور کا
ہے تصور دل میں میرے اس بت مغرور کا
جس کا تلوار دیکھ کر پھر منہ نہ دیکھیں حور کا
بادہ خواروں کو نہ کیوں کر ہو قوی حق سے امید
ابر رحمت ہے مربی خوشہ انگور کا
جرم ہے مستی کے کعبے میں نہیں رہ تو نہ ہو
مے کدے کا تو خدا کے فضل سے ہے در کھلا
ہر رکھائی سے تری عالم تھا آنکھوں میں سیاہ
چھوٹنا زلفوں کا رخ پر اک بہانہ ہو گیا
وعدہ امروز کو فردا پہ پھینکا ہم نفس
یار کا آنا قیامت کا کچھ آنا ہو گیا
بھول کر رکھا تھا اس بت نے کبھو در پر قدم
اک جہاں کا سجدہ گہ وہ آستانہ ہو گیا
اس سنگ دل کے دل میں تو تاثیر کچھ نہ کی
کیا فائدہ فلک سے جو نالہ گزر گیا
جی لگ گیا قفس ہی میں اب تو نہیں ہے دھیان
موسم بہار کا کدھر آیا کدھر گیا
شوکت نے جان دی ترے در پر ہزار شکر
وہ مرتے مرتے آہ بڑا کام کر گیا
اس میں مرقوم جو وصف رخ دل دار ہیں سب
صفحے دیواں کے مرے تختہ گل زار ہیں سب
تھک نزاکت سے نہ جائے اب کہیں بازوے دوست

کچھ مدد تو بھی تو کر اے خنجر ابروے دوست
اب نہیں رخصت کہ پھوڑیں سر بھی اس دیوار سے

ایک دن وہ تھا کہ سر اپنا تھا اورزانوے دوست
ہیں اگر طالع رسا سر کے تو اے جوش جنوں

اس کے دروازے ک آجا تا ہے پتھر ہاتھ میں
جب کہ ابرو کااشارہ ہی کرے عالم کو قتل

اس ستم گر کی بلا لیتی ہے خنجر ہاتھ میں
تھی عارجن کے نام سے کی ان کی التجا

لگ جائے آگ اس دل خانہ خرا ب کو
قبر شہید ناز میں رحمت سے بھیجنا

حوروں کو اے کریم سوال و جواب کو
شکر میں کرنے لگا تھا پر جفاے یار سے

لب تک آتے آتے وہ سب حرف افغاں ہو گئے
سنگ اطفال حسیں کو میرے سرسے عار ھے

کوہ میں جا کر اب اس کو نذر خارا کیجیے
وصل کا وعدہ نہیں تو قتل کا وعدہ سہی

دل کو بہلانے کو میرے کوئی صورت چاہیے
پر دے پردے میں چلا جاتا تھا کام اپنا یوں ہی

ہو گئے ناکام ہم دم جب سے رسوا ہو گئے
بزم میں اغیار پر کھلنے نہ پائی بات کچھ

نظروں نظروں میں اشارے اُن سے کیا کیا ہو گئے
فکر مضمو ں دھان تنگ میں گل رو ترے

ایسے ہم کھوے گئے گویا کہ عنقا ہو گیے
آنکھ اُلفت کی بھی چھپتی ہے چھپائے سے کوئی
راز اپنا کس طرح سے اُن سے پنہاں کیجیے

شہرت

شہرت تخلص، مرزا حاجی، خلف الرشد مرزا قیام الدین ابن حضرت فردوس منزل انار اللہ برھانہ؛ خوش گو، خوش خو۔ اوائل حال میں حافظ عبدالرحمان خاں احسان علیہ الرحمتہ والغفران اور پھر فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون و ربعد اس کے افضل علماے انام، مرجع کملاے عظام مفتی محمد صدر الدین خاں بہادر صدر الصدور دارالخلافہ شاہ جہاں آباد سے استفادہ کیا۔ اب اپنی زور استعداد سے بناے کلام کو بلند اور پایہ سخن کو ارجمند کرتا ہے۔

یہ چند شعر اس کے افکار سے درج تذکرہ ہوتے ہیں:

ہم بڑی چیز سمجھتے تھے پہ مے خانے میں
نکلا اک جام کی قیمت بھی نہ ایماں اپنا
غبار اٹھا نہ ترے دل سے ورنہ اے ظالم
ہماری جان کو اک وہ بھی آسمان ہوتا
رکھا کچھ اپنے ہی دل نے نہ اعتبار اپنا
وگرنہ یہ بھی دو عالم کا راز داں ہوتا
ہے یہ مستی میں بھی ہشیاری کہ اب اس کا نقاب
رخ سے سرکا ہے تو ہے اک یوں ہی سا سرکا ہوا
اہل عالم کی نظر میں شان ظالم ہے بلند
ہے فلک ان سب کی نظروں میں بڑا ٹھہرا ہوا
پھوٹ کر رونے سے اپنے زخم دل خنداں ہوئے

ہم اگر روئے تو اس رونے پہ بھی ہنسا ہوا
تیر سے نالے وہ اب ہوتے نہیں سینے کے پار

ہے کہیں یار مر گیا ناکام شہرت کیا ہوا
خدا خراب نہ کرتا جو تجھ کو اے شہرت
تو کیوں تو شیفتہ شیوہ بتاں ہوتا

کچھ نشاں مجھ بے نشاں کا بعد مردن بن گیا
حسرتیں ہو ہو کے اک جا جمع مدفن بن گیا

دل ہی کی صورت رہ ہو ہو کے ارماں ہو گیا
دل گیا اوراسکی جا اک اور دل واں ہو گیا

ایک دن دو دن کہاں تک تو ہی کچھ انصاف کر
یہ تو جانا روز کا اے سوز ہجراں ہو گیا

ہے ترقی جو ہر قابل ہی کے شایاں کہ میں
خاک سے پتلا بنا پتلے سے انساں ہو گیا

کفر و دیں میں تھا نہ کچھ عقدہ بہ جز بند نقاب
اس کے کھلتے ہی یہ کار مشکل آساں ہو گیا

پہلے دعوے خدائیاں بت کافر کو تھا
کچھ درتی پہ جو آج آیا تو انساں ہو گیا

ہائے جی بھر کے وہ دیدار میسر نہ ہوا
حشر کا دن شب غم کے بھی برابر نہ ہوا

مہلت بہ قدر گردش ساغر تو دے فلک
ساقی کو ڈھب پہ لائے ہیں سو التجا سے ہم

تھوڑی امید وصل پہ رسوائیاں ہوئیں

جاں دینی اب قبول پر کرنی دعا نہیں
یوں بیٹھتے ہو جیسے کسی کو کسی سے کچھ
مطلب نہیں، مراد نہیں ، مدعا نہیں
مل جایئے کہ پردہ ہی رہوے تو خوب ہے
اب تک بھی اپنا راز کسی پر کھلا نہیں
ہے زمزمے پہ زمزمہ تازہ خوں چکاں
گلشن میں اور قفس میں تفاوت رہا نہیں
کھنچے ہیں مستیاں مری اب سر فلک سے دور
یاں تک کہ کوئی اپنے سوا سوجھتا نہیں
یہ تو خبر نہیں ہے کہ کیا حال ہے پہ آج
شہرت کا بار بار ہے آتا جگر پہ ہاتھ
لبوں پہ آنے نہ پایا اپنے حرف امید
کہ اتنی دیر میں وہ ہو گئے خفا ہم سے
نہ چھوٹا زلف سے دل اور نہ دل زلفیں بنانے سے
یہ وہ جنجال تھا جس نہ تم نکلے نہ ہم نکلے
صبا میں بو یہ تھی کس کی کہ سوے مصر حسرت کے
روزانہ قافلے کے قافلے ہیں شہر کنعاں سے

....

شہرہ

شہرہ تخلص، مرزا نصیر الدین حیدر، فرزند بلند اقبال مرزا آغا جان مضطر، نواسہ حضرت عرش آرامگاہ محمد اکبر بادشاہ انار اللہ برہانہ، فیض جناب جنت ماب حضرت احسان علیہ الرحمتہ والغران سے سخن کو محاسن اسلوب کے حلیے سے آراستہ کیا ہے۔ یہ

تین چار شعر اس بلند مرتبت کے مرقوم ہوتے ہیں:

یہ قصہ درد فرقت کا بہت ہے لکھ نہیں سکتا
اگر تو آپ آ جاتا مفصل ہی بیاں ہوتا

غرق کر دے گا ابھی سارے جہاں کو تیرا
ایک بھی اشک اگر دیدہ گریاں نکلا

نہ ایک وعدے پہ وہ یار بے وفا ٹھہرا
سحر تو ہو چکی اب وقت شام کا ٹھہرا

دیکھا جو خط مشکیں اس ماہ سمن بر کا
شرمندہ ہوا شب کو ہالہ مہ انور کا

کچھ آہ کا بھی ہوتے مطلق نہ اثر دیکھا
اس بت کا مرے یارو دل ہے کوئی پتھر کا

....

شہید

شہید تخلص مولوی فخر الدین حسین خاں مرحوم ۔ وطن اصلی اس نیک نہاد کا شاہ جہان پور ہے لیکن خاک پاک حضرت شاہ جہان آباد اس قدر اس کی سکونت سے مشرف ہوئی تھی کہ گویا یہی دیار آباد وطن اصلی ہے۔ صاحب اخلاق حمیدہ و اطوار پسندیدہ تھا۔ قامت استعداد حلیہ علم سے آراستہ۔ لوح طبیعت نقوش حلم سے پیراستہ ،علم فارسی مین یگانہ اور فن آنشا میں یکتا ہے زمانہ۔ نثر فارسی بیشتر مرزا طاہر وحید کی طرز پر جلوہ گر ہے۔ استادی مرشد زادہ آفاق مرزا شاہ رخ مرحوم کے وسیلے سے چندے ہسر رشتہ دار الانشاے سرکار شاہی اسکے قبضہ اختیار میں رہا۔

ہمیشہ دربار رس اور علو مرتبت اور بلندی مدارج سے مرجع کملائے صبح نفس تھا۔

ہجوم خدمات مفوضہ سے کم اتفاق ہوتا تھا کہ امور ضروری کا انتظام اور مہام ناگزیر کا

انتساق صورت پذیر ہو سکے۔ ناگاہ جذبہ توفیق عناں گیر ہوا اور شوق طواف بیت الحرام اور زیارت مرقد نورانی مقبول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے اختیار دامن طبیعت کو کھینچا۔ فی الحقیقت اگر خلوص اخلاص رہبر نہ ہوتا، اتنی سبک جولانی اس راہ دور و دراز میں باوصف ان عوائق و موانع کے ممکن نہ تھی۔ اس خاک راہ کی بدولت برکت و انوار نے اس کے گرد دامن کا حکم پیدا کیا اور اس دشت وصحرا کی خار کے طفیل ہر گل زمین نے اس کے نقش قدم سے گلشن کا مرتبہ بہم پہنچایا۔ پانچ چھ مہینے ہوئے کہ دنیاے دوں کو مضمون مبتذل جانکر مثل معنی ، بلند، ابیات فردوس میں تمکن اختیار کیا۔

یہ چند شعر اس کے افکار گوہر نثار سے بہ طریق یادگار درج تذکرہ ہوتے ہیں:

سینہ ہے آئینہ میرا اس میں ہے تیرا خیال
دل نے تیری شکل کا اک دوسرا پیدا کیا
وہ طپش ہے میرے نالے میں کہ بس تڑپا کیا
جب تلک بال کبوتر سے نہ اس کو وا کیا
زبس روشن فتیلہ ہے مرے ہر داغ سوزاں کا
رہا کنج لحد میں بھی مرے عالم چراغاں کا
شب تاریک سے اپنی فروغ صبح پیدا ہے
تصور مجھ کو رہتا ہے جو اس کے روے رخشاں کا
نہ چھوٹے گا کبھی وحشت نے ایسا اس کو الجھایا
یہ جسم زار اپنا خار ہے صحرا کے داماں کا
ہوا سینے میں آتش زن تصور کس کے عارض کا
کہ پھاہا داغ دلکا رشک ہے خورشید تاباں کا
رواں جو ناقہ لیلی ہوا تیری طرف مجنوں
مگر نالوں پہ تیرے تھا گماں صوت حدی خواں کا

روے تاباں کو میں تیرے رخ روشن سمجھا
خط رخسار کو اک ماہ کا خرمن سمجھا

آستیں سے جوترا پرتو ساعد دیکھا
شمع کا نور کو فانوس میں روشن سمجھا

دست ہر خار بیاباں سے یہ چھوٹے کیوں کر
میرے دامن کو وہ اک دشت کا دامن سمجھا

مرغ دل چہرہ گل فام کو گلشن سمجھا
حلقہ کاکل پیچاں کو نشیمن سمجھا

تھا خیال رخ جاناں پس مردن جو مجھے
شمع اپنی لحد تیرہ میں روشن سمجھا

رخ دال دار ہے بوسے کے تصور سے کبود
میں سمن زار میں پھولا گل سوسن سمجھا

....

شہیدی

شہیدی تخلص ہے سخن ور شیریں زبان، شاعر رنگیں جیان کرامت علی نام ساکن لکھنو کا۔ اشعار مین شستگی، زبان اور پاکی، الفاظ کا لحاظ زیادہ رکھتا تھا۔ بعض اشعار بلندی، معنی سے فرق اعتبار چرخ بریں تک لے گئے۔ علم عروض سے بہ نسبت امثال کے واقفیت زیادہ رکھتا تھا۔ مدت تک پنجاب اور گجرات میں رہا اور آزادی و وارستگی و وسیع المشربی کے ساتھ بسر کی۔ آخرالامر توفیق رہنما اور جزبہ الٰہی دامن گیر ہوا۔ مکہ معظّمہ کو جا کر حج بیت اللہ کو ادا کیا اور پھر روضہ منورہ جناب خیرالبشر کی زیارت کے واسطے سرزمین مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اتفاقاً اثناے راہ میں تپ محرقہ عارض ہوئی

اور شدت عوارض سے گمان مرگ غالب ہوا۔ تقاضائے اخلاص سے مجیب الدعوات سے چاہا کہ زیارت روضہ اطہر سے پہلے جان ناتواں تن سے مفارقت نہ کرے۔ سنا گیا کہ غلبہ حرارت سے کچھ ہوش نہ تھا لیکن ہر دم چونک پڑتا اور ہمراہیوں سے روضہ مبارک کے مدنظر ہونیکا سوال کرتا۔ گویا مہمان غیب سے آگاہی رکھتا تھا۔ ناگاہ رفیق راہ نے گنبد مقدس کا پیش نگاہ ہونا بیان کیا۔ اس مخلص بے ریا نے کمال شوق سے آنکھ اٹھا کر دیکھا اور جان سوختہ عشق کو اس خاک پاک کی محبت میں نثار کیا۔

قست نگر کہ کشتہ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بہ دعا آرزو کنند

ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار۔ دیوان پاک بنیان اس شہید خنجر محبت کا اکثر احباب کے پیش نظر ہے۔ یہ اشعار منتخب ہو کر لکھے گئے:

ہزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا
ہنوز حوصلہ باقی ہے آشنائی کا
فضائے باغ سے ہے گوشہ قفس خوش تر
گر اپنے دل میں نہ ہو دغدغہ رہائی کا
کسی غریب کیجاں مفت جائے گی اک روز
طریق خوب نہیں عاشق آزمائی کا
بیچ میں اور تو پردہ نہ رہا تھا شب وصل
گریہ شادی اگر آگے نہ حائل ہوتا
سخت معیوب ہے معشوق سے زر کی خواہش
حق سے تو دولت دنیا کا ہے سائل ہوتا
عام ہیں اس کے تو الطاف شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اندوہ دائمی میں کٹے کس خوشی سے عمر
گر مجھ کو غم نہ ہو طرب گاہ گاہ کی
عبث رنج دیتا ہے تو مجھ کو ناصح
نہ ہو گا یہ سودا ہی جب سر نہ ہو گا
میں تو سمجھاؤں ہزار اس کو شہیدی لیکن
میرے سمجھانے سے کب یہ دل شید سمجھا
صلح میں عربدہ جو مستعد جنگ رہا
شب عشرت مری آغوش میں وہ تنگ رہا
جب گیا غیر تری بزم سے دل شاد گیا
جب میں آیا ترے کوچے سے مکدر آیا
جلد انصاف چکا خلق کا اے داور حشر
پھر قیامت ہے جو وہ شوخ ستم گر آیا
نام میت کا سنے سے جسے غش آتا ہو
وہ جنازے پہ شہیدی کے مقرر آیا
دل میں کچھ سوچ کے شرمندہ سا رہ جاتا ہے
گھر میں سن سن کے وہ چرچا مری رسوائی کا
کس کے دل محزوں کو ستایا تھا کہ اک عمر
خجلت سے نہ سر زلف چلیپا نے اٹھایا
اغیار کا منہ تھا مجھے محفل سے اٹھاتے
سچ یوں ہے تری رنجش بے جا نے اٹھایا
چاہیے صبح کی مانند تری عشق کو
چاک کرنے کے لیے روز گریباں نیا

قدر سب چاہنے والوں کی ترے دیکھ چکے
خوار رہتا ہے پرانا تو پشیمان نیا

میرے دم تک اس گلی میں حشر کا ہنگامہ تھا
اپنا لاشہ اٹھتے ہی شب شور و شر جاتا رہا

شہیدی حشر کے دن بھی ہمارا ہو چکا اٹھنا
یہی عالم رہا بعد از فنا گر ناتوانی کا

میں معتقد ہوں عشق خوش عندلیب کا
کہتے ہیں گل عرق ہے خدا کے حبیب کا

کانوں ہی سے سنتے تھے کہ جادو بھی ہے کچھ شے
آنکھوں سے تری نرگس فتاں نے دکھایا

وعدہ شام پہ کی ہم نے عبث جاگ کے صبح
وہ اسی وقت نہ آتے اگر آنسا ہوتا

....

شیدا

شیدا تخلص، مرزا قمر الدین مرحوم معروف بہ مرزا کلو ابن مرزا قیام الدین مغفور ابن شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برہانہ۔ حضرت ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ خلد اہہ ملکہ کیدامادی کے شرف سے سرافراز اور اقران و امثال میں ممتاز تھے۔ مشورہ سخن شیخ ابراہیم ذوق سے تھا۔ یہ چند شعر ان کے کلام سے منتخب ہوئے:

عدم سے آئی نہ یاران رفتگاں کی خبر
خبر نہیں وہ کہاں جا کے قافلہ ٹھہرا

کہتے نہ تھے ہم اے دل، مت نام لے وفا کا
تو نے وفا کا ثمرہ، خانہ خراب دیکھا

مارا گیا مقرر شیدا کہ اس گلی میں
لاشہ پڑا ہوا ہے آج ایک نوجواں کا

عرق دیکھتے ہی رخ نازنیں پر
پڑی اوس بلبل گل یاسمیں پر

ہم اس چمن میں غنچہ تصویر ہیں صبا
کب ہے بہار میں ہوس واشدن ہمیں

ایک مدت سے تہی پہلو
نہیں معلوم کیا ہوا دل کو

غیروں سے انکو اتنی بھی فرصت نہیں کہ ہم
کر لیں اب ان سے بیٹھ کر اک جا کلام دو

ہم نہ کہتے تھے کہ شیدا اس پری وش سے نہ مل
اک نگہ میں کر دیا دیکھا نا دیوانہ تجھے

درد و غم، رنج و الم، یاس و تعب، داغ فراق
خانہ دل میں مرے کتنے ہیں مہمان بھرے

اس طرح سے جو مضطرب دل ہے
دل ہے یارب کہ مرغ بسمل ہے

کس کی شامت ہے کہ زلف پر شکن سے لگ چلے
جان پر کھیلے تو مار راہ زن سے لگ چلے

عشق میں شیدا یہ لاغر ہوں کہ وہیں گر پڑوں
گر صبا بھی میرے جسم ناتواں سے لگ چلے

....

شیدا

شیدا تخلص، اسلام بیگ، نواسہ جالینوس زماں، بقراط دوراں حکیم نصر اللہ خاں وصال، نوجوان خوش صورت، نیک سیرت، پسندیدہ اخلاق، تیز طبع ہے۔ جوکہ فن طبابت خاندانی ہے۔ اسکی تحصیل میں اوقات شبا روزی صرف ہوتی ہے۔ لیکن بہ سبب موزونی، زاتی کے گاہ گاہ فکر شعر بھی جادہ گریباں میں عناں کش ہوتا ہے۔ یہ اشعار اس کے نتائج طبع سے ہیں:

تھا نام کو تو قطرہ پہ طوفان ہو گیا
دیکھو تو جوش گریہ بے اختیار کا

اللہ رے دشمنی کہ مرے بعد مرگ وہ
ضد سے نشاں مٹاتے ہیں لوح مزار کا

خالی نہ دل تصور جاناں سے چاہیے
آئینہ کیا وہ جس میں نہ جلوہ ہو یار کا

میری امید و حسرت وارمانکی طرح
پایاں نہیں تری ستم بے شمار کا

دوست کیا دشمن جانی بھی ستم گر نہ ہوا
ہم کو تقدیر سے مرنا بھی میسر نہ ہوا

سر بہت فتنہ شر نے فلک پر کھینچا
پر ترے قامت دل کش کے برابر نہ ہوا

جوش وحشت کے ولولے نہ گئے
میں گریباں سدا سیا ہی کیا

ہم ہی پر زور ہے ترا ناصح
اس کی باتیں تو تو سنا ہی کیا

لاکھ نا آشنا تھا وہ شیدا

ہم نے اس بت کو آشنا ہی کیا
ہے آج کی شب کچھ قلق ایسا کہ نہیں چین

گر حال یہی ہے تو میں جاں پر نہیں ہوتا
بلائیں لکھی تھیں اپنی ازل سے قسمت میں

کچھ اور ہوتی بلا گر نہ آسماں ہوتا
شاید کسو پہ تو بی مرنے لگا ہے شیدا

درد و الم عیاں ہے جو تیری گفتگو سے
موج صبا نے اس کو بھی برباد کردیا

کچھ خاک رہ گئی تھی جو اس خاکسار کی
ہے تہ دام یہ عالم کی اسیران قفس

آپ کو سمجھیں ہیں آزاد ، گرفتار مجھے
پھر اب کی دھوم دھام ہے ابر بہار کی

رہ جائے آبرو مژہ اشک بار کی

....

شیدا

شیدا تخلص ہے، یگانہ عالم اہلیت میر جھبو جان مرحوم کا شوخی جوانی اور متانت پیری اس کی زات میں فراہم تھی اور ادب حکما اور ظرافت ندما اس کی طبیعت میں باہم۔ تبسم دفتر اخلاق کا ایک باب، سخن رموز وفاق کی کتاب۔ مومن خان مرحوم سے تلمذ اور محمد مصطفیٰ خان بہادر شیفتہ تخلص سے محبت جانی رکھتا تھا۔ کئی مہینے ہوئے کہ عین شباب میں دوستداران یک دل کے سینہ و دل پر داغ مفارقت رکھ کر عالم فانی سے رحلت کی۔ یہ چند شعر اس کے نتائج طبع سے بہ طریق یادگار مرقوم ہائے:

مگر عدو سے ہے وعدہ کہ خود بہ خود شیدا

کچھ اضطراب میں ہیں دل کے اضطراب سے ہم
وہ نہیں دل جو کسی کے لیے بے تاب نہیں
وہ نہیں چشم جو آلودہ خوں ناب نہیں
تیرے رخسار کو کس چیز سے دیجے تشبیہ
گل میں یہ آب نہیں شمع میں یہ تاب نہیں
جان گو جائے پھلک دل سے تپش جاتی ہے
کشتہ ناز ترا کشتہ سیماب نہیں
سیر عالم نظر آئے ہے ہمیں مستی میں
جام جمشید سے کم جام مے ناب نہیں
ناشکر ہم نہیں ہیں ادھر کو نگاہ ہے
پر وہ نگاہ جس سے عنایت عیاں نہیں
کیا جانے خندہ زن ہیں وہ کس خستہ حال پر
بجلی چمک رہی ہے چتے ہم نقاب میں
دریا یہیں کہیں، کہیں مژگان بھی تر نہ ہو
مر جائے کوئی اور کسی کو خبر نہ ہو
حد سے فزوں ہجوم ہے ابر سیاہ کا
دل تفتگان شوق کا دور جگر نہ ہو
کہتے ہیں اس کے کوچے میں مارا گیا کوئی
مجھ کو یہ خوف ہے کہ مرا نامہ بر نہ ہو
وہ دشمنی میں پورے ہوں یہ بات بھی نہیں
کہتے ہیں زہر دے کے الٰہی اثر نہ ہو
معلوم ہو کس طرح تری بات کا سر پاؤں

کب کام پڑا تم کو کسی بے سروپا سے
یہ امتحان ہے کیسا کہ تم ستاتے ہو
جو ایک بار عدو کو تو لاکھ بار مجھے
کہیں وہی ہو شیدا کہ اس کے کوچے میں
نظر پڑا تھا کل اک مضطرب غبار مجھے

....

شیدائی

شیدائی تخلص حال و حسن تخلص سابق مولوی ابو الحسن متوطن فرید آباد، اس نیک نہاد کے اطوار پسندیدہ کے اوصاف حد بیان اور اندازہ تبیان سے خارج ہیں۔ حلم اور خلق اس مرتبے میں کہ باوجود سن شباب کے جزو ناری کو خاک تواضع میں داب رکھا ہے۔ ایام خورد سالی میں وطن بخش صہبائی کی خدمت میں بالاستیعاب حاصل کیا اور چند مدت مدرسہ شاہ جہان آباد میں وظیفہ یابان سرکار انگریزی کی سلک میں منسلک ہو کر علم ہندسہ او رریاضی میں رشک امثال وہ اقران ہوا۔ مہین داور مدرسہ نے علوم مذکورہ میں بے مثل اور فن فارسی میں یگانہ دیکھ کر مدرسہ اکبر آباد کا مدرس مقرر اور ساٹھ ستر روپے کا مشاہرہ معین کیا۔ ہنوز اسگل زمین میں اچھی طرح فاے گرم نہیں کی تھی کہ ناگہاں مژدہ اقبال ابدی پہنچا اور نوید حصول سعادت سرمدی سامعہ نواز ہوئی۔ یعنی اسی نواح میں ایک درویش صافی ضمیر اور روشن دل آفتاب تنویر کی خدمت سراسر افادت میں نیاز حاصل اور اس بزرگ کے جذبہ باطن سے دل دوام ملازمت کی طرف مائل ہوا۔ ایک دو صحبت کے بعد اعتقاد راسخ کی تحریک سے شرف بیعت سرمایہ تحصیل کمال ہوا اور اوہام باطل کا موجب زوال، فی الواقع صحبت اہل اللہ اکسیر سے کم نہیں۔ چند روز میں ضمیر اعتقاد تخمیر کو ایسی صفائی بہم پہنچی کہ اسرار غیب اس آئینے میں مثل عکس ظاہر ہونے لگے۔ اور رموز خفیہ اس جام گیتی نما میں باہر۔ اس

آغاز شباب میں متانت پیراں اور اس جوانی میں وقار کہن سالاں جو اس سرگروہ ارباب سعادت کو حاصل ہے، شاذو نادر ہے۔ عنایت الٰہی سے اب تک اسی شہر میں اسی عہدے پر مامور اور نہایت خوش اوقاتی و بلند نامی کیساتھ بسر ہوتی ہے۔ اشعار فارسی کا فکر بیش تر دامن گیر شوق اور تہذیب کلام دری کی توجہ اکثر رہبر ذوق ہے۔ خوبی مضامین اور متانت عبارت اور چستی تراکیب اور تازگی طرز کی توصیف دائرہ امکان سے خارج ہے۔ یہ اشعار جو بالفعل ذخیرہ حافظہ ہیں۔ مرقوم ہوتے ہیں:

سبک در پہلوم بنشیں بنہ رطل گراں بر کف
کہ مے بالا بردکار نشاط نوجوانی را

ایں طفل اشک بیں کہ بہ خلق آشکار کرد
در دل ہر آں چہ بود ز عشقت نہاں مرا

ساقی کفایت است ز چشم تو گردشے
دیگر میازمای بہ رطل گراں مرا

زاں ہدایا کہ در پائے عزیزاں افگنند
جز سرے بر کف نہ باشد تحفہ مقدور ما

نیست ایں سر لایق پایش یقیں دارم حسن
می برد پائے ملخ پیش سلیمان مورما

بہ ہجر خون جگر می خور و غذا مطلب
ز نعمت دو جہاں درد امتلا مطلب

اگر تو معتکف کعبہ دلی، زنہار
بہ طوف کعبہ مرو وز صفا صفا مطلب

نیاز مند مسیحا مشو بہ عشق بتاں
بہ ذوق لذت غم جاں دہ و دوا مطلب

به هجر عشق تلاطم گرت ز جا ببرد
تنت سپار به طوفان و ناخدا مطلب
صاحب نظراں را نہ کشد دل بہ سوے خلد
روے تو در جنت و ابروت کلید است
ہند است بہشتے کہ گرو بردا ز طوبا
آں سرو بلندے کہ ازیں باغ دمید است
گر زتاب عکس رویت آب دریا آتش است
از تف داغ دل من خاک صحرا آتش است
عکس روے دوست افتاد است و رنگش می زند
بر غلط بستند یاراں ایں کہ صہبا آتش است
فیض جنت اہل عشرت را چو دوزخ می گزد
تو نہالان چمن را بادِ سرما آتش است
ایں قدر فہمیدہ ام بحث کفر و دیں حسن
روے خوباں جنت است وخوے آں ہا آتش است
دیگرم با چشمہ زمزم ہی کار
من کہ از سر چشمہ چشم وضو ست
تک نگہ کردی و کردی بسملم
بار دیگر یک نگاہم آرزو ست
نے غم راحت مرا بیم رانج
ہرچہ بر من می رسد شادم کزوست
گم کردگان راہ بہ منزل رسیدہ اند
شور دراست باطل و بانگ جرس عبث

گر ہندو است خال توہرزا ست خوف دزد
در شب رواست زلف توپاس عس عبث
رفتم بہ زیر خاک و زدم د کفن صبوح
زاں رو کہ خوش تر است بہ صبح وطن صبوح
عمرے تلف بہ کعبہ نمودیم بعد ازیں
ماء و بر کف بتک برہمن صبوح
یار ب آناں کہ نہ در ند بہ عشقت معذور
رگ جان شاں بزند نشتر مژ گانے چند
نیم باز است ہمہ نرگس خانم کہ شدم
کشتہ نرگس دزدیدہ نگاہا ئے چند
قدر سرمستی ، لعل توحسن می داند
جرعہ چند یہ کارم کن و احسانے چند
یاد آں زماں کاندر غمت سر داشت سوداے دیگر
ویں دیدہ خوں بار من از شک دریاے دگر
رفتم بہ طوف کعبہ و افتادم اندر مے کدہ
شوق تو از جاے مرا آورد در جاے دگر
سوز ہا گل کر د و آخر در سراپا پایم گرفت
من کہ درطفلی بہ دل از عشق اخگر داشتم
صحبت یاران رنگیں طبع مارا زندہ کرد
ورنہ شیدائی دل چز مردہ در بر داشتم

....

شیدائی

شیدائی تخلص، مرزا رمضان بیگ ساکن شاہجہان آباد قوم مغل، خاندان والا اور دودمان معلی سے ہیں۔ طبیعت میں باوجود تاہل اور تعلق کے کمال آزادی اور وارستگی متمکن ہے اور اس آزادی پر خوش خلقی کی نہایت نہیں۔ کتاب درسیہ فارسی استادی۔ مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالی سے کمال تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھیں ہیں۔ گاہ گاہ اشعار فارسی اس صاحب طبع کی زبان خامہ سے آشنا ہوتے ہیں۔ یہ دو شعر اسی کے نتائج فکر سے مرقوم ہوئے:

با خضر احتیاج نہ آفتد براہ ما
جز عشق نیست پیر طریقت پناہ ما
ہر دو جہاں کہ تاج سر حرص عالمیست
کم تر بود ز خاک بہ پیش نگاہ ما

....

شیفتہ

شیفتہ تخلص، نواب، معلی القاب، موسس اساس قبول و اقبال، بانی۔ بنائے فضل و افضال، مسند نشین قصر دولت و جاہ، اقبال پناہ، جلالت دست نگاہ۔ زیدہ نام روران جہاں نواب محمد مصطفی خان سلمہ الرحمان۔ قصر دولت و اعتبار کا پایہ آسمان افتخار سے بلند ہے اور فرق تسلیم زمین خاکساری پر نگوں۔ ایوان جاہ و جلال کا بام سپہر بریں سے ٹکر کھاتا ہے اور سر نیاز آستانہ فقر سے مقرون۔ اس کے طرز و انداز کے فرہنگ میں لفظ ناز سے معنی نیاز مفہوم اور اس کی اوضاع و اطوار کی راہ میں شوخی، رفتار سے نقش قدم کا عجز معلوم۔ آفتاب اگر عجز ذرہ ظاہر کرے یا آسمان پستی زمین، بے نیازی و استغنا اوج گیر ہے۔ نہ ہمت تنزل گزیں: بیت

کسانے کہ راہ خدا داشتند
چنیں خرقہ زیر قبا داشتند

خامہ ثنا طراز نے جب یہ دو چار کلمے۔ اغراق منشیانہ اور بے مغالہ شاعرانہ اس جامع ضدین دین و دنیا کے حق میں زبان سے آشنا کیے۔ عندلیب گلشن شیراز نے اپنے ممدوح کی ثنا سے اندک خجل ہو کر دل میں انصاف کیا اور بے اختیار طرز کلام کو تغیر دے کر کہا:

بدرویشی ثنا ے مصطفیٰ خاں می کنی آرے
خوشامد گونہ ای ت اروے حشمت درمیاں بینی

لیکن تقاضاے انصاف دامن گیر ہے اور اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو سیاق سباق اس تقاضے کا بھی دل پزیر ہے کہ امر واقعی کے بیان میں کیا نقصان؟ اور حرف راست کے اظہار میں کیا زبان؟ تو نہیں دیکھتا کہ علوے شان اوج سپہر سے بالا تر ہے اور سموے مکان کنگرہ عرش والاتر۔ آفتاب اس شبستان دولت میں شمسہ ایوان اور آسمان اس کے قصر جاہ میں خاک آستان۔ اس کے صید گاہ مہارت میں شیر نقش قدم سے پا بہ زنجیر اور اس کے دریاے ھیبت میں نہنگ دام امواج میں اسیر۔ تیر آرش اس کی کمان کا خانہ زار قدیم اور گرز فریدوں اس کی تیغ رستمی سے سے دو نیم۔ فرق جاہ کی بلندی اس کے ایوان رفیع کے آستاں تک پہنچتی، اگر مانند گرد اس کے نعلین کی ملازمت بہم پہچاتی اور پایہ حشمت کی رفعت اس کے قصر بلند کے کنگرے سے ٹکر کھاتی۔ اگر گل وخشت کے حیلے سے اس کے معار کے ہاتھ میں آجاتی۔ لیکن بے پایانی، اوصاف سے خایف ہوں اور افزونی، ستایش سے تر ساں کہ مبادا منزل مقصود سے دوری رہے ار مقغاے مقام سے حرماں۔ ناچار پایہ سخن وری کے حرف اور رتبہ ہر پروری کے ذکر ہے کہ تو نگران سخن کا پایہ اس کی زکوۃ سے نصاب کمال کو پہنچتا ہے۔ واقفان دقایق کمال کو آگاہ کرتا ہے علوم رسمی سے کماینبغی آگاہ اور فنون متداولہ میں کامل دست گاہ، اصناف سخن میں قدرت تمام اور فنون شتی میں مہارت تام۔ کمال مرتبہ شناسی سے ہر سخن اپنے موقع میں اور ہر نکتہ اپنے مکان میں جلوہ گر۔

غزل میں شوخی ، جوانی کا اظہار اور قصیدے میں متانت پیری کا روز بازار۔ معنی ،وحدت الفاظ رباعی سے آشنا، ہنگامہ کثرت مثنوی سے جلوہ نما۔ اگر اس کلام کو اعجاز کہیے، لب دلبراں کی خجالت کا خوف رہ زن تقریر ہے اور اگر سحر لکھئے نرگس خوباں کی ندامت کا بیم مانع تحریر۔ جس طرح تیغ ہندی ریختہ شاہدان شنگول کے غمزے سے زیادہ تر ناخن بدل زن ہے۔ اسی طرح بادہ شیراز فارسی خوبان سیہ مست کی چشم سے زیادہ تر خمار شکن ہے اور جیسے اس تبلیغ آب دار کے سلح شور اس شہ سوار ہنر کو شیفتہ کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ اس بادہ صاف کے سرمست اس سے حسار کمال کو حسرتی کے اسم سے مذکور کرتے ہیں۔ جو کثرت اوصاف مہر دہاں اور وفو دمحامد بند زباں ہے۔ ناگزیر تقریر اوصاف اور ذکر مدائح سے تحریر افکار گوہر نثار پر ساعت اور مستعان سخن رس کو اس نعما کے لطف سے محو لذت کرتا ہوں۔

اشعار فارسی

تہدید از ریا کردی شیخ شہر مارا
امروز ساغر مے خوردیم آشکار
در عشق نوجوانی از دین و ال گزشتیم
از ما سلام گوئیدا پیران پارسا را
خندہ چہ خوش شیوہ ایست از پس خشم و عتاب
لذت دیگر بود زخم نمک سود را
ایں لالہ کہ رست از گل ما
داغے ست کہ بود در دل ما
صرفہ چرا کند بجور از غم عذر فارغ است
شاہ ہیچ می شود طبع وفا سرشت ما
دستے کہ بود در گرو زہد حسرتی

گستاخ تا بہ بند قبا کردہ ایم ما
کار ہمت نہ باندازہ طاقت باشد
مرغ بسمل شدہ راہم سر پروازی است
ز شور حشر دراں انجمن سخن می رفت
بہ عشوہ گفت کہ تک فتنہ از خرام من است
من خود نگویم ایں کہ تو بیم مدعی
طرز نگاہ وسوسہ فرما گواہ کیست
دانم کہ بہر شیوہ دلم می رود ازدست
دیگر نشناسم کہ چہ لطف وچہ عتاب است
اگاہے بسوے غیر نظر کردی و ہر کہ
دانست کہ می سوزم ازیں ازیں بیش ترم سوخت
بر طرہ پر شکن چہ نازی
آخر ز دلم شکستہ تر نیست
چشم بد دور از جمالیش
می بینم و طاقت نظر نیست
بہ عاشق آں کہ بیا موخت راہ و رسم وفا
بہ دلبراں نہ براے شکست پیاں گفت
تو بدگمانی و در پہلوے تو خوش چشمے
نگہ پردے تو زیں روے مشکل افتاد است
فگندہ است سپہرم بہ بند صیادے
کہ گاہ دام نہ گسترد و در کمیں نہ نشست
فزوں ز لف کشد خط سبز او دل ما

به دیده بیش خلد سبزه که نو خیز است
حیرتم کشت که ہر لحظه چساں می کشدم
آں که درست نه تیرے نه کمانے دارد
صد پردہ بروے دوست بستند
زاں جملہ یکے جمال باشد
خوش آندم کز ہجوم شکوہ تلخی زیر لب گویاں
تو بر خیزی ز ناز و حسرتی در دامن آویزد
شیوہ ناز تو انباز نمی داشت روا
لا جرم از ستم دہر امانم دادند
بس با که می کنی تو بمن من کنم به او
گر دانمے که باتو مرا آشنا که کرد
با سادگان خویش وفا می تواں نمود
دل بر امید وعدہ فردا نہادہ اند
او خموش از سر کبر ست و دل من خورسند
که سخن ہاے مرا فکر جوابے دارد
پہلوے غیر به بزمش نکنم جاے که نیست
چشم آنم که نگاہ غلط انداز کند
جاے رحم است برآں بسمل مسکیں که ہنوز
نیم جانے به تپش باشند و قاتل برود
خدایا حشر برپا کن به ہنگامے که عاشق را
به دل حسرت به گردن دشنه بر لب آفریں باشد
خاکم بسر که عاشق کار آزمودہ ام

IqbalCyberLibrary.net
All rights reserved.
©2002-2006

دانم کہ با رقیب بہ خلوت چہا رود
چندیں میازمای کہ ترسم در اضطراب
ناگہ شکایتی ز تو ام بر زباں اسد
بیا و طاعت مقبول رابہ یغما بر
خلل بکار دعا ہاے مستجاب انداز
برای شاہد و مے پارہ بمن می بخش
ندیم از تو دگر حاصل ربیع و خریف
نگہ از نالہ بلبل بہ رخ گل کردم
روے گل دیدم و صد خندہ بہ بلبل کردم
گہی در صحن مسجد گاہ در میخانہ ہا افتم
سر شوریدہ دارم بہر جاے زپاافتم
جواب طعنہ حرمان و طنز ناکامی
ہمیں بس است کہ معشوقہ نازنیں دارم
ظلمت شب برقرار و صبح نا پیدا ہنوز
حسرتی بے جا سر از خواب عدم برداشتم
سخن بے ربط گوئی حسرتی لیکن نمی گیرم
ہمیں روداد من ہم بود چوں یارم برید ازمن
باجاں بروں بر آمد و اینم گماں نہ بود
صد حیف ناوکت ز دل آساں بسر آمدہ
اے کہ تلخ از سخن تلخ تو شد عیش مرا
می توانی کہ تلافی بہ شکر خند کنی
آں چنانم ز تو آزردہ کہ مشکل دیگر

دل من شاد بصد وعدہ و سو گند کنی
جاں از رقیب خواہی و اصرار می کنی
کارے ست سہل حیف کہ دشوار می کنی

کونین رونماے جہالت نہ می شود
مارا چہ دادہ کہ خریدار می کنی

اشعار ریختہ

یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں
طول امل جواب ہے زلف دراز کا

روداد میں ہیں شیفتہ کے مختلف اقوال
پوچھیں گے وہاں سے جو کوئی معتبر آیا

ہم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

کاے حال تمہار ہے ہمیں بھی تو بتاؤ
بے وجہ کوئی شیفتہ اف اف نہیں کرتا

تم لوگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار
شب موم کر لیا سحر آہن بنادیا

مشاطہ کا قصور یہی سب بناؤ میں
اس نے ہی کیا نگہ کو بھی پر فن بنا دیا

اظہار عشق اس سے نہ کرتا تھا شیفتہ
یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنادیا

مصروف ہے بہت ہی ہمارے علاج میں
ہم بھی ذرا علاج کریں گے طبیب کا

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اے مرگ آ کہ میری بھی رہ جانے آبرو
رکھا ہے اس نے سوگ عدو کی وفات کا

ہائے اس برق جہاں سوز پہ آنا دل کا
سمجھے جو گرمیِ ہنگامہ جلانا دل کا

نقشِ تسخیرِ غیر کو اس نے
خوں لیا تو مرے کبوتر کا

خوبیِ بخت کہ پیمانِ عدو
اس کو ہنگامِ قسم یاد آیا

اس سے میں شکوے کی جا شکرِ ستم کر آیا
کیا کروں تھا مرے دل میں سو زباں پر آیا

کب طالعِ خفتہ نے دیا خواب میں آنے
وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

سودا زدہ کہتے ہیں ہوا شیفتہ افسوس
تھا دوست ہمارا بھی سنبھل جائے تو اچھا

محبت نہ ہرگز جتائی گئی
رہا ذکر کل اور ہر باب کا

پڑے صحت آرام کی جان پر
مری جانِ بے صبر و بے تاب کا

شکوہ مجھے نہ ہو جو مکافات حد سے ہو
واں صلح ایک دم ہے لڑائی تمام شب

کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ
اس گل پہ غش ہیں جس میں محبت کی بو نہیں

دشمن کہیں گیا نہ ہو آنکھوں سے شیفتہ
اس کی گلی میں آج نشان قدم نہیں

....

شیون

شیون تخلص ، حافظ سید اکبر علی مبرور، ہمشیرہ زادہ مفتی محمد اکرام الدین مغفور غفر اللہ لیہا کہاوائل میں حافظ تخلص کرتا تھا۔علوم متداولہ میں تدقیق وتحقیق کا رتبہ بلند اورسخن سنجی اورشعر گوئی کی طرزدل پسند۔تہذیب اخلاق میں تکتاے روزگار،حلم وبردباری میں شہرہ ودیار۔

کتاب موجز،کوکہ علم طب میں مصنفات قرشی علیہ الرحمہ سے ہے۔زبان فارسی مین طرزدل پسند کے ساتھ ترجمہ کیا۔

سن بارہ سو اٹھ سٹھ ہجری میں سفر آخرت اختیار کیا۔

یہ چند شعر اس کے نتائج افکار گوہر نثار سے ہیں:

کشتہ تیغ نگاہ تو بہ خوں می غلطید
جاں ہمی داد و دگر زخم تمنا می کرد

دین و ایماں ہمہ درباخت بہ یک غمزہ او
شیون از بے خردی دعوے تقوی می کرد

کلک قضا کہ نقطہ مشکیں بدل گذاشت
آں را برائے مہر بتاں انتخاب کرد

نامہ و قاصد بہ دوست چوں نتواند رسید
رنگ رخ جستہ راں بال پریدن دہیم

شد بندہ کسے کہ گرفتش بہ بندگی
باید بحال زار زلیخا گریستن

آبی بروے کار نیاورد گریہ ات

اے دیدہ شرم باز ز بے جا گریستن

....

IqbalCyberLibrary.Net
www.
All rights reserved.
©2002-2006

باب الصاد المھملہ

صابر

صابر تخلص ہے ہیچ نشناس مکتب دانش، ناشناسائے کشور بینش، راوم اوراق پریشاں، قادر بخش ہیچ فہیم ہیچمدان کا کہ مثل دہان خوباں ہیچ اور مانند زلف محبوباں دل شکستہ ہے۔ یہ رنگ نقش قدم نارسا اور بسان موج آب وارستہ ہے۔ اگر بستر خواب پر پاؤں پھیلائے، کمال لاغری سے کلیم دیدہ مور کا طول اس سے دو چند نظر آئے اور اگر راہ سعی میں قدم اٹھائے، نہایت ناتوانی سے تو ہم حرکت کی لیاقت اس کا ایک اعجاز شمار کیا جائے۔ اس کی رسائی کو نقش قدم کے ساتھ دعوی ہمسری اور اس کی سعی کو موجسراب سے لاف برابری، ضعف کی اعانت سے رنگ پریدہ کو اس کے حق میں حکم فلاخن اور جوش وحشت سے فراخی، صحرا اس کے قدم کے سامنے تنگی۔ دامن ،۔ آہ اگر اس کے لب سے بلند نہ ہوتی۔ کرہ نار کا کیوں کر اثبات ہوا اور اشک اگر اس کی آنکھ سے نہ گرتے، ابر سرمایہ گوہر سے کس طرح تونگر ہوتا؟ شفق ایک قطرہ ہے اس کے خون جگر کا، سحاب ایک ٹکڑا ہے اس کے دامن تر کا، گریہ اس کی انکھ کی بہ دولت با آبرو، نالہ اس کے لب کے طفیل آسمان سے دوبدو۔ اگر اس کی خاک اکسیر نہیں تو باد صبا کو اس قدر جستجو کیوں ہے؟ اور اگر اس نے اس کے دانت کھٹے نہیں کیے تو رقیب اس کیسامنے چیں بہ ابرو کیوں ہے فغاں جب اس کے سینے میں آیا، کیا سے کیا ہوا گیا اور نالہ جب اس کے لب سے گزرا، برق بلا ہو گیا۔ اگر یہ عاشق مزاج نہ ہوتا، عشق وہوس میں کیا تمیز ہوتی؟ اور اگر یہ خون دل سے گل افشاں نہ ہوتا، خاک چمن کیوں کر گل خیز ہوتی؟ اس ضعف گریباں تک ہاتھ لیجانا اسی کی ہمت ہے اور اس ناتوانی پر اپنے غبار کو ہوا کے ساتھ دست وگریباں رکھنا اسی کی جرات ہے۔ معشوق کو صفائی چہرہ کی تعلیم یا آئینے کا ایجاد ہے یا اس صاف دل کا، دل ربا کو بار بار کی شوخی کا سکھانا کچھ ناز بے جا کا شعبدہ ہے، کچھ اس کی نیاز پاشی، متصل کا۔ داغ

جگر، رشکِ لالہ، حلقہ آہ، ہم دوش لالہ، چاک گریباں اس تطاول پر دست جنوں کا شکر گزار، زخم جگر اس قدر خراش پر ناخن الم کا سپاس دار، سوسن کے مانند باوجود دہ زبانی کے خاموش اور گل کی طرح باوصف خوش نفسی کے ہمہ تن گوش، سرو کے مانند موزوں طبع لیکن نالہ وہ نغاں سے مسرور، صنوبر کی طرح سراپا دل مگر سر سے پاؤں تک زخموں سے چور۔ بلبل خوش الحاں ہے گل رخساروں کی یاد میں نغمہ پیرا قمری سجع خواں ہے سرو قامتوں کی جستجو میں کوکو سرا، نہ دل سوائے نالہ عشق کے کسی بات سے مالوف اور نہ طبیعت بہ جز حرف محبت کسی سخن سے مشغوف۔ مانند سایہ وضع خاک ساری ایک جامہ ہے اس کے تن پر راست اور مثل محراب انداز تسلیم ایک شیوہ ہے اس کی سرشت میں بے کم وکاست۔ نارسائی سے اپنے آپ کو نہیں پہنچتا اور کمال رفعت کے تصور میں پستی، اعتبار کا حرف ناِمسموع اور خود شناسی سے اپنی حقیقت کو نہیں پہچانتا اور آپ کو دور سمجھ کر کورفہمی کا طعنہ نامطبوع۔ پستی کو اس کی بلند شان کے مقابل اپنی بلندی پر افتخار اور حضیض کو اس کی اوج کے سامنے اپنی رفعت کا پندار۔ افسوس، میں کہاں اور کہاں یہ سخن طرازی، کجا راقم اور کجا یہ افسانہ پردازی؟ ہنگامہ عجیب برپا ہے اور ماجرائے غریب چہرہ کشا ہے۔ کمال کے پندار اور نسب کے کبر اور حسب کی نخوت سے قطع نظر کشمکش احباب اور تقاضائے شیخ وشاب ہر دم دامن گیر ہے کہ اقتضائے اہلیت اور داعیہ انسانیت سے عجز وقصور پر اعتراف کرنا اور گو کہ طبیعت خداداد منشاء علوم اور مبداء فہوم ہو۔ اپنے آپ کو جہل و بے دانشی سے متصف جاننا اصحاب فہم اور ارباب درایت پر واجب تو ہے لیکن نہ اس قدر کہ مرتبہ واقعی اور رتبہ نفس الامری پر نگاہ نہ کریں ار اپنے جوہر طبیعی اور ہنر ذاتی سے اغماض کر کے دانستہ ایک گوہر بے بہا کو خاک مذلت پر گرا دیں۔ لاف نامعقول اور گزاف فضول کو پایہ بلند جاننا اور ناحق وناروا اپنی لیاقت سے بالاتر کسی محل کو تلاش کرنا تو ناسزاوار ہی ہے۔ لیکن یہ بھی قدم فروتر پایگاہ میں رکھ کر حفظ مراتب کا سر رشتہ یک لخت ہاتھ سے

دے دیں۔ غلوے پایہ آیا اور بلندی، شان اجد اد تو کچھ تیرے قلم کی چرب زبانی اور تیرے خامہ چابک رقم کی رطب اللسانی کی محتاج نہیں، یہ تو وہ آفتاب ہے کہ عالم اس کے فروغ سے کام یاب ہے۔ اور تہذیب و اخلاق اور علم و تواضع کا حال تو ظاہر ہے کہ اپنی زبان سے کس قدر فقرے مضمون فروتنی اور بیان عجز و انکسار میں مسلسل تقریر کیے کہ پاس آشنائی نے ہم دل سوزان صداقت منش کو اتنی تہدید پر مستعد اور اس قدر سرزنش پر سرگرم کیا۔ اپنی نظم ثریا پایہ کے مرتبے کو دیکھ، اور اپنی نثر نثرہ کی رفعت پر نگاہ کر، فروغ معانی کو خیال کر، خوبی عبارت کو ملاحظہ فرما، نظر غور اور نگاہ تامل کی وہ باریک بینی کدھر گئی اور طبیعت شوخ اور فکر رسا کی وہ چالاکی کہاں ہے؟ اپنے سخن والا رتبہ اور کلام عالی درجاب کے صفات ظاہرہ اور اوصاف باہرہ سے یہاں تک چشم پوشی کونی تیرے مرتبے میں تو البتہ نقصان نہیں پیدا کرتی اور یہ بھی مانا کہ تو اس خمول پر راضی اور اس گم نامی سے خوش دل ہے، خود سخن کی داد و بے داد کا کیا علاج اور کلام معجز نظام کے شکوے کا کیا چارہ۔ تیرے دیوان میں بنائے سخن کی متانت ایسی ہے کہ نقش مسطر اس کے اثر سے گویا پتھر کی لکیر ہے اور طراوت الفاظ اس طرح کی کہ مد سطور اس کی تاثیر سے بعینہ موج آب کی تحریر ہے۔ نظم کا مرتبہ ایسا بلند کہ نظر جب تک دوش فکر پر متمکن نہ ہو اس کے ادنیٰ پائے پر پہنچ نہ سکے اور نثر کی دست گاہ ایسی وسیع کہ نگاہ مطالعہ جب تک وحشت عاشق سے تیزی رفتار وام نہ لے، ابد تک اس میدان سے قدم باہر نہ رکھ سکے، نقطہ اور دائرہ سخن کا فروغ معنی سے ماہ اور ہالہ اور طراوت لفظ سے قطرہ شبنم اور برگ لالہ۔ صفائی عبارت خطوط سے اس طرح جھلکتی ہے جیسے پردہ شب سے سفیدہ صبح کا ظہور۔ روشنی معنی دوائر حروف سے ایسی جلوہ گر ہے جیسے افق سے آفتاب کا نور۔ معانی سوزناک اگر الفاظ مطرا میں نہ ادا ہوتے، کاغذ جل چکا ہوتا۔ مضامین جنوں انگیز اگر عبارت متین میں نہ بندھے ہوتے، ورق کاغذ باد کی مانند ہوائی ہو گیا ہوتا۔ ابیات غزل وصف خط و خال سے حجلہ عروس، رفتار

قلم خوبی تحریر سے جلوہ طاؤس، رباعی عارفانہ میں الفاظ عبارت جلوہ اسرار سے سینہ ارباب کشف وشہور، اشعار عاشقانہ میں دوائر حروف ملاحت سخن سے جراحت نمک سود، سطر اثر موزونی سے سرو، صفحہ رنگینی نقوش سے بال تدرو، غفلت کے فریب میں آکر اپنے رتبہ بلند سے اغماض نہ کر اور کسر نفسی سمجھ کر فروتنی کو کام نہ فرما۔ اپنے حق میں وصف مبالغہ آمیز قبیح ہے نہ بیان واقعی۔ یہ وہ سخن ہے کہ اس کے اوصاف واقعی اگر الہام کی شان میں مذکور ہوں۔ ارباب تحقیق اس کو مبالغہ تصور کریں اور اگر اس کا نفس الامر وحی کے حق میں بیان ہو، اصحاب فہم اس کو غلو و اغراق مقرر کریں۔ یہ باتیں تو اہل وداد کی دل سوزی اور کمال اتحاد سے باعث سامعہ افروزی ہیں اور بشریت کا تقاضا اور ہوس کا اقتضا چشمک زن ہے کہ اہل روزگار کا کروفر اور اخوان زمانہ کا طمطراق یوں زبان پر ہو۔ اگر چہ خلاف واقع ہی سر بہ سر ہو، اور آپ کنج خمول میں بسر کیجئے اور اپنے استحقاق سے کسی قدر شناس کو خبر نہ دیجئے، یہ کسی ہوشیاری کا ثمرہ اور کسی عقل کا نتیجہ ہے؟ اور غیرت ہم سری اور پاس ناموس کی یہ تحریک ہے کہ بلند پایگان عظام کی صف میں بیٹھنا اور مربع نشینی کی ہوس میں ان کے ساتھ ایک مسند پر متمکن ہونا اور زریں لباسان مرصع پوش کے حلقے میں ہم چشمی کے ارادے سے قدم رکھنا اور پھر اپنی وضع کو تغیر نہ دینا اور لباس سادہ وکسوت بے تکلف کو ارباب زرق برق کے سامنے موجب خجالت نہ سمجھنا اثر غفلت کا ہے۔ نہ ثمرہ آگاہی کا۔ یہ اور امر احباب کا مجبور اور یہ مغلوب طبیعت مشہور گلیم اطاعت سے پاؤں دراز نہیں کرسکتا ار جادہ انحراف میں قدم نہیں دھر سکتا ہے اور اہل انصاف کے گوش گزار کرتا ہے کہ ہر چند آباے عظام اور اجداد کرام کی بہ دولت نسبت شاہ زادگی سے مشرف اور بہرہ بلند نامی سے کامیاب ہے۔ لیکن دولت کمال کے طفیل اور افاضل روزگار کی تربیت کے اثر سے اس نسبت کا نیازمند اور اس وسالت کا محتاج نہیں ہے:

المنۃ للہ کہ نیازم بہ نسب نیست

ایک شہادت طلسم لوح وقلم را

جوش وخروش ہوس اور غلبہ دنائت طبیعت خواہی نخواہی مجھ کو ورطہ ہلاک کی طرف کھینچ کر لے چلا تھا کہ قائد توفیق نے رہبری اور خضر سعادت نے رہ نمائی کی، کہ اے مست شراب غفلت، زبان اس یاوہ گوئی سے بند کر اور شیوہ خاموشی کو پسند کر اور مثل یاران شیریں سخن کے اپنے جواہر آب دار کو بھی طبق اوراق پر جلوہ دے کہ بوے مشک اور راز عشق کو خود چھپنے کی صلاحیت نہیں۔ اگر اس برق میں کچھ تابش اور اس جلوے میں کچھ شوخی ہے۔ نگاہ تماشا خود خبر دار اور طبیعت ارباب شوق خود بے قرار ہو جائے گی۔ ضمیر حیا تخمیر اور طبیعت شرم طویت نے اس انداز کو مناسب مزاج کے اور نصیحت کو موافق ارادے کے پا کر چند شعر فارسی اور ریختہ ثبت اوراق کیے:

اشعار فارسی

رشک خورشید میہمان من است
آسماں رتبہ آستان من است
جگرم خوں شدہ است در عشقش
زاں سبب خوں چکاں بیاں من است
دوش از شور فغانم ہمہ بیدار شدند
بخت خوابیدہ من بود کہ بیدار نبود
در چمن ہر گہ کہ ذکر کر آں رخ گل گوں کنم
چشم بلبل راز اشک لالہ گوں پر خوں کنم
صبح امید ما نہ دیدست اگر دمید
ایں صبح راز دود جگر شام کردہ ایم
لرزد فلک ز شرم جفا ہاے خویشتن
اکنوں کہ نیم نالہ سر انجام کردہ ایم

منعم از الفت ترسا بچہ نتواں کردن
دہ چہ دشوار بود گبر مسلماں کردن
کار عالم ہمہ واروں ست دہد جمعیت
جان و دل را گرو زلف پریشاں کردن
وہ چہ زیباست بروے تو زخود رفتن و باز
حرف صد شکورہ زدن سدوست بد اماں کردن
بامن فریب ای بت نوشاد می کنی
ہر دم بوعدہ و گرم شاد می کنی
خواہد غبار من کہ نیفتد بدامنت
گردم سرت بگو توچہ ارشاد می کنی
دانستہ ام کہ در نظر تست مرگ من
بامن کہ شرح قصہ فرہاد می کنی
رنجد ز نالہ تو دل نازک حبیب
صابر خموش باش چہ فریاد می کنی

اشعار ریختہ

عصیاں کی دولت اب تم خجلت سے بعد مرگ
اٹھنا مرے غبار کو دشوار ہو گیا
محفل میں میں تو اس لب مے گوں کے سامنے
نام شراب لے کے گنہ گار ہو گیا

مطلع

نظارہ برق حسن کا دشوار ہو گیا
جلد وہ حجاب دیدہ بیدار ہو گیا

حائل ہوئی نقاب تو ٹھہری نگاہ شوق
پردہ ہی جلوہ گاہ رخ یار ہو گیا

معلوم یہ ہوا کہ ہے پرسش گناہ کی
عاصی گنہ نہ کر کے وہ گنہ گار ہو گیا

اس کی گلی میں ان کے کیا کیا اٹھائے رنج
خاک شفا ملی تو میں بیمار ہو گیا

پیری میں ہم کو قطع تعلق ہوا نصیب
قامت خمیدہ ہوتے ہی تلوار ہو گیا

ہے غلط انداز کتنی ہستیِ موہوم آہ
اس کی دولت سے جو اپنا تھا وہ بیگانہ ہوا

ہے بنائے خلق اک ہنگامہ پردازی تری
منزوی ہونے پہ بھی کیا معرکہ آرا ہوا

ہے نگاہ آشنا کو ہر جگہ جلوے سے ربط
دیر بھی کعبہ تھا جب میں ناصیہ فرسا ہوا

تیری رہ میں جان دینی ہے حصول زندگی
نقش پا زیر قدم مٹتے ہی پھر پیدا ہوا

لب تلک آ کر سخن پھر جائے ہے دل کی طرف
حرف یاں کس کا زباں نطق کو سرما ہوا

صفحہ ہستی پہ یاں ہرگز نہ تھا حرف دوئی
نیستی کس کے مٹانے کا تجھے سودا ہوا

ماہیت اپنی جو سمجھی راز تیرا کھل گیا
ہم کو اپنا ہی گریباں دیدہ بینا ہوا

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2002-2006

میں ہوں خود دریا ولے کو تہ نظر کے سامنے
ظرف موج و قطرہ میرے رخ کا اک پردا ہوا

بند کر ناداں زباں کو حق کو سب کہتے ہیں تلخ
لب کے وا کرنے پہ یاں منصور کیا رسوا ہوا

گہ حرم میں اور گاہے دیر میں دیکھا اسے
طور ہر جائی پنے کا اس پہ کیا زیبا ہوا

وصل سے عاشق نے پایا مرتبہ معشوق کا
قطرہ خود دریا ہو جب واصل دریا ہوا

ختم ہیں نیر نگیاں تجھ پر کہ تیرے حسن سے
اتنی بیرنگی پہ کس کس رنگ کا جلوا ہوا

ہائے پہنچا نہ گیا قید خودی سے اس تک
اپنے ہی دام سے چھٹنا مجھے دشوار رہا

مجھ میں اور اس میں ہے آئینہ و تمثال کا ربط
دور بیٹھے پہ بھی پاس اپنے وہ دل دار رہا

مجھو کو حسرت کے نکلنے نے نکالا گھر سے
ناتوانی سے سبک کیا یہ تن زار رہا

خفتہ بختی بھی عجب مایہ آگاہی ہے
طالع غیر کے مانند میں بیدار رہا

منہ پہ کہ دیتے ہیں جو دل میں ہے آئینہ نمط
تم ہٹے اور نہ یاں دل میں کچھ اے یار رہا

خشک جب پایا دہاں زخم دل نخچیر اک
آب کا قطرہ بنا پیکان تیرے تیر کا

خوف کا ہے آہن دلوں کو آہ کی تاثیر کا
شمع کے شعلے سے منہ مڑتا نہیں گل گیر کا

آگ ہے گویا کہ خون گرم اس نخچیر کا
سو کھتا ہے یاں تک آتے دم تری شمشیر کا

آتش دل کے سبب دست مصور میں بنا
کاغذ آتش زدہ صفحہ مری تصویر کا

مثل زر تیری کدورت سے مری رنگت ہے زرد
حکم رکھتا ہے ترے دل کا غبار اکسیر کا

تو تو کیا دیوار زنداں بھی نہیں رکھتی ہے کان
ہے گراں کچھ اس قدر نالہ مری زنجیر کا

تیرہ بختی کا کھلا عقدہ نہ اس سے مثل شب
ماہ نو ہے گویا، ناخن مری تدبیر کا

لطف سوزش کو کہوں یا درد کی لذت کو ہائے
دل کے ایک اک داغ پر ہے زخم سو سو تیر کا

ہے فغاں کو کیا زباں درکار وقت پیچ و تاب
بے زباں نکلے ہے منہ سے نالہ ہر زنجیر کا

اس کی آنکھیں خوبی، جو ہر پہ رہتی ہے مدام
ہے چراگاہ غزالاں سبزہ اس شمشیر کا

عمر بھر چھوٹے نہ ہرگز کشمکش کے دام سے
ہم جسے سمجھے تھے ہستی دام تھا تزویر کا

ظالموں کے واسطے کج طینتی بھی حسن ہے
خوبی ترکیب میں داخل ہے خم شمشیر کا

رسائی غیر کی مشہور تجھ تلک ہے ولے
مرا ہی دل میں ترے جب نہ تب غبار آیا
میں اس کی آنکھ میں کیا پاؤں گا جگہ صابر
مری نظر میں مرا جب نہ جسم زار آیا
ہماری خاک میں اتنی کہاں رسائی ہے
نہ جانیں دل میں ترے کس طرح غبار آیا
چھپنے سے بڑھا شوق ورگنہ کبھی اتنا
ملنے کا ترے پہلے تو کچھ دھیان نہیں تھا
کہتے ہیں کہ ہے واہمہ خلاق یہ سچ ہے
جس جا پہ گیا وہم ہمارا تو وہیں تھا
خفت سے مرا پلہ یہ اونچا تھا کہ مجھ سے
نیچا کئی فرسنگ سر عرش بریں تھا
وہ ہی بت قاتل ہے جس کو عمر بھر پوجا کیے
ڈر ہے کیا منہ لے کے جاؤں داور محشر کے پاس
ہوتا ہے فیض اہل توکل کو غیب سے
اک قطرہ بحر سے نہیں لیتی کبھو صدف
اہل صفا کے ربط سے بڑھتی نہیں ہے شان
پاتی نہیں گہر سے کبھی آبرہ صدف
رخ کی اس گرمی پہ مژگاں کے کجی ہے وہ ہے
آگ سے بھی تو نکلتے نہیں اس تیر کے بل
بے رنگیوں سے اپنی ہیں رنگ کی نمودیں
باغ جہاں میں گویا نا فصل بہار ہیں ہم

گر کچھ وہ منہ لگاتا تو دیکھتے تماشا
اس قہر پر تو جاتے واں بار بار ہیں ہم

وحشت کے کام سارے اس ضعف نے چھڑائے
بیٹھے ہیں یوں کہ گویا ناکردہ کارہے ہم

اک برق سی چمکتی ہے رہ رہ کے سامنے
وہ برق وش قریب کہیں مہیاں نہ ہو

کیوں کر بچوں میں دست اجل سے جو ضعف سے
پوشیدہ یوں نظر سے تن ناتواں نہ ہو

اے موت ابھی نہ آ کہ ہوس وہ نکال لے
قتل کی آرزوے ستم راہگاں نہ ہو

پہلے تو اس کو اتنی جفاؤں کا تھا نہ شوق
تاب و تواں کا اپنی ہی یہ امتحاں نہ ہو

تھمتی نہیں ہے خون کی دھار اس سے ایک دم
خنجر ترا مری مژہ خوں چکاں نہ ہو

اس سن میں جائے دیتے ہیں انساں کو آنکھ میں
جوں طفل اشک چاہیے ہرگز جواں نہ ہو

اس کو کہاں چھپاؤں کہ رخ کے فروغ سے
آئے خیال میں بھی تو ہرگز نہاں نہ ہو

مرتا ہوں قبر میں بھی اسی خوف سے کہ ھاے
پوشیدہ زیر خاک کہیں آسماں نہ ہو

ایسا گداز غم نے گھلایا کہ مثل شمع
گر تن میں ڈھونڈھیے تو کہیں استخواں ہو

لوں ہاتھ سے جہاں کے سخن میں پناہ کیا
اُس جا زمیں تو ہو گی اگر آسماں نہ ہو

آنکھوں پہ میری چل کے وہ اغیار سے چھپے
پائیں سراغ کیا جو قدم کا نشاں نہ ہو

خوش طالعوں کو قید تعلق نہیں پسند
ورنہ ہما اور اُس کے لیے آشیاں نہ ہو

دیکھو تو ضد کہ مرے ہی کرتے ہیں مجھ کو دفن
تا ایک شب بھی مردہ مرا میہماں نہ ہو

صابر گیا تھا کعبے پر اب تک نہیں پھرا
رشتے میں مل گیا کہیں پیر مغاں نہ ہو

اول مرے ہی محبت کو جا کر کیا سیاہ
دود فغاں چڑھا جو مرا آسماں پہ کچھ

مجھ کو بسان نقش قدم چھوڑ کر چلے
صابر نہ اعتماد رہا ہمرہاں پہ کچھ

مجھ کو جگہ کہاں ہو کہ آتا نہیں نظر
دل میں ترے تو غیر سے خالی مکاں مجھے

مجھ سے ہی چاہتا ہے وہ ہر ستم کی داد
سمجھا ہے اپنے ظلم کا اک قدرداں مجھے

جاؤں گدھر میں بیچ کے کہ رکھتا ہے پائمال
ظالم ادھر تو اور اُدھر آسماں مجھے

ظالم جفا کشی کی ہوس تو نکال لوں
تجھ سا ستم شعار ملے گا کہاں مجھے

کہتا ہوں اضطراب میں ایک اک سے حال دل
رسوا کرے گی خلق میں میری زباں مجھے

اتنا یہ بار غم جو نہ کرتا گراں مجھے
ساتھ اپنے چرخ تک لیے جاتا فغاں مجھے

رسوائیوں کے شوق نے ہرگز نہ مثل بو
غنچے میں بھی دیا کبھی رہنے نہاں مجھے

نقش قدم تلک نہیں رکھتی رہ عدم
ملتا وگرنہ قافلہ رفتگاں مجھے

اس چرخ بے دماغ نے سوسن کی طرح سے
رکھا خموش دیں بھی اگر دس زباں مجھے

اس اضطراب دل سے اٹھتا ہوں چونک چونک
حاصل ہوئے نہ مر کے بھی خواب گراں مجھے

اتنا تو ناتواں ہوں میں اے بدگماں کہ شوق
ساتھ اپنے کھینچ کھینچ کے لایا یہاں مجھے

مرگ شب وصال کی خوبی ہے ورنہ یار
رکھتا نہ گھر میں تا بہ سحر میہماں مجھے

چھپتا پھروں ہوں خلق کی نظروں سے پر فلک
کرتا ہے بوئے گل کی طرح سے عیاں مجھے

پیری میں جانتا ہے مدد ہر جواں مجھے
قد نے خمیدہ ہو کے بنایا کماں مجھے

جھمکے نہ پا تک آتے ، سراپا میں کیوں سخن
دکھلائی دے نہ بیچ میں جب وہ میاں مجھے

خواب عدم سے چین ملا مجھ کو بعد عمر
بیدار کر نہ دے کہیں یہ نوحہ خواں مجھے

کیا ہم کلام ہوں کہ خدا نے بنا دیا
اے یار بے دھاں تجھے اور بے زباں مجھے

ہوں میں بھی اپنے شیشہ دل کی صفا سے تنگ
مشکل ہوا ہے راز کا رکھنا نہاں مجھے

چھوڑا نہ تیرے یاں مرغ نام
بے جاں دکھائی دیوے ہے زاغ کماں مجھے

میں بھی ہوں اس کی راہ میں گویا کہ نقش پا
پایا وہیں ہے چھوڑ گئے تھے جہاں مجھے

دل میں بھی دی جگہ تو کدورت کے ساتھ دی
رکھتے ہیں خاک میں ہی ملائے بتاں مجھے

ناخن غم نے کیا مثل نگیں مجھ کو کہ ہے
سینہ کاوی سے مری نام تمھارا باقی

چلتے چلتے ہے کٹی عمر ہمیں مثل نفس
اور رہا منزل مقصود کا رستا باقی

ہے ہجوم نگہ شوق ترے رخ پہ نقاب
بے حجابی میں بھی اب تک ہے وہ پردا باقی

تیغ کھینچے ہوئے ابرو ہے مرے سر پہ ولے
ہے فقط چشم سخن گو کا اشارا باقی

لاغری نے یہ کیا گم کہ جہاں میں اپنا
خام ہی نام رہا صورت عنقا باقی

ہوں وہ مے کش کہ ہوا میرے ہی انگور میں صرف
تھا جو منصور کے خوں کا کوئی قطرا باقی
ہم نشیں لطف شب وصل تو تھا ہی کہ مجھے
یہ گماں تھا کہ رہے کچھ نہ تمنا باقی
پر کہوں کیا دم رخصت جو مزا تھا کہ مرے
دل میں ارمان ہے اس لطف ادا باقی
رات بھر جاگنے سے نیند کا آنکھوں میں خمار
اور کچھ کچھ اپر نشہ صہبا باقی
بھینی بھینی سی رنگت ، وہ پریشان ترکیب
لب پہ بد رنگ سا کچھ پان کا لاکھا باقی
آنکھ کے ڈوروں میں کم کم سی وہ سرخی کی نمود
تھوڑا تھوڑا سا اک انداز سے سرما باقی
ایک اک گام پہ بل موے کمر میں سو سو
کانٹا شاق نزاکت سے وہ رستا باقی
اب نہ وہ شب کا مزہ اور نہ وہ صبح کا لطف
رہ گیا اک کف افسوس کا ملنا باقی
کچھ نہ پوچھو فرحماں کو کہ میرے حال سے
درد ہے داغ ہے ، حسرت ہے سو مایوس ہے
حال میرے تجھ سے کہہ دیتا ہے اے عالم فریب
جو مرا ہم راز ہے گویا ترا جاسوس ہے
ہوں وہ لاغر کہ اڑاتی ہے صبا کوسوں تک
بوے گل جان کے ہر جانب گل زار مجھے

دیر میں آکے ہوئے اور ہی جلوے سے دو چار
مل گئی رہ جو ضلالت سے پڑا کار مجھے
مجھ کو ساماں کے نہ ملنے سے ہوئی افزائش
کیا بنایا تھا تمنا نے خریدار مجھے

....

صاحب

صاحب تخلص، شیر زماں خاں، نبیرہ یکتاے روزگار وحید شہر و دیار، حافظ عبدالرحماں خاں احسان تخلص غفر اللہ لہ۔ جناب مرحوم کی اوقات حیات میں اصلاح شعر اسی جناب تقدس ماب سے لیتا رہا۔ جب اس نفس مقدس نے سفر ملک آخرت اختیار اور مستفیدان اعتقاد منش کو اپنی مفارقت ناگزیر کے اندوہ والم سے ہم کنار کیا، شیخ ابراہیم زوق مرحوم سے استفادہ سخن کیا۔ مرد خوش اخلاق و نیک نہاد ہے۔ یہ دو تین شعر اس کے نتائج افکار سے ہیں:

شرمندہ ہے ناکامی، فرہاد سے اتنا
ہرگز کبھی تیشے کا سر اوپر نہیں ہوتا
کس کس کو میں بتاؤں کہ یار غم فراق
دل پر نہیں، جگر پہ نہیں، جاں پر نہیں
ذرا آنکھوں میں رکھنا اس کو صاحب
کہیں یہ طفل اشک ابتر نہ ہووے

....

صادق

صادق تخلص، محمد عزیز الدین ولد مولوی اساس الدے ان نبیرہ کملاے دہر، حافظ ابو المؤید خاں مرحوم تغمدہ اللہ بغفرانہ، برادر حقیقی محمد سعید الدین سعید۔ ہر چند وطن

اصلی اس کا بدایوں ہے لیکن عرصہ دراز ہوا کہ انقلاب روزگار نے زمین فیض آ گیں شاہ جہان آباد حرسہا اللہ عن الشر والفسا د پر برات روزی مقرر کر کے اس گل کو وطن بنا دیا۔ سنین عمر اس گزیدہ اطوار کے تیس اور اوصاف حمیدہ ہزار در ہزار ہیں۔ سابق منا سبت نام سے عزیز تخلص تھا، اسی واسطے بعض غزل کا مقطع اس تخلص کے زیور سے مقطع ہے۔ استفادہ اس فن کا مرزا اسد اللہ خاں غالب سے کیا ہے۔ یہ چند شعر اس کے نتائج افکار سے ہیں:

اس تنگ نالے دہر میں ہم جس کو اے عزیز
دل دار سمجھے تھے وہ دل آزاد ہو گیا

رہے تا بعد مردن بھی علامت جذب کی باقی
بنایا سنگ مقناطیس سے صادق کے مدفن کو

ہم دم زبح تجھے بھر کے نظر دیکھ تو لیں
کاش کے تیز ترا خنجر خوں خوار نہ ہو

لے گئی دل اک نگہ میں اس کی چشم نیم خواب
مست ہم سمجھے تھے اس کو پر بہت ہشیار ہے

اک نگاہ ناز سے ہے کام یاں اپنا تمام
قتل کرنے کر مرے کیا تیر و پیکاں چاہیے؟

....

صادق

صادق تخلص، تہور بیگ، وطن آباد واجداد اس نیک نہاد کا شمس آباد ہے کہ ایک معمورہ ہے قریب فرخ آباد کے مسکن وموطن فاغنہ، اور مولد اسکا شاہ جہان آباد۔ سنا گیا کہ زمرہ سواران بادشاہی میں منسلک ہے۔ شعر ریختہ کہتا ہے۔ یہ ایک شعر اس کی غزل سے منتخب ہوا:

آوار گان عشق کو مانند گرد باد
اک جا قرار ہو تو کوئی جستجو کرے

....

صادق

صادق تخلص شیخ محمد صادق قریشی۔ سنین عمر چالیس سے متجاوز اور میر نظام الدین ممنون سے فن سخن میں تلمذ۔ چھ سات مہینے کے عرصے سے مفقود الخبر ہے۔ یہ دو شعر اس کے یاد تھے:

یوسف کو خاک کیجئے ملجا نیاز کا
اس میں نہ یہ جفا نہ یہ انداز ناز کا

نے جنگ ہی کا طور نہ کچھ صلح ہی کے ڈھنگ
ساماں نہ سوز کا ہمیں حاصل، نہ ساز کا

صالح

صالح تخلص، مرزا مصلح الدین۔ فرزند ارجمند مرزا حسین بخش، حضرت ظل سبحانی کا نواسہ اور مرزا فتح الملک بہادر ولی عہد خلیفہ دوراں کا ہمشیرہ زادہ ہے۔ کتب فارسی کی سواد روشن اور خاطر کو شگفتگی سے رشک گلشن رکھتا ہے۔ ریختہ گوئی میں مرزا پیارے رفعت تخلص سے تلمذ ہے۔

یہ چند شعر اخوش فکر کے تحریر ہوتے ہیں:

نکلتی جان تو کیوں کر نکلتی
کہ دم تو یار میں اٹکا ہو اتھا

وہ لوگ کون تھے کہ جو برسوں ستم سہے
اپنا تو دو ہی دن میں عجب حال ہو گیا

ہم خاک ہوئے تو بھی رکھی چھیڑ صبا نے

نکلی نہ کسی طرح سے آرام کی صورت
دل اس سے پھیر تو لیتا میں ناصح مشفق
پہ کیا کروں کہ نہیں ہے یہ اپنے بس کی بات
مانا یونہی ہے آپ نے مجھ سے جو کچھ کہا
لیکن زبان خلق کی تدبیر کیا کروں
ہم کو تو دل لگی میں انھیں ہیں حلاوتیں
سو دل خدا جو دیوے تو سوجا لگائیے
زندگی کی نہیں صورت نظر آتی اب کی
درد دل میں یہ اٹھا ہے کہ خدا خیر کرے

صبر

صبر تخلص اجودھیا پرشاد، قوم کا سیتھ، ساکن شاہ جہان آباد، جوان خوش مزاج، حلیم طبع، نیک نہاد، اوایل میں منشی بسنت سنگھ نشاط اور بعد اس کے شاہ نصیر مرحوم سے اصلاح لیتا تھا۔ پھر ایک مدت کے بعد مومن خاں مرحوم سے اعتقاد بہم پہنچا کر غزل ان کی نظر سے گزرانے لگا۔ یہ چند شعر اس کے انتخاب ہوئے:

ہمیں گماں کہ وہ آئے ہمارے قابو میں
انھیں یقیں کہ مرے ہاتھ اک شکار آیا
خزاں کے روز تو رو رو کے باغ میں کاٹے
پھنسے قفس میں جواب موسم بہار آیا
دل لگانے کو بتاتا ہے تو مشکل ناصح
تیرے نزدیک چھڑاتا مگر آسان ہو گا
کس بھروسے پر کریں ترک صنم واعظ بتا

نام ہی سنتے ہیں منہ دیکھا ہے کس نے حور کا
زیست کم حسرت بہت کس کس کا شکوہ کیجئے
طالع خوبیدہ کا یا دیدہ بیدار کا
صبر کب دیتے تھے ہم اس کا کل پیچاں کو دل
آپ سے مانگا تو پھر موقع نہ تھا افکار کا
زاہد تجھے خبر ہی نہیں یہ بتان دھر
ملتے ہیں اس سے جس پہ خدا کا کرم ہوا
سیر دیکھی نہ تڑپنے کی مرے
مرگ آساں نے پشیمان کیا
خط لے چلا ہے تو مگر دے اسے جس دم
رکھ لیجو مرے نام پہ اے نامہ بر انگشت
لے گیا خط کی جگہ راکھ کی چٹکی قاصد
مشتعل تھا جو مرے گرم سخن کا کاغذ
مانگا جو جواب اس سے تو خط کے مرے پرزے
قاصد کو دیے ناز سے دو چار اٹھا کر
کوئی وحشی نہ پھٹکتا تھا یہاں قیس کے بعد
ہم نے آباد کیا پھر سے یہ ہامون آ کر
گم ہوے ایسے کہ اک حرف نہ آیا لب پر
رہ گیا دل میں دہن کا تیر مضمون آ کر
دو جہاں ہوتے ہیں ایک ایک قدم پر پامال
کوئی آفت ہے ہمارے ستم ایجاد کی چال
بد نامیاں ہیں باعث نام آوری یہاں

ہم جانتے تھے عشق میں کچھ عزوشاں نہیں

....

صبور

صبور تخلص، شیخ معین الدین۔ اب شیخ محب اللہ وطن اصلی اسکا ایک موضع ہے مواضع نارنول سے، لیکن اب چند مدت سے قبائل وعشایر کے ساتھ مقیم شاہ جہان آباد ہے۔ گاہ گاہ فرنگیان پلٹن کی تعلیم کی تقریب سے اطراف ہندوستان کا سفر اختیار کر کے وجہ معاش کی تحصیل میں سرگرم رہتا ہے۔ مرد سنجیدہ اور موزوں طبع ہے۔

یہ شعر اس کا اسی کی زبان سے سنا گیا:

در پیچ و خم کوچہ گیسوے تو بر دل

از کش مکش شانہ چگویم کہ چہا رفت

....

صدر

صدر تخلص، محمد صدرالدین۔ علوی نسب، سولہ سترہ برس کے سن میں وارد دہلی ہو کر چندے تحصیل ہنر میں ساعی ہوا۔ اب ہم صحبتان لا ابالی کی ہم نشینی سے شوق شناوری اور ہوس شکار اس کے مزاج پر غالب ہے۔ گاہ گاہ شعر بھی موزوں کرتا ہے۔

یہ شعر اس کا سنا گیا:

کرتا نہیں ہے تو جو ادھر منہ تو زلف کر

کیا جانیے کہ کان میں کیا کہہ دیا ترے

....

صدق

صدق تخلص، شیخ محمد اشارت علی خلف شیخ نوازش علی۔ نبیرہ نواب ابو محمد خاں کمبوہ ساکن قدیم میرٹھ۔ مرد نیک نہاد خوش اخلاق اور شیوہ مہر و وفا میں شہرہ آفاق ہے۔ فن

شاعری سے مناسبت طبیعی اور تاریخ گئی میں مہارت تام ہے۔ یہ چند شعر اس کے انتخاب ہو کر مرقوم ہوئے:

اے صدق ضعف سے مری آواز بند ہے
اس بد گماں کو وہم کہ مغرور ہو گیا

فکر مضمون سے چھٹا صدق تو ہے فکر معاش
سر پہ رہتا ہے ہمیشہ مرے بار ایک نہ ایک

فروغ اپنی جسے منظور ہو آفت میں رہتا ہے
کہ اک آتش لگی رہتی ہے دائم شمع کے سر میں

یہاں تک شمع رویوں کو مری قربت سے نفرت ہے
کہ گل ہووے چراغ و شمع گر آئے مرے گھر میں

اگر اسباب عشرت بھی میسر ہو تو جاتا ہوں
کہ ہے اک آگ ہو جاتی ہے آ کر میرے ساغر میں

میں کہاں ، وہ کہاں، کہاں جلسے
چشم بد لگ گئی مقدر کو

....

صغیر

صغیر تخلص، زبدہ جوانان متین میاں نجم الدین، خلف سر کردہ شعرائے نام ور، شاہ نصیر علیہ الرحمتہ برتری، حیا گوہر شاداب کی موج سے برتر اور گرانی، حلم گوہر نایاب کی قیمت سے ہم سر۔ اخلاق حمیدہ کو اس کی ضمیر صافی سے ارتباط اور اوضاع پسندیدہ کو اس کی طبع کریم سے اختلاط۔ کلام کی شیرینی سے اعتراض کا لب بند اور مضامین کی غرابت سے ہر بیت دل پسند۔ خلق و مروت میں یگانہ لاور لطف و کرم میں یکتائے زمانہ۔ سلامت روی کے اقتضا سے گوشہ گزینی میں مجبور اور صفائی وقت کی طلب میں

صحبت اہل روزگار سے نفور۔ بالفعل دو تین شعر کیسوا کچھ اس کے نتائج افکار سے دست یاب نہ ہوا:

گریہ اے پردہ نشیں چھپ کے کیا کرتے ہیں
غم دوری میں بھی ہم پاس وفا کرتے ہیں
آہ، صحبت ہوئی کیا شبنم و گل کی باہم
جتنا روتا ہوں وہ اتنا ہی ہنسا کرتے ہیں
صغیر دیکھ تو دریا پہ بھی نصیب ہے شرط
پیاس سے لب ساحل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

....

صفا

صفا تخلص، مرزا سعید الدین عرف مرزا ننھے۔ کہیں برادر مرزا رحیم الدین۔ حیا، صاحب ذہن سلیم اور طبع حلیم، دقائق سخن کو اپنے برادر بزرگ سے کسب کیا کرتے ہیں۔ ابتدا میں روا تخلص تھا۔ اب صاف طینی سے صفا مقرر کیا۔ جیسا بہ اعتبار سن کے جوان ہے بہ اعتبار شوخی، طبع اور برجستگی، مضامین کے بھی جوان ہے۔ فکر کی رسائی اور طرز سخن کی دل کشائی احاطہ بیان میں نہیں آ سکتی۔ یہ چند شعر اس نیکو نہاد کے رقوم ہوئے:

پوچھتے ہیں کہ کہاں رہتے ہو اور جانتے ہیں
کہ بہ جز دشت ٹھکانا نہیں دیوانوں کا
روز کے ظلم و ستم انصاف کو
چرخ اتنا دم کہاں انسان میں
گھر میں بیٹھے ہیں اور اتنا نہیں کہتے منہ سے
کون ٹکرائے ہے دیوار سے سر دیکھو تو

لیے پھرتی ہے در بہ در مجھ کو
یاد اس کاکل پریشاں کی

اے صفا اس کو تو غنیمت جان
جو گھڑی کٹ گئی مصیبت کی

مانا کہ وہ بے رنج ہے او رراحت جاں ہے
کچھ ہو یہ صفا جی کا لگانا ہی زباں ہے

....

صفا

صفا تخلص پیرن شاہ، ولد مشائخ خدا آ گاہ رتن شاہ مرحوم حلم و حیا سے آراستہ اور خلق و مروت سے پیراستہ۔ فن سخن میں شیخ ابراہیم ذوق کے شاگردان با استعداد اور راقم کے دوستان صادق الوداد سے ہے۔ یہ چند شعر اس حق پژوہ کے مرقم ہوئے:

روئے ہم کلبہ احزاں میں جو تنہا ہو کر
بہہ گیا چشم سے دل خون کا دریا ہو کر

ہم کو یہ ڈر ہے کہ پھر طوفان کہیں برپا نہ ہو
ڈھنگ تیرے آج کچھ اے دیدہ تر اور ہمیں

میں نے بوسہ طلب کیا تو کہا
یہ خرابی ہے منہ لگانے میں

چپ رہیے خدا کے لیے اے حضرت ناصح
اس وقت خدا جانے مرا دھیان کہاں ہے

جی میں ہے سو رہیں کچھ کھا کے کسی روز صفا
تنگ ہم آئے ہیں ہر روز کے غم کھانے سے

....

صفدر

صفدر تخلص، صفدر بیگ، ولد حیدر بیگ، ساکن قدیم کرنال، کتخدائی کی تقریب سے چند سال ہوئے کہ خاک پاک شاہجہان آباد میں مقیم اور مشق سخن میں سرگرم ہے۔ باوصف نومشقی کے استعداد کا رنگ اس کے کلام سے جھلکتا ہے۔ یہ شعر اس کی زبان سے مسموع ہوئے:

میں اگر دل کھول کی روتا تو کیا ہوتا کہو
ایک آنسو آنکھ سے ٹپکا تھا سو دریا ہوا

کیوں لگا ہے دیر یارب اب تلک آیا نہیں
حال قاصد کا مرے کیاجانیے واں کیا ہوا

پلاتے مے نہ عدو کو نہ مجھ کو رشک آتا
جگر نہ سینے میں جلتا نہ دل تپاں ہوتا

یہ دل کی آگ دکھائے گی رنگ کیا صفدر
کہ میرے سینے کے باہر نہیں دھواں ہوتا

بوسہ مانگا تو وہ کہنے لگے صفدر افسوس
اب تلک تم مری عادت سے خبردار نہیں

پیتے کسی کو دیکھیں ہیں جب ہم شراب کو
پیری میں یاد کرتے ہیں عہد شباب کو

آرام تھا گلی میں تری نقش پا کی طرح
ظالم اٹھا کے کیوں مری مٹی خراب کی

اس طرح سمجھا مجھے ناصح کہ دل سمجھے مرا
پند کرنا اور ہے اور سر پھرانا اور ہے

دل نہ کیجو تو حسرتیں برباد

عمر بھر کی مری کہانی ہے

....

صفدری

صفدری تخلص، میر صادق علی۔ کہیں برادر حقیقی میر نظام الدین ممنوں۔ جواں وجیہ۔ خوش رو، خلیق، بردبار، تیز طبع، خوش فکر۔ ایسا جوان یوسف طاعت اگر آسمان سو گردش کرے عرصہ وجود پر خراماں نہیں کرسکتا۔ افسوس کہ اس تنگ چشم، کم حوصلہ نے نہ چاہا کہ تک چند دیدہ روزگار اس کے جلوہ رخسار سے نوریاب رہے۔ بہت جلد اس کے مرقع جمال کو درہم اور اس عالم تصویر کو صفحۂ ہستی سے محو کردیا۔ اس کا قصہ عالم میں مشہور ہے۔ مختصر ایہ ہے کہ اس کے گھر کے قریب ایک نشست گاہ تھی۔ احباب ایک وقت معین پر وہاں فراہم ہوکر سخنان دل پزیر سے باہم ضیافت طبع کرتے تھے۔ ایک روز سر شام ایک جوان جہالت سرشت۔ چندر بھان نام قوم پنڈت بھی حاضر وقت تھا۔ ایک امر سہل پر قصہ بڑھ گیا اور اس ظالم بیدادکیش نے اس نوجوان گرم وسرد روزگار نہ دیدہ کے جسم نازک کو لباس خون سے مزین اور زیور زخم سے آراستہ کردیا، اور کم بخت یہ نہ سمجھا کہ چشم کو کب اگر تا ابد انتظار میں وا رہے گی، پھر ایسا جما آشنائے نظر نہ ہوگا، جب تک دوست آشنا خبردار ہوں۔ یہ سید عالی نسب حدیقہ جناں میں خراماں ہوکر اپنے جد والا مقام کے سایہ الطاف میں آسودہ ہوگیا اور یزید کردار گرفتار ہوکر بعد اثبات خون کے مطوق اور مسلسل گوشہ زندان میں بوس ابدی ہوا۔ یہ قتل خون سیاؤش سے بھی زیادہ چندے اہل روزگار کے واسطے سرمایہ عبرت رہا۔ ہرچند اس سانحے کو عرصہ دراز ہوا لیکن داغ اس کا سینہ بے کینہ پر ہنوز تازہ ہے۔ یہ چند شعر اس کے بہ طریق یادگار لکھے جاتے ہیں:

نہ معلوم پڑا پائے حنائی کس کا ہے

چھپا ہٹ ہے حنا کی سی، گل قالیں پر

ہاتھ مت رکھ دل پر آتش وبے تسکیں پر

نہ پھولے کہیں پڑ جائیں کف سیمیں پر

شاید نسیم مصر کا آتا ہے قافلہ

خوشبو کی اک لپٹ سی ہے بیت الحزن کے پاس

نہیں معلوم دل میں صفدری کے درد کیسا ہے

کہ ہردم ہاتھ سینے پر وہ بے تابانہ رکھتے ہیں

صفدری سینے میں دل کوئی ملے ڈالے ہے آج

منع مت کر متصل کرتا ہے اور فریاد ہوں

صفدری قد کو کہیں اس کے کہا تھا کل سرو

سیدھی اس شوخ نے کیا کیا نہ سنائیں مجھ کو

آنکھ اپنی یہ کس کے در دنداں پہ پڑی ہے

جو اشک مسلسل ہے سو موتی کی لڑی ہے

ہے شکایت یہی کہ غیروں نے

آشکایت ہماری آپ سے کی

....

صفوت

صفوت تخلص میر صفوت علی، ساکن قدیم لہاری۔ کہ مدت دراز، حضرت اجمیر میں معتکف ہوکر روح مطہر پیشوائے سلسلہ چشت خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ سے فیض یاب ہوئے اور اب سات مہینے کے عرصے سے وزیر آباد کی چھاؤنی کے قریب ایک موضع غیر مشہور میں منزوی ہیں۔ کتب حدیث کو علماء مکہ سے پڑھا۔ اشعار متصوفانہ زبان فیض ترجمان سے سامعہ افروز اور طالبان حقیقت کے دل سے ظلمت سوز ہوتے ہیں۔ یہ دو شعر ایک مرید با اخلاص کی زبانی مسموع ہوئے تھے۔

اے از ہمہ بروں و ہم آغوش باہمہ
گشتی زما جدا و نگشتی جدا ہنوز
چوں مے زشیشہ حسن تو بیروں دہد فروغ
در پردہ و بانگہے آشنا ہنوز

....

صغیر

صغیر تخلص، زبدہ خاندان اہلبیت، اسوہ دومان مروت، یگانہ دوراں، میاں جان، جامہ خلق وحلم اس نیک طبیعت کی قامت پر راست اور ودیعت سعادت واہلیت اس کے گنجینہ طبیعت میں بے کم وکاست۔ موزونی کے ساتھ مناسبت تمام اور سخن کا مذاق مالا کلام۔ مشورہ اس فن کا اکثر مومن خاں مرحوم سے رہا۔ یہ شعر اس کے نتائج طبع سے مرقوم ہوتے ہیں:

کیا خبر تھی کہ اسی گھر پہ پڑے گا جا کر
بد دعا کرنے نہ گھر غیر کا ویراں ہوتا
لب شیریں کے جو بوسے سے نہ ہوتے لب بند
ہم سے ہر گز ترا راز نہ پنہاں ہوتا
جو دل میں یار کے بیٹھا ہے ایک مدت سے
جب ہے لطف جو ہووے یہی غبار اپنا
نہ تم سے ترک جفا اور نہ ہم سے ترک وفا
نہ اختیار تمہارا نہ اختیار اپنا
کہتے ہو جان جائے تری اور تمہیں ہو جان
ہے ہے خدا نخواستہ یہ تم نے کیا کہا
چڑھتے ہیں ہزاروں گل تربت پہ صغیر اپنی

مرنا مرا بلبل کی قسمت میں لکھا ہوتا
اے رشک گل صفیر کو کیا جانے کیا ہوا

تیری گلی میں آج صدائے حزیں نہیں
ہوا ہو سہو تو پھر خوب یاد کر لیجئے
کہ رہ نہ جائے کوئی جور امتحاں کے لیے

کچھ ایسا مضطرب ہے نالہ شوق
گرہ کھلتی نہیں بند قبا کی

....

صفیر

صفیر تخلص، میر امداد علی اس کا حال کچھ اور معلوم نہیں ہوا۔ یہ دو شعر اس کے سنے گئے، سو مرقوم ہوئے:

وہاں تو عیش میں سرمست خواب ناز ہو تم
تڑپ تڑپ کے گذرتی ہے یاں ہماری رات
صفیر میری شب ہجر ہے مہیب ایسی
کہ چاندنی نہیں آتی ہے گھر میں ساری رات

....

صفی

صفی تخلص، محمد صفی اللہ، ساکن شاہجہان آباد، پچیس چھبیس برس کی عمر ہے اور صرف ونحو کی تحصیل میں مصروف، لیکن گاہ گاہ اشعار ریختہ کا بھی فکر کرتا ہے۔ اول لغات مشکلہ وغیر مانوس سے زمین سخن کو سنگ لاخ سے صعب گزار تر کر دیتا تھا۔ لیکن اب سخن سنجان صاف گو کا کلام دیکھ کر اس طرز کو ترک کیا۔ چند روز سے اس کے اشعار میں کچھ صفائی بہم پہنچتی جاتی ہے۔ اس مناسبت کے ساتھ اگر کسی سے مشورہ

بھی کرے اور جہل طالب علمانہ سے نجات پا کر اس راہ میں چلنے کو سہل نہ سمجھے تو یقین ہے کہ کچھ راہ پر آ جائے۔ یہ ایک شعر اس کا قابل تذکرہ معلوم ہوا۔

اللہ ہر اک کے دل کے ہے احوال سے آگاہ
گر نالہ فلک رس نہیں اپنا تو نہ ہووے

صلاح

صلاح تخلص، محمد صلاح، کشمیری الاصل۔ اگر شاہ جہان آباد میں اقامت گزیں ہو۔ غالباً اس کی استعداد علمی ارور سی، خط سے اہل شہر کو فائدہ عظیم پہنچے، دو تین شعر اس کے اسی کی زبان سے مسموع ہوئے:

نفس کن سوز دل خیزد زند آتش جہانے را
مبادا بر سر حرف آوری آتش زبانے را
تو ئی کز گرمی، رخسار گلشن رنگ می بازی
کجا دانی چساں می سوزد آتش تفتہ جانے را
جہانے نیم بسمل می طپد اے از خدا غافل
مکن آزردہ ہر دم بہر مشق ظلم جانے را

....

صمیم

صمیم تخلص، مرد آزاد مزاج، لا آبالی وضع، تلسی داس، محبت ارباب دنیا سے نفور اور ملازمت فقرائے صافی نہاد سے مسرور، طب ہندی میں ماہر او تجربات بید ک کے وسیلے سے اکثر امراض مزمنہ کے ازالے پر قادر ہے۔ خصوصاً کشتہ ہائے فلزات کے استعمال میں مہارت تمام اور علاج جذام او وجع مفاصل وغیرہا کی تدبیر میں قدرت مالا کلام رکھتا ہے۔ زبان فارسی سے بہ قدر ضرورت آگاہ اور کتب ہنود علی الخصوص فن موسیقی کی پوتھیوں سے صاحب انتباہ۔ ستار بجانے میں ہوش سر سے اور جان تن سے

نکال لیتا ہے۔ میں نے اس کے نغمہ دل نواز کو اپنے کان سے سنا اور اس کیفیت سے حظ دل خواہ اٹھایا۔ گاہ گاہ ریختہ کی طرف بھی التفاف کرتا ہے۔ دو تین اشعار اس کے اسی کی زبان سے سنے تھے۔ یہ شعر یاد رہ گیا۔

بھولی بھالی تری صورت پڑے دھوکے میں
تو تو عیاروں کا عیار ستم گر نکلا

....

صولت

صولت تخلص، قاسم علی خاں، خلف کاظم علی خاں متخلص بہ حیران۔ ابن نور خاں رستم دستاں متخلص بہ آگاہ ابن قایم مزاری سکتا ہے بنارس اور روشناس مردم معتبر ہے۔ یہ چند شعر اس کے نتائج فکر سے ہیں:

تربت میں آنکھیں بعد فنا بھی کھلی رہیں
تھا زیست میں مزا جو مجھے انتظار کا

ملتے ہو رقیبوں سے مرے گھر نہیں آتے
اللہ تمہیں اتنی بھی فرصت نہیں ملتی

کیوں کر کرے نظارہ گل کنج قفس میں
صیاد بلبل کو اجازت نہیں ملتی

ہے شغل غزل خوانی بہت خوب پہ صولت
دنیا کے ہمیں رنج سے فرصت نہیں ملتی

....

صہبائی

صہبائی تخلص جناب فیض انتساب، حضرت استادی استادالانامی۔ قدوہ کملائے روزگار اسوہ افاضل شہر و دیار ماہر فنون عجیبہ، واقف علوم غریبہ، مخدومی مولائی مولوی

امام بخش سلمہ اللہ تعالی وطن آبائی اس جناب مستطاب کا شہر کرامت بہر تھانیسر صانہا اللہ عن الشر او رمولد گل زمین لطافت آئین ۔ حضرت شاہجہان آباد حفظہا اللہ عن الفساد ہے ۔ سلسلہ ان کے نسب کا سالالتہ الاماجد والد ماجد مرحوم مغفور کی طرف سے تو فاروق حق و باطل عمر فاروق ابن خطاب علیہ رضوان اللہ الوہاب تک اور زیدہ مستورات، سراپردہ عصمت وعفت حضرت والدہ شریفہ غفر اللہ لہا کی جانب سے قدوہ و اصلان درگاہ ۔ رہ نماے سالکان عرفان دست گاہ ۔ محبوب سبحانی ۔ سید عبد القادر جیلانی ۔ رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے ۔ حضرت کے اباے کرام و اجداد عظام سے اکثر ایسے ہیں کہ ان کا قامت احوال یا لباس سربلندی ظاہری سے آرستہ تھا یا زیور کمالات باطنی سے پیراستہ، زبان قلم اگر اس حضرت کی بزرگی وعظمت سے ایک حرف کہے ۔ کاغذ بہ قدر کتاب مہیا کرے اگر ان کے بہار خلق کی مدح کو لکھے، ورق برگ گل سے پیدا کرے ۔ بساط ہستی پر اس جامعیت کے ساتھ کم کسی نے قدم رکھا ہے ۔ سخن اس مجمع فضائل کی قدر شناسی پر کیوں کر ناز نہ کرے کہ نکات معانی وحقائق بیان ومحسنات بدیعی وتحقیق لغات وتفتیش مصطلحات وتجس اوزان عروضی وتفحص احوال قوافی جس تفصیل سے یہاں محقق ہے ۔ دعویدار کمال سے کس کے خزانہ طبع میں مشاہد ہوئے ہیں ۔ صناعت عروض میں تلاش اوزان کی ایسی داد دی ہے کہ خلیل ابن احمد دیار عرب میں اور مولانا یوسف گل زمین عجم میں اگر اب موجود ہوتے تو تحقیق حقائق وتدقیق دقائق کے ارادے سے سفر ہند پر کمر باندھتے ۔ تحقیق دوائر ایک رسالہ عجیب وعجالہ غریب تالیف کیا ہے کہ نکات باریک جو کملاے فن کے واسطے مذال اقدام اور مذالق، اقلام شمار میں آتے ہیں ۔ اس میں اس بسط تفصیل سے مرتسم ہیں کہ ان کا مطالعہ باریک بینان دشوار فہم کی نظر میں طرفہ افادہ ہے ۔ لیکن افسوس کہ کم فرصتی اور قدر مہلت، نہیں دیتی کہ تبیض تک نوبت پہنچے ۔ اور علم قوافی میں ایک رسالہ موسوم بہ کافی اس زبدہ ارباب تمیز نے عبارت مختصر میں ترمیم کیا ہے ۔ ہر چند

ایک ورق عبارت سے بیش نہیں لیکن تفصیل معانی سے ایک کتاب سے زائد تصور کیا جاتا ہے۔ اور اس مجمل کی شرح میں ایک اور رسالہ تحریر فرمایا ہے مسمی بہ وافی کہ مسائل دقیقہ کمال تفصیل سے صورت پزیر ہوئے ہیں۔ ماہران فن انصاف کریں گے کہ مطالب مبتہمہ کی توضیح علی الخصوص اوصاف والقاب کا بیان اور تجربہ یعنی ان اوصاف سے قافیے کے خلی ہونے کی حقیقت میں اختلاف مذاہب کی تفصیل کس طرز جدید اور انداز تازہ کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ دشوار پسندان باریک بین نے اس نسخے کو دیکھ کر صاف طینتی کی داد دی اور کمال منصفی سے زبان پر لائے کہ ہم رسائل مشہورہ میں تحصیل کے وقت ان مسائل باریک سے کچھ اپنی ناواقفی اور کچھ ادیب کی بے امتیازی سے ایسے غافل گذر گئے تھے کہ راہ پر نشیب وفراز میں گویا کچھ نشیب وفراز ہی نہ تھا۔ ازبس کہ طلب پیشگان علم پر انواع تفصیل او اصناف ترحم مبذول ہیں۔ اکثر کتب درسیہ فارسی پر شروح مبسوط مرقوم کی ہیں کہ حل دقائق متن کے سوا اور مطالب دقیق اور مسائل غامضہ پر مشتمل ہیں اور جو کہ یہ فوائد جلیلہ نعمائے لاریب اور فوائد غریبہ مواہب غیب سے تھے۔ ارباب کمال غنیمت کبریٰ سمجھ کو ہر طرف سے دوڑ پڑے اور مثل خوان یغما کے ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔ سواد ہندوستان میں کوئی قطعہ نہیں کہ یہ نسخے دل کی طرح ہر ایک کی بر میں نہ ہوں۔ ایک بار یہ بیت ملا کوبی معمائی کی حضرت کی نظر سے گذری:

کشت امید حاصل ازاں ماہ پر عتاب
نیمے ز آب سرکش ونیمے نیافت آب

اس بیت سے سینتیس نام استخراج پائے ہیں اور سب اصول وقواعد معماء سوائے تصحیف جعلی اور اسلوب رقمی کے زعم مصنف کے موافق اس ایک بیت میں جاری ہوتے ہیں۔ مبداء فیاض کی اعانت سے اس صاحب دست گاہ تونگر دل کو ایسا ایک خزانہ غیر متناہی بہم پہنچا کہ اگر رائگاں کھوویں، یعنی ایسی ایک بیت خلوت فکر سے

جلوہ گر ہوئی کہ گنج شائگان اور صدہا گنج بادآور اس کے گوشے میں ودیعت ہیں۔ وہ بیت بے دریغ اس کو کہتے ہیں اور بخشش بے منت اسکا نام ہے:

چوں آں مہ روئے خود از پردہ نمود
دل از ما برد و آخر کرد نابود

اصول شانزدہ گانہ تو بالاستیعاب اس شبستان میں بزم آرا ہیں۔ ان اعمال کے فروغ سے بھی اس قدر اس منظر سے جلوہ گر ہیں کہ تجلی کی طرح ان شاہدان قدسی کی نقاب کشائی تکرار نہیں رکھتے۔ مع ہذا ساڑھے تین سو نام اس سے مستخرج ہوتے ہیں۔ اور اسکی شرح میں ایک کتاب مرتب فرمائی۔ گنجینہ رموز، نام کہ اطراف دیار میں برات روزی کی طرح سے ہر ذی حیات کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کتاب کی تالیف کے بعد غواصی فکر نے صدف تنگ حوصلہ اور کیسہ تنگ ظرف یعنی بیت کو بھی سے ڈیڑھ سو گوہر بے بہا حاصل اور جمیع اصول اور بیشتر فروغ اعمال معما سے اس میں جاری کیے۔ اور عجب یہ ہے کہ جناب مستطاب کی رسائی فکر سے وہ دونوں عمل کہ مصنف کا دست فکر ان کے دامن احوال تک نہ پہنچا تھا۔ اس خوبی سے اس میں جاری ہوئے کہ زبان سوسن باوصف کم سخنی کے صدائے تحسین کو ضبط نہ کر سکی۔ اس کی شرح میں بھی ایک رسالہ علاحدہ مرتب ہوا مخزن اسرار، نام۔ اہل انصاف فرمائیں کہ عہد آدم سے اس دم تک مالکیت اس فن کی سوائے اس صاحب فضل وافضال کے کس خداوند کمال کو حاصل ہوئی ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ فاتوا بسورۃ من مثلہ، اسی طرح کے کلام کا وصف حال ہے۔ سبحان اللہ کیا جوہر قدسی ہے کہ اگر زبان ہزار سال جنبش کرے۔ اس کے اوصاف کمال کا ایک حرف بیان نہ کر سکے اور اگر نفس سو قرن سخن سرا ہو۔ اس کتاب کا ایک نکتہ عیاں نہ کر سکے۔ نثر کا رتبہ نثرہ سے بہتر اور نظم کا مرتبہ ثریا سے برتر۔ ریزہ جواہر کہ ایک نثر متین اور انشائے دل نشین ہے۔ حضرت ظل سبحانی خلیفہ ربانی سراج الدین بہادر شاہ خلد اللہ ملکہ وسلطانہ کی ستائش میں کمال شہرت

سے محتاج ثنا نہیں ہے۔ وہ نثر دل کشا اور وہ انشائے جاں فزا ایسی مقبول ہے کہ مثل دعائے سلطانی شام و سحر اہل عالم کے ورد زبان اور مانند ثنائے بادشاہی کے شب و روز ارباب روزگار کا وظیفہ لب و دہان ہے۔ اور انواع کلام اور اصناف سخن کی کثرت کا تو کیا بیان کیجئے کہ صندوق سینہ افلاک میں گنجائش پذیر نہیں۔ اس تذکرے میں چند ابیات غزل اور کچھ اشعار قصیدہ اور بعضے نظم معما تیمنا مرقوم کہ اس کے سوا جو سخن تھے ابکم کے اشارات بلکہ حیوانات عجم کے اصوات کی قبیل سے ہے:

یارب آں کن بہ جنون دل دیوانہ ما
کہ شود بال پری نالہ مستانہ ما

منکر کفر مشوگر سر ایماں داری
کعبہ یک پارہ سنگ است زبت خانہ ما

چوں شرر حاصل مادر گرو دست فنا ست
برق ما ریشہ کند سر بدر از دانہ ما

حسن پر آئینہ وقف است وہ نگہ واقف نیست
ہمہ بر خویش بور جلوہ جانانہ ما

وای گر ناز عتابش بتغا فل ندھد
ہست نشتر بہ کف شوخی، افسانہ ما

جلوہ بر خود غلط و عشق نظر باز غیور
شمع داغ است ز خود داری، پروانہ ما

طرفہ کاں بت برخ کعبہ رواں ہم خندر
دست در گردن غیر است ز جانانہ ما

عقل می نازد و از سر یقیں آ گہ نیست
نسخہ جہل بود مبحث فرزانہ ما

کن آشنا ے لب دو سہ حرف عتاب را
از بہر ما دو آتشہ ساز اس شراب را
رنگ رخم چو گل پر پرواز می زند
دارم خزاں رسیدہ بہار شباب را
دارد اثر ز چیں جبیں موج خندہ ات
یک رنگ کردہ ناز تو لطف و عتاب را
امروز تا کرشمہ لطفش چہ مے کند
رحمت فگندہ است بہ فردا حساب را
چوں شمع آرمیدن عمر است اضطراب
دارد بہ بر ورنگ بہارم شتاب را
لبریز حرف شکوہ دلدار می روم
خواہم دراز مدت روز حساب را
صہبا بیا بہ وسعت رحمت نگاہ کن
یکسو بنہ شمار گناہ و ثواب را
آرام ہا ز طبع جہاں شد ز درد ما
خیزد خزاں عالمے از رنگ زرد ما
مشق جنوں نکردہ بہ وادی قدم مزن
اے گرد باد با دل صحرا نورد ما
صحیم ضعف ما منگر وز اثر بترس
آتش نہفتہ زیر بغل آہ سرد ما
نہ ہو اے کعبہ در دل، نہ سر کنشت مارا
چو ازو شدیم دیگر چہ ز خوب و زشت مارا

به نظاره گاه محشر دل و دیده باز بخشند
به شدیم خاک و آخر غم او نهشت ما را

چناں که باده در انگور و نیست باده بنام
بهر کجا که توی نیست اعتبار مرا
قبول خاطر کونین را نمی ارزم
ز بے کسی لحد آورد درکنار مرا
چو بے طلب به بر دوست می روم چه عجب
که عشق پیشه ام و باطلب چه کار مرا
فلک به ماتم یاراں رفته صهبائی
سپرد داغ دل و چشم اشک بار مرا

شد دلم جلوه گه حسن تو و جانم سوخت
آتش از خانه من سرزد و سامانم سوخت
آتشے بود که جز کعبه نه باشد سنگش
برق آں کفر که در خرمن ایمانم سوخت
جلوه اش در شب و انگار در ایمن ز حیا است
برده از دیده وه پنهاں به بیابانم سوخت
بوے پیراهن اگرچاره گر آید وقت است
دل به بے تابی غم دیده کنعانم سوخت

مرد ره قناعتم دل مزه خوشترک نخواست
گرفلکم به مے نواخت کام طلب گزک نخواست
در خور طبع چرخ نیست از همه امتیاز من
خود سره درعیار خویش ناسره مشترک نخواست

به شان حسن نگر کز کجا و تاچند است
که بنده گشته و در رتبه خداوند است

به حیرتم که چو از من به مرگ راضی نیست
به زندگانی دشمن چگونه خرسن است

به کفر من منگر عذر اضطرارم نه
که شوق در طلب و بت به دوست مانند است

ز ذوق حسن مگر هر نفس به خود بالد
که هر گهش نگرم جامه در برش تنگ است

نیم گام توان شد ز هند تا یثرب
که شوق ماست به جولان و عذر مالنگ است

پیام دوست ز هر ذره صد زبان دارد
تو بر جنوں زده از غفلت ایں نه فرهنگ است

اگر گل است و گر خار دل تواں دادن
بهار جلوه سیه مست جام نیرنگ است

کرشمه اش چه عجب گر بسوخت خرمن طور
که مست گرم شتاب است و عرصه اش تنگ است

پرد به راه فنایم مجال عنقا نیست
به گوشه که منم راه دیگرے وا نیست

بکن مکن به حضورت فضول نتواں شد
تو خود نمی کنی آں راکه درخور ما نیست

تو تیز پاے تر از شوق خویش داں رم دوست
به هر کجا که رسیدی نشانش آں جانیست

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

مگوی هر نفسم اے خرد بہ خویش بیا
کہ باب خاطر نازک دلاں تقاضا نیست

بہ حسن دوست بہ گو شوخ تر تجلی کن
نگاہ شوق من است ایں نگاہ موسا نیست

تو خواہی ازبت و خواہی ز کعبہ جلوہ فروش
فریب می خورد آں دیدہ کہ بینا نیست

گشتن گراں ز شکوہ بہ طبعت گناہ من
خستن بہ حرف غیر دل من گناہ کیست ؟

گفتی کہ می کشد دلم امشب بہ یک طرف
غیرت برم کہ جذبہ بخت سیاہ کیست؟

ہر کس کنند دستہ بہار و خزاں خویش
امروز تا قبول تو مشت گیاہ کیست؟

بہ حیرتم کہ دلم قطرہ بیش نیست ولے
تو تقا خدنگ زدی جوش خوں فرونہ نشست

گفتم از سر ازل کیست کند آگاہم
گفت در دل کنی از راہ توانی دانست

گفتم آں کیست کہ در پردہ کند زمزمہ؟ گفت
کم کسے ہست کہ ایں رمز نہانی دانست

گفتم ایں دلز چہ بیمار بود حیرانم
گفت ایں رسم و رہ از چشم فلانی دانست

گفتم اندر دو جہاں برگ طرب روزی، کیست
گفت ہر کو بہ جہاں قدر جوانی دانست

گفتم از خال لبش قاعدہ داں گشتم، گفت
ہرکہ ایں نکتہ بہ فہمید معانی دانست

جام مے وقف حریفاں شد و من خرسندم
صبر بخشید بہ من آں کہ بہ من جام نداد

یاد آں روز کہ کس محرم اسرار نہ بود
حسن آرا جلوہ گہ و جوش زخریدار نہ بود

پردہ برداشت گہ از یوسف و گاہی ز رخت
عشق آں خانہ خرابست کہ بے کار نہ بود

خانہ را کہ زبت بود کنی کعبہ و من
بت پرستیدم و گفتی کہ سزا وار نہ بود

جلوہ در روے بتاں نقد و خرد نسیہ گزید
ساخت دشوار بہ خود آں چہ کہ دشوار نہ بود

عشق و حسن اند غیور ایں قدر افزود نزاع
ورنہ رنج من و او آں، ہمہ بسیار نہ بود

تو وکوثر من و ایں مے کہ خرد حکم نہ داد
گشتی اندر طلب آں چہ بہ بازار نہ بود

غفلت از جلوہ مطلوب نہ سازد محروم
دیدہ آئینہ یوسف شد و بے دار نہ بود

جلوہ با ایمن و باطور نمی ساخت ولے
د رخور عشق بہ جز وادی و کہسار نہ بود

ہم چو یوسف بندہ چرخش گر بہ بازار آورد
رشتہ چندے بہا زالے خریدار آورد

من خم خالی و چشم تشنگاں ہر سوے من
دست گیرے گوکہ بر دارد بہ خمار آورد

بہ کہ نقشد کار صہبائی بہ حشر از دست دوست
ترسم ایزد را بہ رحم از چشم خوں بار آورد

از پاس ادب ہاست کہ در معرکہ خونم
گیرایش تو بر گردن و در پاے تو پابند

گو غمزہ لیلی بر و گو عشوہ شیریں
دل ہا ہمہ در زلف چلیپاے تو پا بند

زاں فتنہ کہ گم گشتہ در آشوب قیامت
گیرند سراغ و بہ تہ پاے تو پابند

یک بوے ز پیراہن خود ہم بہ صبا دہ
کاں محو پسر را بہ تمناے تو پابند

آں جا کہ ز غوغاے قیامت اثرے ہست
ہنگامہ زصہبائی شیداے تو پابند

دارم ضعفے کہ نالہ از دل
عمرے باید کہ تا لب آید

صہبائی اگر بہ میری امروز
زاں بہ کہ ترا دگر شب آید

ز تر بہ خشک فزوں گیرد آتش اے زاہد
تو خوش کہ خرمن رند خراب می سوزد

خیال غمزہ اش از بس وطن در ہر رگم دارد
چو مژگاں خوں بروں از نشتر فصاد می آید

سفر از دیر سوے کعبہ کردم لیک ہر ساعت
بہ حسرت دیدن بت در و دائم یاد می آید

شب از غوغای من آگہ شد و گفت از کجا یارب
صدائے نالہ صہبائی نا شاد می آید

شوق صیدش بیں کہ ظالم را ہنوز
تیر در شست است و پیکاں مے رود

ہر فتنہ کاں گسست عناں راز نگاہ است
در عہد دوست شکوہ گردوں نہ کرد کس

آں زخم زد نگاہ تو بر دل کہ از بتاں
آں زخم را بہ جو خود افزوں نہ کرد کس

دارم دل دیوانہ صد داغ ہجراں در بغل
چشمے و چندیں نسخہ خواب پریشاں در بغل

چشمت فریبے می کند درکار زاہد کش بود
تک جرعہ پنہاں وقف لب یک جام پنہاں در بغل

دیدم سحر صہبائی آشفتہ در مے خانہ
جامے بہ کف شعرے بلب اوراق دیواں در بغل

ہم چو شبنم خویش را فارغ ز عالم ساختم
محرم خورشید گشتم با خساں کم ساختم

مر دم و در چشم مردم عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

عیش عالم نیست باب من در ماتم زدم
در خورم نبود نشاط دہر با، غم ، ساختم

رنج و راحت ہر دو بے درد سر منت نبود
نے نمک بر دم بہ زخم و نے بہ مرہم ساختم

کفر در کیشم سپاس نعمت دیدار اوست
جلوہ در ہر رنگ دیدم گردنے خم ساختم

جرم عشقم را جزا شد حور و من از ہجر دوست
داغ بر دل بردم و خلدش جہنم ساختم

ایں چہ گرمی بود یارب ویں چہ نم کاخر ازو
سینہ آتش خانہ کردم دیدہ رایم ساختم

نیست صہبائی چو جام جم نصیبم گو مباد
مے ز خون دل کشیدم خویش را جم ساختم

یاد ایامے کہ شور عشق در سر داشتم
دل بہ غم می سوختم در سینہ اخگر داشتم

شد نے غماز و عالم را بہ طوفاں برد رخت
ورنہ من یک عمر پاس دیدہ تر داشتم

در دلم شیرین و لیلی ہر کہ شد زخم تو برد
بس کہ در دل نیش مژگان تو کافر داشتم

شب خطا ہاے کہ رفت از دست من عذرش بنہ
آرزو بے اختیار و شوق مضطر داشتم

صحبت ام الخبائث کرد صہبائیم نام
ورنہ پاس عصمت شرع پیمبر داشتم

چہ گرمی داشت با پروانہ دیدم شمع محفل را
تغافل ہاے او در دل گذشت از انجمن رفتم

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2002-2006

به لب صد نغمه از آزرده یاد حسرتی در دل
بدایں داغ وفا از پیش یاران وطن رفتم
منگر همت آں جمع که یک گام سفر
افگند تشنه لب از بادیه بر زمزم شاں
هجوم اشک در چشم ترش بیں
وفا پرورده من در پرش بیں
مرا اندر برد دندان حسرت
چو شبنم نذر گل برگ ترش بیں
نه زهرش در نگه نے دم به مژگاں
معطل آں سناں واں خنجرش بیں
نیفتد گه نظر بر حال خویشش
یکے چشم تغافل گسترش بیں
شکایت ها که می کردم ز دستش
همه وقف لب جاں پرورش بیں
ز شرم آں که سحرش را اثر نیست
حیا در نرگس افسوں گرش بیں
ستم فرخ وفا بست ست بر خویش
گرانی ایں قدر در کشورش بیں
چو صهبائی شدی در آخر کار
اثرهاے دلوه چشم ترش بیں
امر نماز و نهی مے بر سر و چشم ماو لے
جبری نفس کافریم ایں همه اختیار کو

شوق بره نشستہ را حیلہ کفایت است و بس
جلوہ دوست گومباش، وسوسہ غبار کو

من قصائدہ

صبح بہ رغم صوفیاں از پے بیع جام رز
می فگند ز آستیں انچہ زر ششسری
موج پیالہ دام کن عیش رمیدہ صید تست
کاہوے زرد در برہ کند چرا خوری
نقطہ زر بہ پہلو صفر حمل نہادہ اند
تارقم یک از برش ہم زمات بشمری
خاک چمن بہ صبح گاہ گشتہ ز باد عطر خیز
ہمچو ز باد گریہ بید کردہ بہ مشک یاوری
لخلخہ سای دہر شد نافہ کشاے صبح دم
طبلہ مشک شد مشام ایں نفس از معتبری
گاہ چو چشم عاشقاں گریہ بر آرد ابر تر
گہ چو دہان گل رخاں خندہ کند گل طری
گوہر رالہ صبح دم بر رخ شاہ اسفرم
بردہ ز رو شان چرخ رونق آب پیکری
بلبل رند خواں بہ صبح زمزمہ زر چو زرد ہشت
شاخ لقب بر سمش شہرت گل بہ آذری
از چہ بایں ملایمی دانہ کشد بہ بادہ ات
سنگ نمودہ شیشکے کردہ بلور ساغری
از پے جمع شاہداں خواستہ بر بساط بزم

مے ز حباب افسری ساز ز پردہ معجری

ساقی سیم ساق را در بر شاخ بسدیں

لعل مذاب موج زن گشتہ بہ جام گوہری

عصمت مہر بکری غنچہ نگہ نہ داشتند

دخت رز است بے حجب دست چرائی بری

از پے ، جام مے مکن ابروی خود پر از گرہ

از پے مہر عقدہ را خاصیت است اروری

چوں متعلم و ایب گشتہ بمکتب نشاط

ساغر بادہ جملہ گوش بلبلہ در سخنوری

گا و سفالی از دہن گوہر شب چراغ ریخت

عنبر لاء برفشاں تا بر ازو دگر خوری

گرنہ بہ قصر نیلگوں رسم عزاست مستمر

پر سر ایں سہ دختراں از چہ جنازہ بنگری

بلبلہ مرغ خوش نواست آتش تر غذاے او

گنبدہ حباب مے کدہ بہ پیشش انگری

خیک تنی ست بے رواں جان جہانش در نہاں

بوی تنش شو انگزد نگہت جانش عنبری

زاغ شبہ مثال را نوری لعل در شکم

دیو زنے سیاہ رو حاملہ گشتہ از پری

تا ز نوال مطرباں چاشت ز نغمہ وا کشد

آمدہ کاسہ رباب غیرت کعب لنگری

چنگی آتشیں زباں زمزمہ بر لبش دواں

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

داده ہ آتش فغاں باد سیح را تری

....

معمیات اسماء الٰہی اس رسالے کے کہ اس کا نام "جواہر منظوم" ہے

ملک

عمرے بنہاد آں صنم کافر کیش
ز الماس ذخیرہ ہا ز بہر دل ریش
آخر ز دہان او بصد دشواری
نیم لبش آمدہ بکام دل خویش

....

سلام

خوباں کہ شکیب از دل ناکام برند
از چشم تو طرز غمزہا وام برند
جاے کہ رخ تو ہست از مہ چہ سخن
بنہا رخ مہ وش ار زمہ نام برند

....

مہیمن

ہر کس تاب سہیل را شد بندہ
بر خیرگی نگاہ، اور زن خندہ
گو چہرہ یار بیں و زو دیدہ بے پوش
بر جاے سہیل بیں مہ تابندہ

....

عزیز

خورشید بخویش داشت زیں پیش گماں
کایں چرخ نیاوردہ نظیر ش بجہاں
چوں قصہ آفتا ب رویش گفتم
خور،یافت رخ چو خویش رانام و نشاں

....

باری

اے از تو چمن ز خرمی گیرد کام
وے از تو بہار سرخ رو از ایام
ہرمرغ کہ درچمن زند نالہ شوق
می سازد از تو ہر یکی از بر نام

....

خافض

حسنش کہ برنگ ماہ انور بینی
چوں خور بینی اگر مکرر بینی
آخر زاں شوخ ہیں تمام اندازش
زاں گونہ کہ ہر دمش فزوں تر بینی

....

غفور

یارب گنہم ز بس کہ از حد افزود
گفتی لا تقنطوا و یا سم نزدود
آرے ناجی شد آں کسی کش ا ز شرم
با عفو تو راز دیدہ جز اشک نہ بود

....

حسیب

ماقصہ حسن را شنیدم ہمہ
بر حرف سمن براں رسیدیم ہمہ
نام رخ، حور و مہر باہم گفتند
ہر یک پایاں نہ داشت دیدیم ہمہ

....

حق

عالم چو بعشق آں ستم گر آشفت
از خواست کہ جنس دل ازو گیر د مفت
چوں دیدہ خصم آں تمام عیاری
در ہا ز میاں نمود و آخر بنہفت

....

قوی

یارب ہر کس ز شوق آتش افروز
گر دید براہ تو سعادت اندوز
چوں دیدہ عاشق شہد ہر جانب اور
ہر سو افشاندہ یک دو اشک از سر سوز

....

حمید

چوں پردہ ز کعبہ رخ آں ماہ کشود
آں خال براں چوں حجر الاسود بود

چوں زلف نمود خویش را بر دہنش
آں خال کہ مے نمود آخر نہ نمود

....

معید

ہرکس بہ تلاش یار اندر تگ و پوست
چشم دوجہاں بہ جانب جلوہ اوست
عالم شب یلداست ز ہجرش لیکن
می گردد مشرق ارنماید رخ دوست

....

مقتدر

ایں چشم من از گہر بساطے پر داخت
چوں دید فلک بسوے آں گوہر تاخت
گوہر بہ کمر فزود مفت از وزدی
لیک آں چہ ربودہ بو آخر انداخت

....

قطعہ کہ اس سے اللہ علی سے نکلتا ہے اور علی، اللہ سے اور پھر تعمیم قاعدے کی کہ ہر ایک نام سے ہر ایک نام مستخرج ہو سکے بشرطے کہ حروف دونوں نام کے مساوی ہوں۔

منم نصیری ، آں ہادی، سبل کہ بود
ز جیب شاہد کنعان قدس چہرہ کشا
دلت چو سخرہ بازیچہ ہاے وہم دوئی است
علی یکیے چہ شماری ز نہ نود اسما

چنیں که جاده وحدت سپرده است بود
اناالحق از وی واز حق انا علی زیبا
علی است منتج نام اله و نام اله
بود ز چهره نام علی نقاب کشا
مزن جراحت منکر بر ایں سخن ز نکار
دلیل قاطع من بس بود بر ایں دعوا
که عین هم الف و هم الف نماید عین
ز لام لام و ز یا هاویا زلا پیدا
زهر دو نام چو گیری حروف ملفوظی
حروف مفرده اش گروه از دگر گویا
وگر به قلب بری آں حروف را وانی
که ایں طریق توانی سپرد ر همه جا
سخن که ره رو ملک وسیع اسرار است
عناں براه دگر پیچد ازیں ماوا
اگر به اهل سخن تازه نغمه زد قلمم
شگفت نیست که گویا طلب کند شنوا
حروف مفرد ملفوظی علی ست علی
حروف مفرد ملفوظی خدا ست خدا
به بیں بقاعده کاصل اصول ایں فن است
فروغ را بود از اصل برگ نشوونما
الف یک است و هماں یک سی است وسی باشد
گهے بلام و گهے سوے یعین راهنما

زلام زلف تواں کرد حاصل و آں زلف
تو خواہ جیم شمر خواہ دال گو عمدا
ز عین شمس و ازاں سیں بگیرو سیں شصت است
ز شصت گاہ نود گاہ پنجہ جدوہ نما
نود بہ چشم تو صاد است و میم پنجہ نون
زنوں بیا سوے حوت و ز حوت جانب یا
ہم از نود بہ سوے فی تواں شتافت ولے
چہ فی ست اسم تواں یافت زو مسمّی را
چو یا دہ است زدہ راہ گیر جانب نہ وگر
تو خواہی ازاں دہ دو گیر و از دو با
ز ن بطا رو وہم نہ و ہست پنجہ و پنج
ازان بہ پنج رو از پنج رو بہ جانب ہا
ز ہا کہ شش بود آثار واو پیدا کن
ز شش دو حرف شمار و بخاء معجمہ آ
چو طا گرفتہ ای و طا نہ است جا برگیر
چو حابدمست تو افتاد رہ سپر بہ سوے زار
زیا امالہ دو یاہست و ہر دو بست بود
ز بست کاف بر آوردنت بود بمل
رہے وگر ز الف گیر کاں یکے ست و زاں
چہل شمار و ازاں جا بسوے میم بیا
ہم از الف بہی از بہی برو بشہر و ز شہر
بماہ رہ برو از ماہ رو بہ جانب را

اشارتے چو بہ تصحیف نیست غیر از ہشت
کہ آں است تا و ثا و ذال و شین و ضا د وظا
وگرازاں ہمہ غین است و قاف ایں جملہ
زیک دگر بدر آیند چوں قمر زد جا
دو اسم کاں بے شمار حروف متفق اند
بایں حساب یک از دیگر است چہرہ کشا
بر آمد ست ز زہرا حسین بہر مثال
بداں صفت کہ برآمد حسین از زہرا
ہم از حسین بہ زہرا چناں فتد راہت
کہ از پسر رہت افتد بہ سیرت آبا
ازیں طریق عنان قلم بگردانم
چو گرد باد دریں رہ کجا شدم ز کجا
علی بود در شہر علوم و کس در شہر
بغیر در نتواند کہ وا لزارد پا
حدیث لحمک لحمی نیوش و چشم مپوش
بدن چگونہ تواند جدا شد از جزا
نصیربم نکنی ظن ازیں سیاق سخن
کہ ایں طریقہ تواں بود سنت الشعرا
بہ شعر بندہ اصنام گشتن آئین است
چہ شد کہ بندہ شدم پیش خواجہ دوسرا
گماں مبر کہ شدم شیعہ اندریں قطعہ
نعوذ باللہ ازیں شیعہ بودن و حاشا

قدم ز ہر کہ بود از مدیح بر فلک است
رخ سخن سوے داور چرا ست نازیبا
سخن کہ جادہ دیگر گرفت از رہ رفت
ہیا بسوے حقیقت بگیر رہ ہدی
پس از رسول ابو بکر و بعد ازوست عمر
سپس از جامع قرآں علی عقدہ کشا
قدم چگو نہ توانم دراں طریق نہاد
کہ نیک آگہم از عشوہ ہاے ابن سبا
فریب او بہ خداع وزیر مے ماند
کہ رخنہ کرد در ایوان ملت عیسیٰ

………………

باب الضاد المعجمة

ضابط

ضابط تخلص مہر علی، نوجوان خوش وضع، نیک نہاد اور چند روز سے پدر بزرگوار کے ساتھ جذبہ حب وطن سے تازہ وارد شاہ جہان آباد لطافت بنیاد ہے۔ صرف و نحو عربی اور قدرے طب سے بہرہ مند تھے۔ دو تین غزل اس کی نظر راقم سے گزریں۔ یہ چند شعر انتخاب ہو کر مندرج تذکرہ ہوئے:

حشر میں خاک سے سب لوگ تو نکلے لیکن
قبر عاشق سے جو دیکھا تو دھواں سا نکلا

نام کی تو شرم کر ضابطہ خدا کے واسطے
یہ ترا گریہ تجھے آکر بہا لے جائے گا

یوں تو ہر ایک سے وہ خلق سے پیش آتا ہے
پر ہمیں سے نہ کبھی اس نے کہی پیار کی بات

اپنے شکوے سے تو ہرگز نہیں ہوتا مانع
پر نہ کر ناصح ناداں کبھی اس یار کی بات

....

ضاحک

ضاحک تخلص شیخ مراد بخش خیاط، درویش صاف باطن ہے۔ جس قدر لباس لوگوں کو سی کر پہنایا ہے۔ اسی قدر اپنا گریبان دست شوق کی درازی سے پھاڑا ہے۔ مولانا فخر الملۃ والدین کے خاندان ہدایت نشان کا مرید عقیدت نہاد ہے۔ اوائل میں گاہ گاہ شعر بھی کہتا تھا۔ ایک دوست نے اس کے اشعار سے یہ شعر راقم کے سامنے پڑھا۔

چاک جگر کے سینے میں ٹوٹا ہزار بار

ضاحک یہ رشتہ بھی کہیں پیان یار ہے

....

ضامن

ضامن تخلص مولوی ضامن علی۔ اس کے حال سے سوا اس کے کہ ایک مرد بزرگ، خوش اخلاق اور مشائخ وضع اور موضع جلال آباد میں مقیم ہے۔اور کچھ اطلاع نہیں۔یہ شعراس کیاافکار سے ہے:

بت ہوا اس بت عیار کے آگے ضامن
کچھ تو بن آتی جو کچھ بات بن آئی ہوتی

....

ضامن

ضامن تخلص محمد ضامن۔اکبرآباد میں سکونت قدیم اور حیدرآباد میں راجا چندو لال کی سرکار میں صیغہ طبابت رکھتا تھا۔اول شعر ریختہ بے اصلاح کہتا تھا۔جب شاہ نصیر مرتبہ اول حیدرآباد میں وارد ہوئے اوران کی شاعری کا شہرہ اس گل زمین میں بلند ہوا۔کئی غزلیں ان کی نظر اصلاح میں گزرانیں۔شاہ نصیر اس کے اوصاف حمیدہ او رمحامد پسندیدہ سے اکثر تر زبان رہتے تھے اوراس کے سنین عمر ساٹھ سے زیادہ بیان کرتے تھے۔اب غالب ہے کہ عالم فانی کو پدور کیا ہوگا۔یہ چند شعراس کی غزلیات سے انتخاب ہوئے:

ہے آج ہر نفس نفس واپسیں مجھے
گر قتل کر کے جائیں تو احساں ہے آپ کا

حاضر ہیں دونوں چاہو اسے ، چاہو اس کولو
جان آپ کی ہے دل بھی مری جاں ہے آپ کا

تم کو کیا کیا وفا کے دعوے ہیں

خیر کہیے مجھے یقیں آیا
کون اٹھ کر گیا کہ تو ضامن ہے
آپ میں اب تلک نہیں آیا
چین لینے بھی نہ پایا تھا کہ پھینکا دل کو
اتنا اے زلف تو شانے کو بد آموز نہ کر
شیوہ ظلم میں مشہور ہوا عالم میں
قتل سے میرے ہوا اور تجھے کیا حاصل

....

ضایع

ضایع تخلص، میر خیر الدین ناگوری، مقیم شاہ جہاں آباد، سادات صحیح النسب سے ہے۔ غالباً کچھ سرمایہ موروث فراہم ہے وگرنہ باوصف خانہ نشینی اور بے روزگاری کے فراخ دستی کے ساتھ معاش کرنی تعجب ہے۔ گاہ گاہ فکر شعر کرتا ہے۔ نام شاگردی سے تنگ اور نکتہ گیری اور تعرض اغلاط اس کے واسطے محرک جنگ ہے۔ یہ دو شعر اسی کی زبان سے گوش زد ہوئے:

آخر کو ناتوانی اک دن بٹھا ہی دے گی
دوش صبا پہ کب تک مثل غبار پھرنا
ضایع کا اے عزیز کچھ ڈھنگ ہے نرالا
تا صبح روتے رہنا تا شام خوار پھرنا

....

ضبط

ضبط تخلص کالے خاں۔ اس کے احوال سے بہ تفصیل اصلاع نہیں، مگر اس قدر معلوم ہے کہ وہ سابق پلٹن انگریزی میں زمرہ سپاہ میں منسلک تھا۔ اب مدت ہوئی

کہ تعلق سے نفوز اور پاے بندی سلسلہ چاکری سے دور ہے۔ کبھی حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اور کبھی سلطان المشائخ رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ فیض بار کی زیارت سے استفادہ باطن کرتا ہے۔ بعض معتبرین مدارج اعلا کا ظن اس کی نسبت رکھتے ہیں۔ راقم جب اس کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ اپنی زبان سے کہا کہ اوایل میں گاہ گاہ اشعار فارسی زبان قلم پر گزرے تھے۔ اب بھی کبھی حضرات کی شان میں دو چار شعر کہنے کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ اس وقت جو پڑھا تھا۔ کچھ کچھ راقم کو یاد رہ لیا۔ جو کہ بزرگان بارگاہ الٰہی کا ذکر برکت و میمنت سے خالی نہیں، ایک شعر ان اوراق میں مندرج ہوتا ہے:

عالم ہمہ از فیض در شیخ بہ کام است
سلطان سلاطین جہاں شیخ نظام است

....

ضرغام

ضرغام تخلص، مرزا بہادر بیگ، نوجوان پہلوان وضع، ریختہ گوئی میں نو مشق، یہ دو تین شعر اس کے افکار سے ہیں:

کیا پوچھتا ہے ہمدم حال شکستگاں کو
جاتے ہیں ہم وہیں کو اٹھتا ہے یہ منہجاں کو

اے ستم گر سبب خاطر ناشاد نہ پوچھ
ہم سے مغموم مزاجوں کو نہ کر یاد نہ پوچھ

خاک ضرغام کا کوسوں نہیں لگتا ہے پتا
تیری شوخی نے کیا کیا اسے برباد نہ پوچھ

....

ضرورت

ضرورت تخلص محمد جمیل، ساکن قدیم پانی پت، بالفعل مقیم شاہ جہاں آباد و معلم صبیان ہے۔ گاہ گاہ راقم تذکرہ سے سر راہ ملاقی ہو جاتا ہے۔ یہ شعر اس کے نتائج افکار سے منتخب ہوا۔

تاثیر آہ و نالہ معلوم ہے جو کچھ ہے
کیا لوگے اے ضرورت گر پر بکا کروگے

....

ضعف

ضعف تخلص ہے عابد حسین نامی جوان خوش رو، نیک خو، پسندیدہ اخلاق کا کہ اہلیت اس کے چہرہ چوں آفتاب سے عیاں اور کوکب بخت اس کے ناصیہ سعادت سے تاباں ہے۔ فن شعر میں نو مشق اور قابل تربیت ہے۔ یہ تین شعر اس کے افکار تازہ سے لکھے جاتے ہیں:

ایسا نہ ہو کہ دست نگاریں سے گم ہو دل
اے شوخ خوف ناک ہیں دزد حنا سے ہم
افتادہ رہ گزار میں ہیں اس لیے کہ گاہ
کچھ رہ رووں کا راز سنیں نقش پا سے ہم
ناصحو کیوں ضعف کے پیچھے پڑے ہو خیر ہے
وہ غریب اب ہے گرفتار آپ اپنے حال میں

....

ضعیف

ضعیف تخلص، شجاعت علی۔ اوائل حال میں نواب شمس الدین خاں مرحوم والی، فیروز پور جھرکہ کی رفاقت میں آسودہ حال اور تحصیل معاش سے فارغ البال زیست کرتا تھا، جب سانحہ ہوش ربا اس رئیس صاحب اقتدار کا اہل روزگار کے واسطے

عبرت افزا ہوا۔ اور پرگنہ مزکور حکام ذوی الاحترام کی ضبطی میں آیا۔ اس عزیز نے والی جے پور کی سرکار نے فی الجملہ ناخن بندی بہم جان پہنچا کر اور حصول آب و نان کو مغتنم جان کر قبائل اور عشائر کے ہمراہ اسی سرزمین کی سکونت اختیار کی۔ گردش فلکی نے وہاں بھی اس کا قدم جمنے نہ دیا، آخر الامر نواب وزیر الدولہ والی ٹونک کی خدمت سے شرف اندوز ہوا۔ اُس خاک دامن گیر میں چندے خرمی خاطر کے ساتھ قیام کیا۔ چند روز کے بعد اس نواح میں وباے عام نے اقویا تناور کو ضعفاے لاغر اندام سے بھی ناتواں تر کر دیا اور بازار موت کا گرم ہوا۔ یہ بزرگ وابستگان جگر خستہ کو ہمراہ لے کر روانہ شاجہاں آباد ہوا۔ کچھ لوگ تو اسی مرض سے راہ میں ملک بقا کو راہی اور دو فرزند یہاں پہنچنے کے بعد ہیضہ وباہی سے مر گئے۔ بعد اس سانحے کے تاہل کو ترک اور آزادی کو اختیار کیا۔ اب فقیرانہ زیست کرتا ہے اور جو کہ دست سوال کوتاہ کر لیا ہے۔ اہل دینا کی طرف پاے استغنا دراز کرنے میں کچھ باک نہیں۔ راقم تذکرہ سے مخلصانہ ملتا ہے۔ لیکن اس قدر لطف شفقت پر سر راہ کے سوا اور کہیں ملاقات میسر نہیں ہوئی۔ یہ دو تین شعر اس کے اسی کی زبان سے سنے گئے:

عشق کا بوجھ جب لیا سر پر
بار ہستی کو دوش سے پھینکا

اس کلوخ نجس کو ہاتھوں سے
کتنے جوش وخروش سے پھینکا

ہم بھی گویا کہ نقش ہیں ضعیف
جس جگہ بیٹھے پھر وہیں کے ہوئے

ضمان

ضمان تخلص، میر محمد کامل۔ شرفاے شاجہاں آباد اور اس خاک فیض بنیاد کے روساے قدیم سے تھا۔ نیک و بد روزگار کو بینا یا نہ دیکھا اور گرم و سرد زمانہ کو ہوشیارانہ

چکھا۔ دس بارہ برس ہوئے کہ سفر آخرت کیا۔ شعر گوئی کا بہت ذوق تھا۔ ایک دوست کے پاس دو بیاضیں اس کے اشعار دے سیاہ ہیں۔ یہ دو شعر تحریر تذکرہ کے وقت یاد تھے:

بھلا دیا ہے ضعف نے گو جسم زار کو
پر پھرتی ہے لیے مری وحشت غبار کو
نہ پہنچی اس کے دامن تک مری خاک
مجھے شکوہ رہا باد صبا سے

ضمیر

ضمیر تخلص، نرائن داس پنڈت، ساکن شہر کرامت بہر شاہجہان آباد۔ فنون شاعری سے کماہی آگاہ اور عروض و قافیے میں صاحب دست گاہ۔ زبان فارسی میں فکر شعر کرتا تھا۔ گو خود ہندی الاصل تھا لیکن اُس کے اشعار ایرانی نژاد تھے۔ بارے تلاش معاش میں سرگرداں ہو کر

ا۔ نسخہ نول کشور ۱۲۹۹ھ (ص ۳۲۸) ''فصاحت''

''سرے'' کی طرف گیا اور اس نواح میں یاوری بخت سے کام یاب ہوا۔ کئی سال ہوئے کہ زال دنیا کے شعبدوں سے متنفر ہو کر ملک عدم کا سفر اختیار کیا۔ یہ شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں:

تا گل عکس رخت رفت از کنار آئینہ را
می خلد جوہر ز تن مانند خار آئینہ را
چیدہ دامے ہم چو صیاداں ز جوہر تا شود
طوطی عکس خط خوباں شکار آئینہ را
صاف دل را کے بود با خاکساراں دشمنی

نیست در خاطر ز خاکستر غبار آئینہ را
صد شیشہ شراب بہ بزم طرب شکست
دلہا ز دست محتسب بے ادب شکست
شاخ گل باغنچہ از خاک شہیداں سر زد
بر سر تربت ز خوں آلودہ پیکان کسے ست
مستی چشم یکے سر خوشی بادہ یکے
نشہ آں نت مے خوار دوبالا افتاد
شد چمن مے کدہ ناز مگردار ضمیر
غنچہ را درس تبسم لب مے خوار کسے

ضمیر

ضمیر تخلص ،گنگاداس ،شاگردشاہ؛علم رمل میں صاحب دست گاہ تھا۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہے:

ا۔نسخہ نول کشور۱۲۹۹ھ(ص ۳۳۹)''تاشود''

جس کو دیکھا کانپتا ہے وہ شرارت سے تری
برق کو بھی ابر میں ہم تو طپاں دیکھا کیے

ضمیری

ضمیری تخلص ،مرزامظہر تاجدار،ساکن بنارس۔وارستہ مزاج ،درویش وضع ،گاہ گاہ خاک شاہجہاں آباد بھی اس کے نقش قدم سے صفحہ ارژنگ پر ناز کرتی تھی۔سیاحی کے وسیلے سے نوادر روم وشام اور غرائب شرق وغرب اس کی نظر عبرت نگر سے گزر گئے تھے۔اشعار فارسی اس کے ہر چند تلاش معنی سے خالی نہ تھے،لیکن پاکی زبان اور

درستی محاورہ خالی نہ تھے۔ زبان ریختہ بھی صاف ہے مگر اس سے کم مشق تراوش کرتی ہے۔ اب عرصہ دس برس کا ہوا کہ عالم پیری میں سفر آخرت اختیار کیا۔

یہ چند شعر ریختہ پہنچ گئے:

ہم نہ کہتے تھے ضمیری بے وفاوں سے نہ مل
اپنے کاموں کا نتیجہ تجھ کو حاصل ہو گیا

ہائے مطعون شیخ و شاب ہوئے
تجھ سے مل کر بہت خراب ہوئے

یوں عادتوں کو تیری کیا کیا نہ جانتے تھے
لیکن تجھے ستم گر ایسا نہ جانتے تھے

کیا دن تھے وہ کہ تیرے تھے نام سے نہ واقف
اور اس گلی کا ہرگز رستا نہ جانتے تھے

ضو

ضو تخلص، منشی کمال الدین، ساکن قدیم الہ آباد ہے۔ عمر اس کی نوے برس سے متجاوز اور مدت سے اختلال حواس اور فقدان بصارت سے خانہ نشین اور کنج عزلت میں خلوت گزین ہے:

سینے میں رہی آگ بھڑکتی کی بھڑکتی
اے دیدہ تر تو تو کسی کام نہ آیا

عشاق تفتہ جاں پہ کبھی اک نگاہ بھی
اے برق منتظر ہے یہ مشت گیاہ بھی

مشکل نہیں ہے ربط کسی کا کسی ساتھ
پر اس کے ساتھ شرط ہے کچھ اک نباہ بھی

دیکھنا ہے تو دیکھ لو ضوء کو
آگے کیا جانیے کہ کیا ہو جاے

ضیا

ضیا تخلص، ولی اللہ اکبرآبادی۔ یہ دو شعر اس کے سنے گئے:

رہے گی یوں ہی اگر دل کو بے قراری رات
خدا ہی جانے کہ کیوں کر کٹے ہماری رات
نہیں امید کہ تا صبح اپنی جان بچے
یونہی رہی جو رگ و پے میں درد ساری رات

ضیا ہی

ضیا ہی تخلص زبدہ سادات کیار، سلالہ شرفاے عالی تبار امیر بدر الدین۔ فن فارسی میں دست گاہ تمام اور نظم و نثر میں قدرت مالا کلام ہے۔ اخلاق پسندیدہ ہیں اور اطوار برگزیدہ۔ کردار گفتار کے ساتھ پیوند اور باطن ظاہر کی طرح ارجمند۔ طبیعت بہت سلیم اور فکر نہایت رسا۔ پایہ شعر کی بلندی اور طرز سخن کی خوبی اندازہ بیان سے خارج ہے

۔

یہ چند شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں:

ضبط آہ بالہ مدت سے کرتے تھے لیک
اب وہ راز دل ہمارا آشکارا ہو گیا
نو بہار آئی جنوں کا دل میں پھر طغیاں ہوا
پھر گل داغ جگر کے واسطے ساما ں ہوا
پا س اپنے کیا دھرا تھا اے فلک جز نقد دل

وہ بھی اے ظالم نیاز ناز خوباں ہو گیا

کیا کیا ہے ناز حسن رخ آفتاب کو
چہرے سے تو بھی اپنے الٹ دے نقاب کو

ساقی نکال شیشے سے جلد اب شراب کو
پردے میں کیوں بٹھائیے ہے اس بے حجاب کو

کعبے میں اور دیر میں دیکھا نہ ہم نے فرق
پایا ہر ایک نبض میں اک اضطراب کو

ا۔نسخہ اول (ص ۳۴۹) میں ''رتباو'' غلط ہے، نسخہ نول کشور ۱۱۹۹ھ میں ''تبار'' صحیح۔

چشم پر آب پر مری کرتا ہے چشمکیں
چشم حیا ہے دیکھو تو کچھ بھی حباب کو

ٹپکا لہو نہ چشم ضیائی سے آخرش
مدت ہوئی ہے بہتے ان آنکھوں سے آب کو

جوش وحشت اس جہاں میں لے کے آیا ہے ہمیں
اب کہاں جائیں گے یاں سے ٹھوکریں کھائے ہوئے

ضیغم

ضیغم تخلص، شاہ کلو، درویش بے نوا فقرائے ملنگ کے ساتھ قدم اعجاز توام خلاصہ ماءوطن۔

رسول مقبول کی زیارت کے واسطے بعد ایک سال کے وارد دہلی ہوتا ہے۔ آزاد محض اور وارستہ محبت ہے۔ خط نستعلیق اور شفیعا میں بے مثال، کلام مجید کو ایام کہولت میں حفظ کیا، قدما کے اشعار حد سے زیادہ یاد اور وضع۔ پروائی سے دل شاد ہے۔ یہ دو

شعرا اپنے نتائج طبع سے کاپی کے کاغذ پر اپنے ہاتھ سے لکھ کر راقم آثم کو دیے تھے۔ ہر چند یہ اشعار بھی اچھے ہیں لیکن وہ رقم سر خط تعلیم اور صاحب دولتان اقبال مند کی خط تقدیر کے مانند سر پر رکھنے کے لائق ہے۔ وہ اشعار نظر تماشائیان تذکرہ سے گذرتے ہیں:

ساقی بیک جرعہ خرد از سر من بر
زیں ہوش ربا بارہ و مے بے خبرم کن
اے سایہ رحمت کہ تو از سایہ شدی پاک
دامن ز سر لطف بیا و بسرم کن

____

باب الطاء المہملۃ

طالب

طالب تخلص محمد یعقوب ،فرزند رشدو خلف سعید قاضی فیض اللہ ۔جوان نیک نہاد ،اٹھارہ انیس برس کی عمر ہے اور علوم ضروری سے بہرہ وافر رکھتا ہے ۔طیب اخلاق سے نگہت گل خجل اور سنگینی ٔحلم سلامت ذہن حد وصف سے خارج ہے ۔بہ سبب موزونی طبیعی کے شعر گوئی کی طرف ملتفت ہے اور حافظ قطب الدین مشیر سے مشورہ کرتا ہے۔

یہ چند اشعار اُس کے نتائج افکار سے مرقوم ہوئے ہیں:

گھبرا کے مرے گھر وہ گل اندام نہ آیا
یہ جذبہ الفت بھی کسی کام نہ آیا
کیوں کہ دل بے تاب کو تسکین ہو طالب
قاصد نہ پھرا وصل کا پیغام نہ آیا

ا۔نسخہ اول (ص ۳۵۰)میں ’’خلیف‘‘غلط ہے ۔نسخہ دوم میں ’’خلف‘‘ صحیح ۔

تو مجھ کو ستائی ہے عبث حسرت دیدار
روزن بھی ہوا بند وہ دیوار کا اب تو

طالب

طالب تخلص ،حافظ طالب ،ساکن رام پور ،شاگرد مولوی قدرت اللہ شوق تخلص ،کہتے ہیں کہ کتب درسیہ عربی کو نہایت تحقیق وتدقیق کے ساتھ پڑھاتا ہے۔یہ شعر اس صاحب استعداد کا مسموع ہوا:

چیریے سینے کو شق کیجئے دل دل گیر کو
یہ ہی دو جا گہ ہیں او رکیا کھا گیا میں تیر کو

………………

طاہر

طاہر تخلص، محمد طاہر قندھاری، زبان فارسی میں بہت سلاست و روانی کے ساتھ تکلم کرتا ہے۔ عروض و قافیے سے بھی فی الجملہ واقف ہے اور صرف ونحو عربی میں استعداد کامل اور مسائل ضروریہ صوم وصلوۃ کا استحضار معقول ہے۔ صحبت اہل ہند سے زبان اردو صاف اور ریختہ کی طرز دل چسپ ہے۔ یہ شعر اس کا یاد تھا:

ناز کرتی ہوئی ہم پر جو صبا آئی ہے
کوچہ زلف سے اس شوخ کے کیا آئی ہے

....

طرب

طرب تخلص ہے زبدہ جوانان اہلیت گزیں، اسوہ سعادت کیشان زمانہ حال و پیش، خوش اطوار، پسندیدہ کردار، سلالہ خاندان کرام مولوی رحیم بخش نام کا، کہ کرم اخلاق اور طرز وفاق میں مشہور اور نواسہ حضرت بابرکت قدوہ ارباب صفا، عارف معارف ہدی، مرتقی، مدارج کمال، امام آیہ حال وقال، شیخ نورمحمد قادری تھانیسری مغفور کا ہے۔ طبیعت قویم کی اعانت اور ذہن سلیم کی امداد سے کتب متداولہ فارسی کو تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھا اور ضروریات نظم ونثر کو کماہی دریافت کیا۔ استفادہ فوائد علمی کا مرجع جناب استادی مولائی مولوی امام بخش صہبائی مدظلہ العالی علی مفارق الانام اور اصلاح شعر کے واسطے ماب صاحب زادہ حضرت استادی ممدوح مولوی عبدالکریم سوز سلمہا اللہ المنعام۔ اگر مشق سخن کا سلسلہ یوں ہی دراز رہے گا تو یقین ہے کہ پایہ کلام ارتقاء اور فرق سخن سنجی اعتلا بہم پہنچائے کہ طبیعت تحقیق طلب اور سلامت ذہن رہنمار ہے اور تاریخ گوئی میں تو مبداء فیاض نے ایسا ید طولی عطا کیا ہے کہ اس کی مدح حیز تقریر سے خارج ہے۔ یہ چند شعر اس کے طبع زاد ہیں:

مرغ دل مشتاق ہے تیری مژہ کے تیر کا

دل نہ توڑا چاہیے صیاد اس نخچیر کا
بر کشتگی سے طالع بلبل کی خوف ہے
پھر جائے آتے آتے نہ موسم بہار کا
آتش مزاجیوں کا نتیجہ ہے مفلسی
خالی رہے ہے پنجہ ہمیشہ چنار کا
قتل تو کرتا ہے مجھ کو پر میں ہوں بر گشتہ بخت
خوف ہے ہے منہ نہ پھر جائے تری تلوار کا
سمجھتے ہیں کہ ہے صیاد درپے آزاد
اور اس پہ دھیان ہے گلشن میں آشیانے کا
دو ہی دن میں کچھ سے کچھ احوال میرا ہوگیا
جو مجھے دیکھے ہے کہتا ہے تجھے کیا ہو گیا
ہم صفیرو، چھوٹنا کیسا کہ آتے ہی بہار
اور دونا ظلم میری جان پر ہونے لگا
ملے گی دیکھیں گی کس کس ستم زدے کی داد
کبھی جو عرصہ محشر میں فتنہ گر آیا
اے طرب عشق سے پرہیز ہے لازم مجھ کو
جان جائے گی کسی بت پر اگر دل آیا
آفت زدے تھے اور بھی دنیا میں اے فلک
کیا خاک میں ہمیں کو ملاتا ضرور تھا
بہت ہی ملتی ہے اس کی طرب سے کچھ صورت
موا پڑا ہے ترے در پہ اک جواں کیسا
ہیں ہاتھ میں سفاک کے یہ تیغ و سناں آج

دو چار کے سر جائیں گے دو چار کی جان آج
لیوے گا کیا طرب تو کوے بتاں میں جا کر

مرد خدا کوئی دن بیٹھا خدا خدا کو
آگے کو دل لگانے کی توبہ ہے اے طرب

پر اب کسی طرح مرے قابو میں آئے دل
اور ملتا ہی نہیں مجھ کو ٹھکانا کوئی

پھر پھرا کر ترے دروازے پہ آجاتا ہوں
ایک دم کی تو ہے گل زیست طرب مثل حباب

اور پھر موج حوادث کے ہیں کھٹکے لاکھوں
نہ پھینکا اس طرف تیر نگہ اس نے تغافل سے

تو ہم سمجھے کہ ہم پر رحم آیا ناوک افگن کو
ہمارے سینے میں دل ہمارا ہمیں پہ آفت اٹھا رہا ہے

عدو کے جوروں کی کیا شکایت کہ دوست اپنا ستا رہا ہے
ہوائے شوق سے آڑ کر چمن میں پہنچیں گے

نہیں سہی ہم اگر بال و پر نہیں رکھتے
کیوں کرو ترک ملاقات کو رفتہ رفتہ

یوں ہی کہہ دو کہ ترے ملنے سے ہے عار مجھے

....

طرب

طرب تخلص، موتی لعل، شاگرد شاہ نصیر مرحوم۔ اس کا حال سوائے اس کے کہ قوم کھتری اور روزگار پیشہ تھا۔ اور کچھ معلوم نہیں۔ ایک شعر اس کے نتائج افکار سے مسموع ہوا۔ طرز سخن سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد کی طرز میں اہتمام اور اس وضع خاص

میں قدرت تمام رکھتا تھا:

نہیں گوندھی ہے چوٹی دست مشاطہ نے جاناں کی
یہ مشک باندھ لیں ہیں اس نے دزد و ایماں کی

....

طرب

طرب تخلص، دھومی لعل، برادرزادہ حقیقی راجا کنول نین، قوم کالیتھ، متوطن شاہ جہاں آباد، شاگرد شاہ نصیر مرحوم۔ طبع سلیم اور سخن سنجی میں مشاق قدیم تھے۔ مکان شاہ نصیر مرحوم میں بے ضرورت تو یہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شب مشاعرہ کو سخن وران شیریں کلام کیساتھ ہم ترانہ نہ ہوا ہو۔ یہ اشعار اس کے دیوان سے انتخاب ہوئے:

میں ہی کیا تمہارے کوچے سے دے کر سر اٹھا
جو بہ شکل نقش پا بیٹھا سو وہ مٹ کر اٹھا

جو گرا آنکھوں سے پھر ہوتا نہیں ہے سر بلند
کس نے دیکھا ہے کہ اشک آنکھوں سے پھر گر کر اٹھا

اک بار کرو قتل تو جھگڑا ہی یہ چک جائے
ہر روز کا تو جور و ستم اٹھ نہیں سکتا

ابرو مینا و مے و ساقی و مطرب ہے طرب
کیا مزا تھا جو مرے پاس وہ دلبر ہوتا

تیرے مجنوں کے گلو میں نالہ آہن گداز
آن کر اٹکا تو پانی طوق گردن ہو گیا

....

طرز

طرز تخلص ہے احمد حسین کا کہ تلمیذ ہے جناب فیض ماب، اقبال پناہ۔ دولت

دست گاہ۔ ماموے صابر یچ مرزا محمد بخش قیصر تخلص کا۔ جوان موزوں طبع اور خوش فکر ہے۔ یہ چند شعر اس کے افکار سے انتخاب ہوئے:

دل کا ترے ستاتا چاہا نہ ہم نے ورنہ
نے گریہ بے اثر تھا نے نالہ نارسا تھا

پڑی ہیں حسرتیں خوں گشتہ لاکھوں
مرے مدفن سے اس کی رہ گزر تک

اتنا تو صبر دے ہمیں یا رب کہ بہر وصل
جلدی کریں نہ اس بت دیر آشنا سے ہم

دیکھنا خال و خط و زلف کا منظور نہیں
طرز ہم قدرت خالق پہ نظر کرتے ہیں

اب کے مل جائے وہ، تو کام نہیں
اگلی پچھلی حکایتوں سے ہمیں

....

باب الظاء المعجمۃ

ظالم

ظالم تخلص، ظالم سنگھ برہمن، اوایل حال میں زمرہ متصدیان سرکار بیگم شمرو میں منتظم تھا۔ جب بیگم موصوفہ نے وفات پائی اور پرگنہ اس کا ممالک مقبوضہ حکام وقت میں داخل ہوگیا فرط خانہ نشینی سے تہی دست اور تنگ عیش ہوا اور کثرت احتیاج سے گدائی تک نوبت پہنچی۔ آخر تعلیم اطفال کو وسیلہ تحصیل معاش کر کے اوقات عمر کو تنگی و ترشی سے بسر کیا۔ اکثر شعر فارسی اور گاہ گاہ فکر ریختہ کرتا تھا۔ یہ دو شعر اس کے مسموع ہوئے:

ہم رہے گل چیں ہمیشہ گرچہ باغ عشق سے
مفلسی کا داغ سوزاں تر ہے داغ عشق سے
دن تو رو پیٹ کر کٹے لیکن
ہجر کی شب پہاڑ آتی ہے

....

ظاہر

ظاہر تخلص، رام پرشاد، قوم کھتری، شاگرد مرزا رحیم الدین ایجاد، نوجوان خوش اخلاق ہے اور فن سخن سے مناسبت تمام رکھتا ہے۔ اب تک عالم مشقی ہے۔ رفتہ رفتہ سخن ایک اسلوب دل پزیر پکڑا جائے گا۔ یہ چند شعر اس کے کلام سے تحریر ہوئے:

میں خاک ہوں ہوئے شاید مجھی کو راہ وہاں
یہ لوگ کہتے ہیں دل میں ترے غبار آیا
وہ کس ستم سے خجل ہے کہ ہے وہ حد سے زیادہ
کہ اب ج سامنے آیا تو شر م سا رآیا
بہا رآئی ہے ظالم خدا خدا کر کے

مٹا نشان نہ بلبل کے آشیانے کا
تغافل اور یہ دل کی کشش خدا کی ہے شان
یہ ڈھب ہی اور نکالا ہے دل چرانے کا
بچے دل اس بت بے داد گر سے کیا ظاہر
کہ سادگی پہ وہ عیار ہے زمانے کا
ظاہر گر ایک بار بھی جائے تو یوں کہے
آنا مجھے پسند نہیں بار بار کا
ہمارے سر پہ کوئی آئے کوئی جائے پہ ہم
سوائے گر یہ کسی کی خبر نہیں رکھتے
صیاد تیرے ڈر سے ہوں خاموش ورنہ یاں
میں اور چین دیوے گھڑی بھر نغاں مجھے
ظاہر تجھے وہاں سے نہ روکوں تو کیا کروں
ناداں بہت عزیز ہے تیری تو جاں مجھے

....

ظرافت

ظرافت تخلص ہے ایک زن پردہ نشیں کا۔ اگرچہ کسی عہد میں شوخ دل ربا کے زمرے میں شمار کیجاتی تھی، لیکن اب جو گلزار حسن میں خزاں اور کنعان جمال میں تحط سے اس نہال خمیدہ کو شاخ خمیدہ کے ساتھ مشابہت بہم پہنچی اور وہ صاحبی بندگی کے ساتھ مبدل ہوگئی، ہیہات یہ کیا بات ہے ایک طرح کے حسن سے اب بھی خالی نہیں۔ پہلے حسن خلاقت تھا۔ اب حسن خلق ہے۔ کہتے ہیں شعر بھی کہتی ہے۔ غالبا شکایت یاران دل چسپ، جواب اس کو منہ نہیں لگاتے، اس پردے میں دل سے نکالتی ہے۔ ایک شخص نے کہ اس سے معرفت سابقہ رکھتا ہے۔ راقم ہیچمدان کے

سامنے پانچ چار شعر پڑھے تھے۔ ہر چند کوئی شعر قابل تحریر نہ ہوا۔ لیکن تذکرے کی ضرورت سے یہ ایک بیت مرقوم ہوئی:

اس کے لب ہیں شراب سے بہتر
حسن ہے آفتاب سے بہتر

....

ظریف

ظریف تخلص میر امان اللہ۔ اصل اسکی لاہور ہے لیکن چالیس برس سے ترک وطن کیا اور بیش تر بنارس اور کم تر شاہ جہان آباد میں مقیم رہا۔ اب حسب ضرورت عیال او ر اطفال کے ساتھ بلدہ لکھنو میں ہے۔ یہ شعر اس کا یاد تھا:

وعدہ وصل تلک کیوں نہ جیے صد افسوس
مر کے ہم ایسے پشیماں ہیں کہ جی جانے ہے

ظفر

ظفر نام نامی او اسم سامی ۔آ رائندہ، ملک و کشائندہ اقلیم۔ طرازندہ تخت ، فرازندہ دیہم، مالک رقاب امم،خورشید علم،مریخ چشم ، ماحی، آ ثار جور و بے داد، قامع، بنیان شر و فساد، بانی ، بنائے جہاں بانی،موس اساد مملکت ،ستانی ، جہانیاں پناہ۔ ملائک سپاہ۔ والی ، زمان و زمیں،صاحب تاج و نگیں،سکندر شوکت، دارا حشمت ،کسری ایوان، افراسیاب توان، حاتم سخاوت ، رستم شجاعت،فریدون فر، جمشید افسر،سلیمان جاہ، زیبندہ افرودگار،سراج الدین محمد بہادر شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ، کہ گردش چرخ اس کے حکم قضا توام سے وابستہ ہے او رتوسن فلک اس کے امر نافذ کی عنان توام سے وابستہ ہے اور تومن فلک اس کے امر نافذ کی عنان کشی کے بغیر پا شکستہ ہے۔ نوشیرواں اس کے ایوان کا ادنا دربان اور حاتم اس کے مائدہ احسان پر ناخواندہ مہمان ۔ رستم اگر اس کی حمایت پر تکیہ نہ کرتا۔ تن تنہا

صف اعدا پر حملہ آور نہ ہوسکتا اور دریائے نیل اگر اس کے مجاہدان عسا کر کی عرق سعی سے طغیان میں نہ آتا لشکر فرعون کو نہ ڈوستا۔ باد صبا کو حکم ہے کہ کیسہ غنچہ کی گرہ بے احتیاط نہ کھولے تاکہ زر گل میں نقصان نہ آئے اور باد صرصر کو تاکید ہے کہ صحن چمن میں بے باکانہ نہ چلے تاکہ ضعفاء سبزہ کے سر و گردن میں ضرب نہ پہنچ جائے۔ نیزہ اس کا متاع شجاعت کے تولنے کے واسطے سینہ اعداد میں ترازو ہے اور تیغ اس کی فتح اور نصرت کی پشتی کے لیے دوستوں کی قوت بازو ہے۔ اس کی سخاوت کے عہد میں زر کو دست سے نجات اور اس کے انصاف کے دور میں ستم کی جان مورد آفات۔ ناموس شریعت کے پاس سے دختر رز پردہ مینا میں مستور، خاکساری، طریقت کے لحاظ سے منصور کی انانیت بندگی کے نام سے مشہور، اقبال اس کے دولت خانے کا دربان اور دبدبہ اس کی بارگاہ کا پاسبان۔ تیرے ارشر اس کے میدان شجاعت میں زبان خار سے خجل اور گرز فریدوں اس کے عرصہ مہابت میں سرنا زیانہ سے منفعل۔ قدردانی سخن سے عبارت میں دو اثر ہمیانی، زر اور الفاظ منقوطہ گنج گوہر۔ سخن اس کے لب سے ہم پایہ اعجاز اور مضمون نیاز اس کے اشعار میں ہم پہناوے ناز۔، شاہدان محفل قدس ہر راہ سے اسی کے جادہ قلم میں عناں افگن ہیں اور زرینان ملک تقدس ہر طرف سے اس کے میدان صفحہ میں گام زن ہے۔ اس کے قلم کی صریر ہے یا خوش خرامان معنی کی آواز، اس کے الفاظ سے فروغ معنی جلوہ گر ہے یا مینا سے پری نقاب کشا۔ سلسلہ سطور پر تو مضامین سے شبستان صفحہ کے واسطے فتیلہ چراغ، دو اثر حروف کیفیت معنی سے بزم اوراق میں خط ایاغ۔ بزمیہ میں معنی کی رنگینی پرتو مے۔ رزمیہ میں مداد کی تری خون وخوے۔ حرفوں کے دائرے اشعار متصوفانہ میں دیدہ بینا اور ابیات عاشقانہ میں چشم گریہ زار۔ اور بین السطور بہاریہ میں خیابان اور فلکیات میں کہکشاں۔ نفس شگفتگی، الفاظ سے نسیم چمن اور نگاہ تازگی۔ رقم سے ریشہ یاسمن۔ مصرع قامت شمشاد۔ بیت ابروے خوباں خلخ نوشاد۔ ہاں اے خامہ سبک جولاں۔ آہستہ

خرام کر کہ ثنائے شاہی وہ صحرائے ناپید کنار ہے کہ پیک خیال ہزار برس بالا دوی کرے۔ اس راہ دراز سے ایک مور ضعیف کے نقش پا کے برابر طے نہ کر سکی۔ اب اس شغل خطر سے ہاتھ اٹھا اور یہ تو بیان کر کہ اس شہنشاہ گردوں بارگاہ کے نام بلند مقام کو اسامی۔ رعایا کے ساتھ بالش صفحہ رخصت ہے۔ ہیہات، اس کا جواب مدعائے عاشق سے زیادہ تر لب اظہار پر آمادہ ہے اور سالے سے زیادہ پیش پا افتادہ۔ اس باب میں مشیر کے مشورے کو کیا بار اور صلاح کار کی اجازت کو کیا گزار۔ مشرق مطلع سے مغرب مقطع تک سی آفتاب گردوں جناب کی سیر گاہ ہے۔ علاوہ اس کے یہ آفتاب تو اس شاہ خورشید کلام کے نام بلند مقام کے واسطے حکم تخت گاہ رکھتا ہے۔ اور کیوں کر متصور ہے کہ تخت گاہ قدوم شہنشاہ ہمایوں سے مزین نہ ہو۔ بہر کیف ضمیر معنی یاب مناسب رکھتا ہے کہ جو نثار مدح سے ہاتھ کوتاہ ہے۔ اس مقام میں اشعار شعری شعار سے کچھ کچھ درج صفحہ تحریر کرے، کہ ارباب مزاق اس سے لذت اور اہل دل سے معرفت حاصل کریں:

دل کا کچھ کام نہ تجھ سے بت پر فن نکلا
دوست جانا تھا تجھے جان کا دشمن نکلا

عشق نے کیا جانے کیا سینے میں بھڑکائی ہے آگ
اب جو سینے میں مرے ہو داغ انگر سا بنا

شمع نے رو رو کے کاٹی رات سولی پر تمام
شب کو جو محفل سے تو اے زیب محفل اٹھ گیا

سوؤں میں کیا کہ مرے پاؤں کو بھی زنداں میں
آرزوئے خلش خار نے سونے نہ دیا

یاس و غم رنج و تعب میرے ہوئے دشمن جاں
اے ظفر شب انہی دو چار نے سونے نہ دیا

دیکھ کو اس بت کافر کے ستم
اے ظفر مجھ کو خدا یاد آیا

یاد میں اس کے گل عارض کے۔ اشک خوں سے رات
لی جدھر کروٹ ادھر بستر گلابی ہوگیا

گردش چشم بتاں سے دل کو ہو کب مخلصی
حلقہ گرداب سے نکلے ہے کب ڈوبا ہوا

خار سا کھٹکے ہے جی میں اس کی مژگاں کا خیال
ہے رگ جاں میں یہ نشتر کیا غضب ڈوبا ہوا

ایا مژگاں سے میری جیب پہ سو بار سرشک
پہ غبار اس کے نہ دل پر کبھی دھو کر آیا

مثال نقش قدم بیٹھ کے اٹھوں کیوں کر
ازل سے حق نے مجھے ناتواں بنایا تھا

بیاں کیجئے اگر احوال اپنی شام غربت کا
گریباں یا بد دامن چاک ہو صبح قیامت کا

جنوں صد آفریں ، کیا ہی اڑائیں دھیان تو نے
رہا پرزا نہ دامن کا نہ اک ٹکڑا گریباں کا

خاک ہو کر بھی بگولے کی طرح چین نہیں
حال ابتر ہے یہ کچھ تیرے ہو خواہوں کا

جلا جی نہ دل مفت لے کر کسی کا
کہا بھی تو مان اے ستم گر کسی کا

بے طاقتی دل سے یہ حالت ہے کہ اب تو
اشک آنکھ سے بھی میری رواں ہو نہیں سکتا

....

ظہور

ظہور تخلص، زبدہ اہل کمال قدوہ ارباب فضل و افضال، واقف اسرار خفی و جلی، مولوی ظہور علی۔ وطن اصلی اس مظہر آثار اخلاق کا ہریانہ اور اب مدت سے مسکن و ماوٰ خاک شاہجہان آباد ہے۔ چھ سو پاس کا عرصہ گزرتا ہے کہ مولانا شیخ کریم الدین جو اس زبدہ اہل فضل کے جد امجد تھے۔ بخارا سے ہندوستان میں تشریف فرما ہو کر چندے قصبہ رہتک میں قیام پزیر اور پھر جھجر میں ساکن ہوئے، لیکن من بعد بزرگان والا قدر نے قصبہ دادری میں توطن اختیار کیا۔ سلسلہ اس کے اجداد کا محمد بن ابو بکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ اور والدہ ماجدہ س کی زبدہ اولا دامجانہ غوث الثقلین سید عبدا لقادر جیلانیؒ اور بنت مولوی فضل علی مغفور ہے۔ اور یہ شفران ماب حضرت سید شیر محمد قادری برہان پوری کی اولا د سعادت نژاد سے تھے۔ یہ حال ہے اس کے آبائے کرام اور اجداد عظام کا۔ اب اس معدن مکارم کے اوصاف اور تواضع ایسی ہے جیسے گلی میں آب، اور دل میں کرم و مروت اس طرح جس طرح خورشید میں تاب۔ دقایق علوم سے آگاہ اور غوامض فہوم میں کامل دست گاہ ہے۔ فن سخن کو جناب مغفرت ماب حافظ عبدالرحمان خاں احسان اور شاہ نصر اور مومن مرحوم سے کسب کیا ہے۔ تاریخ گوئی کی طرف توجہ تام اور مادہ ہائے غریب کے استخراج کی جانب التفات تمام ہے۔ والد ماجد اس یکتائے عصر کے مولوی فتح علی نام فن فارسی میں یگانہ روزگار اور وحید شہر و دیار تھے۔ الولد سر لابیہ کا مضمون اس زبدہ اہل استعداد کے ناصیہ حال سے واضح ہے کہ علوم ادبیہ خصوصا شعر کو رونق و بہا اور تحقیق و تدقیق مقاصد کو ضیا ایسی دی ہے کہ زبان اس کے اوصاف میں لال ہے۔ یہ چند شعر اس صاحب سخن کے صفحہ تحریر پر جلوہ طراز ہوتے ہیں:

قصد ستم سے پہلے یہاں دم نکل گیا

نکلی نہ ہائے اس ستم ایجاد کی ہوس
گردش ہے مجھے چشم کی مانند ہمیشہ

آوارہ میں گھر میں ہوں مسافر ہوں وطن میں
عالم میں ہے یوں ہستی موہوم ہماری

موے کمر یار ہو جس طرح بند میں
خط کے آنے پہ کہا وہ رخ گل گوں کی بہار

باغ سبز اب نہ دکھا اے گل خنداں ہم کو
سامنے اس کے نکلنے کی نہیں بات ظہور

گھر میں تم بیٹھ کے باتیں ہی بنا جانتے ہو
ہے چار طرف حسن کی جس کے یہ تجلی

وہ شاہد یکتا نہیں معلوم کدھر ہے
اے اشک مرے دیدہ نم ناک سے باہر

جاتا ہے کہاں تو تو مرا لخت جگر ہے

....

ظہور

ظہور تخلص، احمد جان، اصل اس جوان لطیف نہاد کی مرشد آباد ہے لیکن ایام طفلیل سے کسی امر سہل پر والدین سے آزردگی بہم پہنچا کر چندے بنارس میں قیام کیا اور کچھ لکھنو میں رہا۔ وہاں کتب فارسی سے کچھ کچھ روشن سواد ہو کر شاہجہاں آباد میں وارد ہوا اور اب یہیں طالب علمی میں صرف اوقات کرتا ہے۔ کبھی کبھی شعر ریختہ کہتا ہے۔ یہ شعر اس کا تحریر تذکرہ کے وقت ایک آشنا کی زبان پر آ گیا تھا مرقوم ہوا:

ہم خاک ہو کے سا کی گلی میں رہے تو کیا
باد صبا کو ضد ہے ہمارے غبار سے

ظہور

ظہور تخلص، محمد ظہور، حافظ حافظ قرآں اور فی الجملہ روشن سواد ہے۔ کئی بار مشاعرے میں آیا اور سامعان سخن فہم کو مسرور کیا۔ بعضے کہتے ہیں کہ شیر خوانی میں ناقل محض اور حاکی صرف ہے۔ بہر کیف یہ شعر سا کایا وتھا:

باتوں پہ تیری بھولے ہوئے تھے پر اب یہ لوگ
حالت کو میری دیکھ کے ہشیار ہو گئے

ظہیر

ظہیر تخلص، زبدہ دودمان سیادت۔ قدوہ رہروان سعادت، مالک ارم دل و جان۔ والی، کشور قلب و جنان یوسف رخ، رستم تواں سید محمد جان۔ لمعہ آفتاب اس کے فروغ چہرہ کے سامنے محتاج نقاب، پرتو ماہ اس کی روشنی رخسار کے آگے جویائے حجاب۔ باوصف سادہ روئی کے مردم آمیز اور باوجود بے پروامزاجی کے مہر انگیز۔ سواد استعداد عبارت فارسی میں روشن اور طبیعت رنگینی، مضامین سے گلشن۔ اشعار ریختہ اپنے پدر بزرگوار میر یحییٰ ناظم کی نظر اصلاح سے گزرانتا ہے۔ یہ چند شعر اس کے نتائج افکار سے ہیں:

یاں صرف بے وفاؤں کا تھا بر سبیل ذکر
ہم نے خدا نخواستہ تم کو نہیں کہا

اک دل ربا کے کہنے پہ اتنے خفا ہوئے
کچھ جنگ جو کہا نہیں بد خو نہیں کہا

اتنا گراں نہ ہو کہ کبھی کچھ برا بھلا
اب تک تو اے ظہیر کبھی تو نہیں کہا

وہ بھی کیا **ملک** عدم ہے اے ظہیر
اس گلی میں جو گیا آیا نہیں

....

باب العین المہملۃ

عاجز

عاجز تخلص، عالی منزلت، والا مرتبت، واقف حقائق مقید و مطلق، پیر شرف الحق، کوتوال شہر لطافت بہر حضرت شاہجہاں آباد صانہا اللہ عن الشر والفساد۔ یہ پسندیدہ اطوار اسلالہ خاندان شرافت تو امان زبدۃ العارفین، اسوۃ العاشقین شیخ جلال الدین تھانیسری قدس سرہ ہے۔ تفویض عہدہ کوتوالی کی ابتدا سے اب تک امور مفوضہ کو نیک نامی و دیانت کے ساتھ سرانجام دیا۔ ہوشیار خرامی وغور مقدمات دایرہ تبیان سے خارج ہے۔ حق رسائی خلائق اور پاس مرضیات کالق ہر کام میں پیش نہاد خاطر ہے۔ علم ضروری سے مایہ دار اور فہیم و تمیز میں یگانہ روزگار۔ تفویض عہدہ سے پہلے گاہ گاہ فکر شعر کا اتفاق ہوتا تھا۔ اب کہ صرف انتظام امور عباد وبلاد میں اوقات صرف ہوتی ہے۔ اس طرف توجہ کم ہے۔ پہلے واردات زمین سخن کا فکر دامن گیر تھا۔ اب ان روایات کا کہ زمین ربع سکن میں سانح ہوتی ہیں۔ اندیشہ لاحق رہتا ہے اول صرف گفتار تھی، اب محض کردار ہے۔ ہر چند روز مردہ شعر کا روزگار قدیم کے موافق ہے۔ لیکن صفائی اور متانت سے خالی نہیں۔ یہ چند شعر افکار گوہر نثار سے ہیں:

مژگاں پہ نکل لخت جگر آئے ہیں کیا کیا
یہ خار و خس اب دیکھ ثمر لائے ہیں کیا کیا
سنبل کو آج باغ میں ہے زندگی محال
اس سرو قد کی زلف گرہ گیر دیکھ کر

ترے ہجر کا اب علاج اے مسیحا
اگر دیکھتے ہیں تو سم دیکھتے ہیں

مدت سے چھوڑ بیٹھا اس جسم ناتواں کو
دم تیرے دیکھنے کو آنکھوں میں آرہا ہے

خوف ہے اس کی جبیں پر جو تری رہتی ہے
تیغ ابرو پہ چپ کیوں آب دھری رہتی ہے

کس کے یہ دیدہ گریاں کی نظر کا ہے اثر
کاہ جو دشت میں بے آب ہری رہتی ہے

....

عاجز

عاجز تخلص، مرزا عبداللہ بیگ ابن مرزا احمد بیگ، ساکن کھاری باولی کہ ایک محلّہ ہے محلات شاہجہان آباد سے۔ جوان خوش اخلاق و نیک نہاد و نیک منظر ہے۔ علم و حیا و گوشہ طبیعت میں جاگزیں اور شرم و مروت خلوت دل میں زاویہ نشیں۔ طبع میں سلامت ہے اور ذہن میں استقامت، معنی میں بلندی ہے اور الفاظ میں چستی۔ راقم کے ساتھ سوائے تلمذ کے رشتہ محبت صداقت کو ایسا استحکام دیا ہے کہ برادر حقیقی کے ساتھ وہ معاملہ مشاہدہ نہیں ہوا۔ یہ چند شعر اس کے افکار گوہر نثار سے منتخب ہو کر مرقوم ہوئے:

جنوں نے ہاتھ کو ناچار ہو کے کھینچ لیا
نظر نہ جب کہ گریباں میں ایک تار آیا

کہا نہ تھا کہ نہ کر برق تو مری تقلید
بتا کبھی بھی تجھے آج تک قرار آیا

اللہ اللہ رے نزاکت ترے رخ کی ظالم

کس نے دیکھا کہ نشاں اس پہ نظر کا نہ ہوا
تیرا ناکام شہادت قتل کی حسرت میں ہائے
دیکھتا کس کس نگاہ شوق سے تلوار تھا
خدا ہی جانے کہ کیا آبنی ہے عاجز پہ
کہ اک گھڑی میں ترے پاس لاکھ بار آیا
روتا ہوں تو ہنستے ہیں وہ کم ظرف سمجھ کر
کرتے ہیں خجل مجھ کو مرے دیدہ تر اور
یاد آئے ہے جب اس نمکین لب کا تبسم
دیتے ہیں مزا مجھ کو مرے زخم جگر اور
لخت دل صد پارہ ہے ہر نوک مژہ پہ
ہے آج تو کچھ رنگ ہی اے دیدہ تر اور
کل تو جانے کی قسم کھائی تھی تم نے عاجز
آج پھر جاتے ہو اس شوخ ستم گار کے پاس
جفا اٹھے گی کہاں تک کہ ہم بھی انساں ہیں
اسی طرح سے رہا گر وہ بے وفا ہم سے
لبوں پہ جان تو پہنچی ہے اور رواں
وہی باتیں ہیں وہ ہی امتحاں ہے
اپنی ہی سانس کے ہمراہ اڑا جاتا ہوں
ناتوانی نے بنایا ہے سبک بار مجھے
جنس دزدیدہ ہوں میں دھر میں گویا عاجز
کہ وہیں پھیر دے لیوے جو خریدار مجھے

…………………………

عارف

عارف تخلص، نواب زین العابدین خاں مرحوم۔ خلف رشید نواب غلام حسین خاں مبرور مسرور تخلص، شاگرد مرزا اسد اللہ خاں غالب سلمہ اللہ تعالی۔ زبان اردو کو ہم پلہ فارسی اور مضامین شعریہ کو ہم پایہ حکمت کر دیا تھا۔ رنگینی سخن سے کاغذ ہم رنگ گل اور دل پر پری۔ کلام سے قلم منقار بلبل۔ اصناف سخن پر قدرت اور انواع کلام پر اقتدار۔ غزل صحرائے شوخی کا غزال، قصیدہ گلشن متانت کا نہال۔ مخمس جسم کلام کے واسطے حواس، رباعی مانند عناصر اربعہ پیکر سخن کی اساس۔ سن بارہ سو اڑسٹھ ہجری میں رخت سفر باندھ کر گلشن جناں کی طرف راہی ہوا۔ میر حسین تسکین کی تاریخ وفات بعینہ اس بلبل باغ جنت کی تاریخ ہے۔ تماشائیان تذکرہ اس مقام کی سیر سے ان مقدمات پر مطلع ہو چکے ہیں۔ کاش عارف کے احوال میں تجاہل عارف کو کام نہ فرمائیں۔ دیوان ضخیم اس سے یادگار ہے۔ یہ چند اشعار انتخاب ہو کر مرقوم ہوئے:

غم ہو یا خون جگر ہوں قوت کچھ درکار ہے
کھالیا فرقت میں تیری جو میسر ہو گیا

اہل دولت کو نہیں دیتے ہیں استعداد عشق
اشک ہونے سے رہا جو قطرہ گوہر ہوگیا

ملائک کیوں نہ قائل ہو کے سجدہ کرتے آدم کو
طرف داری میں جب حق نے ہے پہنا جامہ انساں کا

ہماری خاک سے اس کو کدورت کب کی تھی یارب
سکھایا ہے اسے چلنا اٹھا کر جس نے داماں کا

کہاں سے آگئی اس میں تری رفتار کی تیزی
کہ چلنا قتل کرنا ہے ہمیں شمشیر براں کا

سخت شرمائے میں اتنا نہ سمجھنا تھا انہیں

چھیڑنا تھا تو کوئی شکوہ بے جا کرتا

رسوا ہوا تو اہل وفا میں ہوا عزیز

اچھا ہوا وہ حق میں مرے جو برا ہوا

وعدہ کیا تھا کبھی آنے کا اس نے ادھر

شغل ہمیں ہو گیا جانب در دیکھنا

تنگ گو ہاتھ سے وحشت کے ہوں پر ہوں لہر میں

جیب و داماں تو نہیں ہوں کہ نکل جاؤں گا

شوخی وہ بھری ہے کہ ذرا جانہیں پاتی

دشوار ہے آنا تری آنکھوں میں حیا کا

جگر و دل کوئی پتھر کا کہاں سے لائے

اب تو بیٹھا نہیں جاتا ترے بیمار کے پاس

یاد رفتار صنم میں سو گیا تھا خواب میں

صبح تک دیکھا کیا شور قیامت خواب میں

دے چکا ہے ترے بیمار کو عیسیٰ تو جواب

لب جاں بخش ترے دیکھیے کیا کہتے ہیں

عارف بتا کہ سر ہے یہ کس دن کے واسطے

پھرتا ہے آج تیغ وہ عریاں لیے ہوئے

بے کسی میں مجھے ہوتی ہے غنیمت وہ بھی

کوئی جس وقت مرے سر پہ بلا آتی ہے

....

عاشق

عاشق تخلص، عاشق علی۔ مسکن اور موطن اس کا معلوم نہیں، ایک بار مقدمہ خون

ریزی میں گواہی کی تقریب سے مہین داور شاہ جہان آباد کے محلے میں وارد ہوا تھا، راقم تذکرہ کے سامنے اشعار طبع زاد سے دفتر دفتر پڑھے تھے لیکن یہ حسب اتفاق یہ شعر یاد رہ گیا۔

آتے ہیں کچھ باتیں کیا کیا وہ بناتے ہیں
پر غور سے جب دیکھو اوپر کی ہی باتیں ہیں

....

عاشق

عاشق تخلص ،مرزا نظام الدین ۔ پسر مرزا ولی الدین، ابن مرزا زاہد الدین زاہد الدین مغفور، ابن حضرت فردوس منزل،شاہ جنت دست گاہ۔شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برہانہ۔اخلاق حمیدہ اور کردار پسندیدہ اس والا تبار کی ذات نیک صفات میں فراہم ہیں۔ستار بجانے میں مہارت تام اور اس کی صدائے ساز میں تاثیر تمام ہے۔
فن شعر میں سلسلہ شاگردی کا اسکے اس مقطع سے ظاہر ہوتا ہے:

مجھے فیض سخن عالی سے یاں پہنچا ہے اے عاشق
کہ انکو فیض ثابت سے ہے اور ثابت کو احساں سے

یہ دو شعر اس کے اشعار سے منتخب ہوئے:

روز فراق ، جور بتاں، نالہ ہائے شب
کنکن مصیبتوں میں خدایا نہیں ہوں میں

اس گل کے مگر باغ میں آنے کی خبر ہے
ہر غنچہ لیے ہاتھ میں اک مشت جو زر ہے

....

عاشق

عاشق تخلص، اقبال حسین، خلف منشی نور الدین مرحوم، شاگرد مرزا اسد اللہ خاں

غالب، جوان خوش اسلوب، تیز طبع ہے۔ طرز سخن سنجی دل پزیداور وضع انشا و شعر خوش آئند۔ یہ چند شعر اس کے افکار سے ہیں:

تھا وہم دوئی تفرقہ پرداز وگرنہ
جس مرتبہ تو دور تھا اتنا ہی قریں تھا

ربط کچھ داغ و جگر کا ہی ہے چسپاں عاشق
ورنہ اس درد میں کوئی بھی کسی کا نہ ہوا

مر کے پردہ رہ گیا عاشق کا یہ اچھا ہوا
در بدر کوچہ بکوچہ مدتوں سے خوار تھا

توبہ تو کر چکا ہوں مگر کچھ کچھ ان دنوں
دیتی ہے دم بہار کی آب و ہوا مجھے

اپنی طرح پہ کوئی بھی مختار یاں نہیں
شوخی اسے قرار نہ دے آسماں مجھے

گر ہماری بندگی ہے نا قبول
تو بتوں کی اب خدائی ہو چکی

....

عاشق

عاشق تخلص، مرزا رحمت بخش عرف منجھلے مرزا، پسر مرزا خورسندہ بخش مرحوم، ابن شاہ عالم بادشاہ۔ جواں خوش مزاج اور حلیم ہے۔ فن سخن میں مرزا رحیم الدین حیا کے پرتو التفات اور اثر تربیت سے طبعت خداداد کو روز بہ روز ترقی ہے۔ یہ دو شعر اس کے نتائج افکار سے ہیں:

دوستوں نے پس مردن یہ کیا مجھ سے سلوک
کہ رکھا اس ستم آثار کی دیوار کے پاس

گھلے نہ دل بتوں کا نہ دل غیر کا جلے
نالوں کے اب اثر وہ خدا جانے کیا ہوئے

....

عاصی

عاصی تخلص، گھنشام رائے، قوم کالیتھ، شاگرد قدیم شاہ نصیر۔ مشق سخن کو کہنہ کر دیا اور طرز کلام کو نیا۔ صاحب دیوان اور خوش خلقی و نیک نہادی میں مشہور جہانیاں ہے۔ یہ چند شعر اس کے نتیجہ فکر سے ہیں:

ترے کاکل کے سودائی سدا آباد جوں مجنوں
صدائے خانہ زنجیر سے ویرانہ رکھتے ہیں

آپ ہی ٹک اپنی ابروے پرخم کو دیکھیے
تیغ دو دم کو دیکھے اور ہم کو دیکھے

فوارہ کا سا حوصلہ اتنا نہ رکھیے تنگ
چلو بھرے ہی پانی میں گز بھر اچھل پڑے

تری شوخی نظر آئی ہمیں چشم غزالاں سے
دیا تھا ہاتھ سے دل شہر میں، پایا بیاباں سے

....

عالی

عالی تخلص معالی منقبت۔ مرزا عالی بخت بہادر ابن مرزا فیروز بخت بہادر ابن شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برہانہ، اوائل حال میں مشورہ سخن مرزا معز الدین ثابت سے تھا۔ ان کے انتقال کے بعد حافظ عبدالرحمان احسان علیہ الرحمۃ و الغفر ان سے استفادہ کیا۔ خلق و مروت اس نیک نہاد میں کمال اور سخن وری کی مشق اسی کے ہم سن وسال ہے۔ یہ دو چار شعر اس کے نتائج افکار سے ہیں:

مژگان ستم گر کی طرح روز ازل سے
جو شخص کہ ٹیڑھا ہے وہ سیدھا نہیں ہوتا

حاضر ہوا جو یار تو قسمت کا پھیر دیکھا
معدوم وہ کمر ہوئی، غائب دہن ہوا

آب دم شمشیر کا کس کی ہے یہاں ذکر
پانی جو بھر آیا ہے لب زخم جگر میں

جون نخل شمع ہوں نہ کبھی سبز آب سے
آتش اگر ہو سر پہ رہوں آب و تاب سے

....

عالی

عالی تخلص، زبدہ خاندان سیادت۔ اسوہ دو مان سعادت، مولوی امیر علی تھانہ دار گذر رنگ مود۔ آبا و اجداد اس عالی تبار کے با وصفیکہ بذل عنایات سلطانی سے اعتبارات ظاہری اور مدارج صوری کی بلندی سے جاہ منصب کا قدم فرق آسمان پر رکھتے تھے۔ کمالات باطنی اور سعادات معنوی سے بھی مشرف وممتاز تھے۔ اگر اس کی طیب اخلاق سے شمہ مرقوم ہو۔ اوراق دہ۔ برگ گل بن جائیں اور اگر اس کی صاف دلی سے ذرہ لکھا جائے۔ صفحات کتاب آئینہ مصفا نظر آئیں۔ لب ہے یا لطائف معانی کا نسخہ ہے۔ دہن ہے یا نفائس بیان کی کتاب، زبان ہے یا نسخہ فصاحت کی ایک فصل ہے۔ دل ہے یا مجموعہ بلاغت کا ایک باب ہے۔ فن فارسی کی تحقیق اور غوامض سخن کی تدقیق میں اقران و امثال سے ممتاز۔ اس فن کی تحصیل اور اس صناعت کی تکمیل جناب فیض ماب استادی مولوی امام بخش صہبائی کے التفات باطنی کے اثر سے اس کم مدت میں صورت پذیر ہوئی کہ تیز فہمان بلند فکر کو اس کے اضعاف مضاعفہ میں متصور نہیں۔ متانت الفاظ اور بلندی۔ معنی اور سلاست

طرز اور فصاحت بیان حیطہ تقریر سے خارج ہے۔ یہ چند شعر اس صاحب طبع کے نتائج فکر سے مرقوم ہوتے ہیں:

بالا کشیدہ شعلہ آتش ز داغ ما
روشن بود بہ ظلمت شب ہا چراغ ما

فتد در نامہ اعمال مردم روز حشر آتش
گر از رخ پردہ برگیرم در آں جا داغ پنہاں را

گرفتم ایں کہ رود مہر دلبراں ز دلم
چو گرد باد طبیعی ست اضطراب مرا

شکایت چہ کنم از بتاں کہ خود دل من
ہمیشہ دشمن جاں بود در کنار مرا

کاہیدہ ایم آں قدر از غم کہ بعد مرگ
جوید صبا نشان و نداند سراغ ما

مانشویم چند تو ناصح نفس مسوز
از ضعف تاب حرف ندارد دماغ ما

عرض دادند یمن حورے و نکشودم چشم
تاوفا خوردہ نگیرد کہ سزا وار نبود

نخل شمعم آفت ازدوراں نمی یابم ہنوز
آتشم در برگ و بار افتاد و سیرابم ہنوز

با تو خواہم شرح غم ہائے دل محزوں کنم
ویں دل دیوانہ از پہلوے خود بیروں کنم

باید امشب نظرے بر رخ جاناں کردن
خاطر غم زدہ را خرم و شاداں کردن

بیعت ما بکف پیر خرابات بس است
می تواں بر در او کار مریداں کردن
قیس و فرہاد برفتند کنوں از ما بادا
سر بہ کہسار زدن سیر بیاباں کردن
شب تنہائی و ظلمت کدہ دارد عالی
باید از داغ دلش سا چراغاں کردن

……………

عبرت

عبرت تخلص، دولت رام، قوم کاتیہ ابن رائے ہیرا لال، ساکن کوچہ بلاقی بیگم کہ ایک محلّہ ہے محلات آباد شاہ جہاں آباد سے، مرد معقول اور متصدی پیشہ اور فن سخن میں شیخ ابراہیم ذوق مرحوم سے مستفید ہے۔ یہ چند شعر اس کے اشعار سے تحریر تذکرہ کے وقت ہاتھ آئے:

سخت جانی تو نے شرمندہ کیا قاتل سے ہائے
وقت کشتن پھر گیا منہ یار کی تلوار کا
روسیاہی گو اٹھائی عشق میں ہم نے بہت
لیک مانند نگیں نام اپنا روشن ہو گیا
ہر دم صبا سے ہے طلب بوے زلف یار
لڑتے ہیں بات بات میں اب تو ہوا سے ہم
کون سا ہے وہ پری رو کہ جسے تم عبرت
دے کہ دل ایسے بنے پھرتے ہو دیوانے سے

……………

عزیز

عزیز تخلص، زبدہ خاندان عز و وقار، جامع گفتار و کردار، قدر دان علم و ہنر، صاحب طبع فیض گستر، چمن آرائے ادراک، و تمیز، مولوی محمد عبدالعزیز مہین پور جناب کمالات انتساب استادی و مولائی مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ باوجود ایام شباب کے مزاج حلیم اور طبیعت بردبار اور باوصف اقتضائے جوانی کے حرکت میں سکون اور سکون میں وقار۔ نہ حیا کو اس کی پیشانی کے بغیر محل اور نہ شرم کو اس کی آنکھ کے سوا مسکن۔ نہ سخن کو بجز اس کی طبیعت کے منزل اور نہ معانی کو بدون اس کے دل کے موطن۔ انسانیت کو ملکیت کے ساتھ فراہم کیا ہے اور بلندی مرتبہ کو پستی تواضع سے پیوند دیا ہے۔ کتب درسی کو اپنے والد ماجد کی خدمت میں نہایت تدقیق کے ساتھ پڑھا ہے اور مناسبت طبعی اور مذاق جبلی سے اوراق کتاب جزو لاینفک اور مطالعہ علوم لوازم ذاتیہ سے ہو گیا ہے۔ ایسی التفات ہے کہ کثرت مشق سے الفاظ کو شمع زبان کا پروانہ اور مضامین کو فکر کے ساتھ ہم کاشانہ کر دیا ہے۔ اگر رنگینی، معنی کا بیان کیجئے تو زبان برگ گل بن جائے اور اگر صفائی، الفاظ کو بہ غور دیکھیے تو سیاہی مداد میں آب حیوان نظر آئے۔ اگر سیاہی، رقوم کا پردہ نہ ہو تو فروغ معنی سے نگاہ ادراک خیرہ ہو جائے اور اگر مضامین سوزناک کی گرمی مقاومت نہ کرے۔ طراوت عبارت سے چشم تماشہ کاغذ کو نمناک پائے۔ غزل کے اشعار عاشقانہ غزال دشت محبت اور قصیدے کے ابیات مدحیہ مسکن شان و شوکت۔ سوز معانی سے پیچ و خم حروف رشک دخان ہے اور دہان دوایر لبریز فغان۔ راقم تذکرہ کے ساتھ وداد خالص اور محبت صادق ایسی ہے کہ برادر حقیقی کو برادر سے بہ حال بہم نہ پہنچا ہو گا۔ ہر چند سخن اس معنی یاب کا اکثر قابل انتخاب بل سراپا انتخاب ہے۔ لیکن اوراق میں یہ چند شعر بہ طریق اختصار لکھے جاتے ہیں:

نے کام ہے مسجد سے نے دیر سے کچھ مطلب
ہم کو تو وہی کعبہ وہ شوخ جہاں آیا

نہیں ہے رحم و مروت جو تجھ میں نہ ہو
ذرا خدا کا کچھ تیرے دل میں ڈر ہوتا ۔
تجھی کو غیروں کے ملنے سے ہیں بدنام
مرا تو کچھ نہیں اس بات میں ضرر ہوتا
خدانخواستہ کیا اے سے ہم کو تھا انکار
عزیز کعبہ اگر کوچہ بتاں ہوتا
تم بھی تو ذرا اس سے چلو مل لو کہ یاں سے
بیمار محبت کا ارادہ ہے سفر کا
ساقی جلے ہے بزم میں کس کا جگر کہ آج
ہر سو رواں ہے قافلہ بوے کباب کا
دیکھا تھا ہم نے آج عزیز جگر فگار
کچھ بدلا بدلا رنگ تھا خانہ خراب کا
خرام ناز مبارک تجھے ولے اے برق
خیال رکھیو ہمارے بھی آشیانے کا
میں نقش پا کی طرح ہوں فتادہ رہ میں اور
ارادہ رکھتے ہیں رہ رو مرے مٹانے کا
میرے لب پر تو ذرا شکوہ بھی کچھ آیا نہ تھا
کیوں تو اپنے جور سے ظالم پشیماں ہوگیا
جب معنی وحدت کے ہوئے ظاہر تو یہ جانا
یہ شیخ و برہمن میں جو جھگڑا تھا یو ہین تھا
یک قلم کیوں کہ تمنا کو مٹا دوں ظالم
اک خدا ٹھہر گیا میں کوئی بندا نہ ہوا

تیری شوخی سے تو چھپتا نہ کبھی خون عزیز
پر ہمارا ہی یہ تھا ضبط کہ چرچا نہ ہوا

جوں شمع شغل تیرے سراپا نیاز کا
جانا جو سوز کا ہے تو رونا گداز کا

کج فہمیوں سے خلق کی دیکھا کہ کیا ہوا
منصور کو حریف نہ ہونا تھا راز کا

ہم عاصیوں کا بر گنہ سے جھکے ہے سر
اور خلق کو گمان ہے ہم پر نماز کا

اب کے کچھ اور ڈھنگ سے ہے دل کا اضطراب
کیا جانیے شہید ہوا کس کے ناز کا

مغرور تھا ہی اور وہ مغرور ہو گیا
اس میں گلہ نہیں مجھے آئینہ ساز کا

اوروں کے ساتھ لطف سے تھا صورت نیاز
یاں بڑھ گیا دماغ تغافل سے ناز کا

کیا جائیں دیر سے کہ بس اب دل ہی لگ گیا
پا کربتوں میں طور کچھ اس عشوہ ساز کا

کٹ کٹ کے خون آنکھوں سے آتا ہے بار بار
خنجر رکھا ہے پہلو میں میرے بجائے دل

اختیار اب مرا وحشت کے ہے ہاتھ اے گل رو
پھرتے پھرتے کبھی اس طرف بھی آجاتا ہوں

یاد کرتے ہو مجھے گرچہ بری طرح سے پر
میں اسی بوجھ سے احساں کے دبا جاتا ہوں

وہ نہیں لطف وہ وفا ہی نہیں
تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں
بت اگر مہرباں نہیں تو نہ ہوں
کہیں بندے کا کیا خدا ہی نہیں
اب جو دیکھو تو ہے یہ صاف وہ تیغ
کہ کسی کا لہو پیا ہی نہیں
رہ رواں فنا ہیں نکہت گل
کہ کہیں انکا نقش پا ہی نہیں
آ گئے کہنے میں اس دل کے کریں کیا ناصح
ورنہ ہم بھی سمجھے ترے سمجھانے کو
تھے نہ قابل کہ بلا واسطہ دیکھیں اس کو
بت بنائے ہیں یہ جلوہ ہمیں دکھلانے کو
ہم درد اک ملا ہے ہم کو عزیز خستہ
ایسا نہ ہو کہ وہ بھی جائے نکل کہیں کو
تیری اس شوخی، رفتار سے نکلی بارے
خاک ہو کر جو تھی اک دل میں تمنا باقی
کچھ تو لذت ہے کہ ہے سودہ الماس پہ بھی
اب تلک زخم کو کاوش کی تمنا باقی
خار الجھتے ہیں جو صحرا میں مرے دامن سے
یاں کے رہنے سے بھی کر دیں یہ بے زار مجھے
گرچہ پست ہیں اہل ہنر پہ ہمت سے
نظر صدف کی طرح ابر پر نہیں رکھتے

رہا نہ کرنے میں صیاد ہے بہانہ طلب
کہو نہ منہ سے اسیرو کہ پر نہیں رکھتے

پارسائی کو ہے سلام کہ ہم
مغبچوں کی گلی میں آ بیٹھے
بے قراری کا کیا سبب ہے عزیز
کہیں دل تو نہیں لگتا بیٹھے

....

عزیز

عزیز تخلص، مرزا عزیز الدین کہ اولاد امجاد حضرت شاہ عالم بادشاہ مغفور اور تلامذہ حافظ عبدالرحمان خاں احسان مبرور سے ہے۔ خلق و مروت میں عزیز الوجود ہے۔ یہ تین شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں:

کہوں ہمدموں کیا کہ اس دل کے ہاتھوں
نہ تھا دیکھنا سو وہ ناچار دیکھا
تو جو تیغے کو ادھر قاتل اٹھا کر رہ گیا
میں ادھر حسرت سے اپنا سر جھکا کر رہ گیا
میں یہ حیراں ہوں عزیز و آہ یہ کیا ہو گیا
بیٹھے بیٹھے عشق کا آزاد کیسا ہو گیا

....

عزیز

عزیز تخلص، نوجوان عبدالعزیز نام، متوطن فرید آباد۔ مدت تک شہر شاہ جہان آباد میں طالب علمی میں صرف اوقات کر کے عربی اور فارسی میں استعداد معقول بہم پہنچائی۔ بالفعل اپنے وطن میں مقیم اور جادہ مزاولت علوم میں مستقیم ہے۔ ہر چند عمر

چھوٹی ہے مگر استعداد بڑی ہے۔ حسن خلق و سنجیدگی، اوضاع، اصالت نسب، اور شرافت حسب پر علاوہ ہے۔ شعر سے مناسبت طبیعی اور مذاق سخن جبلی ہے۔ جو کہ جوان لاوبالی مزاج ہے۔ تالیف اشعار کی طرف کم متوجہ ہے۔ یہ دو چار شعر ہاتھ آ گئے تھے کہ مرقوم ہوئے:

یا سمجھتے تھے کبھی گھر کو ترے گھر اپنا
یا گزارا نہیں ہوتا ترے در پر اپنا
چھوڑنا سر ہی کا گر اپنا مقدر ہے عزیز
کاش اس کوچے کی دیوار ہو اور سر اپنا

سو زخم منہ پہ۔ سینے پہ سو داغ کھا چکے
اک قصہ درد دل میں ہے دیکھیں وہ کیا چکے

عالم میں اے عزیز نسیم و صبا کے ہاتھ
کیا کیا اڑی نہ خاک ہمارے غبار کی

....

عزیز

عزیز تخلص، نواب زادہ بلند مکان یوسف علی خاں۔ آبا و اجداد اس کے خاندان صاحب اعتبار سے تھے۔ فکر شعر کرتا ہے۔ یہ دو شعر اسکے سنے گئے:

اب خاک گل رخوں سے کروں ارتباط عشق
وہ دل نہیں ، دماغ نہیں ، وہ جگر نہیں

نے تو رفو کی جا ہے نہ مرہم کا ہے مقام
کوئی علاج زخم دل اے بخیہ گر نہیں

....

عزیز

عزیزؔ تخلص، مہاراج سنگھ بقوم کالیتھ، انسانیت مصور اور اخلاق مجسم ہے۔ شاگرد قدیم شاہ نصیر مرحوم اور مشق سخن میں اکثر سے ممتاز ہے۔ از بس کہ شاہ مغفور کثرت تلامزہ اور افراط مشغہ اصلاح اور مشغولی فکر شعر سے اپنے دیوان کی ترتیب کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔ اس نیک نہاد نے فرط اعتقاد سے کہ خدمت استاد میں رکھتا تھا۔ اس کلام پریشان کو جمع کیا اور اشعار متفرقہ اور غزلیات پراگندہ کو مختلف مقاموں سے فراہم کر کے صورت کتابی بخشی۔ گویا: ع

بقفس کرد پر و بال پریشانی را

یہ چند شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں:

اب تو ٹک اے چشم طوفاں زا کہیں رونے سے تھم
اشک کا ہر قطرہ اپنا رو کش جیحوں ہوا

اس دہن کا ذکر چھیڑا کس نے اے موج نسیم
غنچہ لالہ سحر کھانے کو جو افیوں ہوا

ہوا نہ صاف وہ آئینہ رو کبھی ہم سے
سدا ہماری طرف سے اسے غبار رہا

پہلے ہی کشتہ تھے ہم اس نرگس مخمور کے
تس پہ کافر ار یہ سرمے کا دنبا لہ بنا

جام، مے، گل رنگ سے واقف نہیں ساقی
غنچے کی طرح پیتے ہیں خون جگر اتنا

لے کے نقد دل کبھی جو ایک بھی بوسہ نہ دے
اے عزیزؔ اس مفت بر سے کس طرح سودا بنے

....

عـــس

عسس تخلص، ذوفنون روزگار، بدرالدین نام، ساکن ٹمیاپل کہ ایک محلّہ ہے محلات شاہ جہان آباد سے مسجد جامع کے قریب اور خوبی۔ بنا اور لطف عمارات سے دل فریب۔ عقل و دانش اس افلاطون وقت کی ایسی تھی کہ ابن ہٖبق کو اس کا شاگرد سمجھنا اس کی کم توصیف ہے اور تناسب اعضا اس درجے میں کہ فلینظر الی الابلکیف خلقت، اس عجیب الخلقت کی شان میں جاننا اس کی ادنیٰ تعریف ہے۔ الفاظ پوچ و پادرہوا کو پیرایہ موزونی سے آرایش دیتا اور اسکوتین قسم ٹھہرا کر شعر کا نر اور مادہ اور استادہ نام رکھتا۔ عرصہ دراز ہوا کہ قافیہ حیات کے تنگ ہونے سے مضمون فنا کی فکر میں گریبان لحد میں سر فرو کیا۔ جو کہ اس کے اوصاف احاطہ تقریر سے خارج ہیں۔ اس ایک شعر پر کہ اس کے کمال ہنر اور بلاغت فضل پر اول دلائل اور اعدل شہود سے ہے۔ کنایت کرتا ہے:

کیوں بے اوقتے چلا تھا کیا یہ جھکڑ رات کو
کس لیے آیا تھا تیرے گھر وہ مکڑ رات کو

....

عسکری

عسکری تخلص، زبدہ نوئینان، عالی منزلت، اسوہ بلند پائگان والا مرتبت، ہمارے اوج بلند نظری محمد حسن عسکری کہین برادر و تلمید اقبال پناہ دولت دستگاہ نادر حسین خاں ہاشمی تخلص، اوصاف حمیدہ اس بلند مرتبت کے خامہ تک شق کے زریعے سے زخیرہ کتاب کرنا ایسا ہے کہ تیغ ریختہ دم کے وسیلے سے کسی اقلیم کو حیطہ تسخیر میں لائیں۔ عزت و شان کو اس کی نسبت سے عزت و شان اور جاہ و حشمت کو اس کے آستانے سے علو مکان۔ سخن ترقی۔ مدارج سے آسمان سے برتر اور کلام عروج معارج سے عرش سے ہم سر۔ لفظ اس کی زبان پر قند سے شیریں تر اور معنی اس کی طبیعت میں گل سے رنگین تر۔ حضرت استادی استاد الانامی نے درج طلب

کیے۔ ایک غزل قطعہ بند مسمی۔ بذریعہ نیاز، اپنے افکار گوہر نثار کے ساتھ شہر کالپی سے جناب ممدوح کے پاس بھیجی اور اس قطعے میں خلق و مروت کی داد دی، ع۔ بنازم بانصاف صافی دلاں۔ اسکو نذر نگاہ احباب کرتا ہوں تا کہ اس کا مطالعہ تعارف غائبانہ کا سبب ہو:

ہے ظفر شاہ جو ملک سخن آرائی کا
اس کے در پر ہے مجھے شوق سائی کا
ذوق ہے زمزمہ پیرائے گلستان سخن
چاشنی گیر ہوں میں اس کی شکر خائی کا
اسد کلک فصاحت کا میں اس کے ہوں شکار
شیر غالب ہے نیستان سخن زائی کا
فیض سے اس کے نہ کیوں کر ہو مرے دل کو سرور
جام لبریز لطافت سے ہے صہبائی کا
میں ہوں طوطی صفت آئنہ ہے دیوان حضور
سخن شہ ہے معلم مری گویائی کا
چاشنی قند بلاغت کی سخن کو دیکر
زوق نے شوق دلایا سخن آرائی کا
غازہ مل مل کے فصاحت کا ہے غالب نے کیا
شیفتہ روے سخن کی مجھے رعنائی کا کی مجھے رعنائی کا
لطف گل زار سخن دیکھ کے مجھ کو بھی ہوا
شوق بلبل کی طرح زمزمہ پیرائی کا
حالی کلک کیے نالہ موزوں میں نے
گو سلیقہ بھی نہیں قافیہ پیائی کا

جام اظہار میں سے ریزی کا تھا کچھ نہ خیال
پر اشارہ ہوا اس باب میں صہبائی کا
ہزلیات اپنی سے کچھ شعر ہے ارسال کیے
تاکہ غنیمت میں زریعہ ہو شناسائی کا
پیکر نظم اگر نقص کا پہنے ہو لباس
ملے اصلاح سے خلعت اسے زیبائی کا
عسکری ہاشمی استاد و برادر ہے مرا
کیوں نہ ہو شعر میں دعویٰ مجھے یکتائی کا

....

چھوٹا نہ عسکری کبھی دل اس کے دام سے
زلف اس کی اک نمونہ ہے قید فرنگ کا
الجھنا دل کا خم زلف شعلہ رویوں میں
ہماری جان کواے عسکری عذاب ہوا
آب دریا اگر سیاہی ہو
حال لکھوں میں دیدہ تر کا
بیٹھے ہیں چپ ، کچھ آپ کا اس میں ضرر نہیں
نالہ نہیں فغاں نہیں کچھ شور وشر نہیں
مارے غصے کے وہیں ہونٹ چباتا ہے وہ شوخ
لب پہ دھوکے سے جو آجائے مرا نام کہیں
عسکری نے لی جنوں میں خانہ دلبر کی راہ
ایسے مطلب کی نہ سوجھے گی کسی ہشیار کو
عنبر افشاں ہے صبا ہند سے اے تا بہ ختن

کس قدر زلف مسلسل تری عطر آگیں ہے
آمد گل ہے طرب ساز صبا پھرتی ہے

بلبلو مژدہ کہ گلشن کی ہوا پھرتی ہے
بس آگے اتنا نہ چھیڑو کہ راز کھل جائے

تمہاری ہم ہیں بہت پردہ پوشیاں کرتے
طرہ یار کی خوشبو لیے کیا آتی ہے

جو ہواؤں پہ چڑھی باد صبا آتی ہے
عسکری لے چلو گلستان کو

دل مرا تنگ ہے نشیمن ہے
ان ہونٹوں سے قند کا ہے منہ بند

باتوں سے ہوئی نبات پھیکی

....

عشرت

عشرت تخلص، مرزا کلن پسر مرزا حیدر شکوہ ابن طہاسپ شکوہ مرحوم، یہ نور چشم مرزا پیارے نعت تخلص کا داماد اور فن شعر میں انھیں سے مستفید ہے۔ اس کی خوش صورتی کا حرف زبان پر لاؤں یا نیک سیرتی کا ذکر احباب کو سناؤں۔ فن فارسی کے اکتساب میں کمر ہمت کو چست اور عزم رسا کو درست کیا ہے۔ چند یہ شعر اس کے افکار سے مرقوم ہوئے:

صبا جب آئی تب اڑ کر مرا غبار آیا
موئے پہ بھی ترے کوچے میں لاکھ بار آیا

خاک ہونا بھی ہوا حق میں ہمارے کیمیا
ورنہ دامن تک پہنچنا اے فلک دشوار تھا

کر دیا آسان وہ تیری نگاہ قہر نے
ورنہ مرنا سخت جانی سے مجھے دشوار تھا

قیس جنگل میں رہا کوہ میں فرہاد رہا
بے ٹھکانوں کا تمہارے ہی ٹھکانا نہ ہوا

کیا بھروسا تری وعدے کا کریں ہم کہ کبھی
جھوٹوں بھی ہم سے تو اے شوخ تو سچا نہ ہوا

کشتے تو لوٹتے تھے پر قتل گہ میں قتل
خنجر کو دیکھتا تھا اور اپنی آستیں کو

تم جو کہو سو سچ ہے کہ کس واسطے کہ ناصح
دیکھا نہیں ہے تم نے اب تک کسی حسیں کو

اب تو ستم ہمیں پر ہیں روز تازہ تازہ
پر یاد بھی کروگے اے دل ربا ہمیں کو

خوش بو کی آج لپٹیں آنے لگیں کہاں سے
کھولا ہے اس نے شاید پھر زلف عنبریں کو

عشرت تجھے کچھ اپنے مرنے کا غم نہیں ہے
دشمن ترے جہاں ہیں جاتا تو وہیں کو

تن سے بھی اتر کر نہ گرا پاؤں پر اس کے
کیا کیجئے قسمت ہی بری ہے مرے سر کی

....

عشق

عشق تخلص، جالینوس فطانت۔ ارسطو ذہانت۔ حکیم عزت اللہ خاں خلف رشید حکیم قدرت اللہ خاں قاسم تخلص مرحوم۔ کتب درسی خصوصا طب کو اپنے پدر عالی مقام

کی خدمت میں بکمال تحقیق وتدقیق سے پڑھا اور معالبہ مرض کو حد اعجاز تک پہنچایا۔ صاحب دیوان ریختہ ہے اور اشعار اس صاحب استعداد کے اگرچہ شوخی، معنی سے خالی ہیں۔متانت الفاظ اور رزانت تراکیب سے خالی نہیں۔عرصہ چند سال کا ہو اکہ جہاں فانی کو پدرود کیا۔یہ چند شعر دیوان سے منتخب ہو کر بہ طریق یادگار مرقوم ہوئے:

قفس سے تجھ کو اور زلف بتاں کے دام سے مجھ کو
خدا کس رنگ سے اب دیکھیے بلبل نکالے گا

برنگ نکہت گل خانہ بردوش آہ بیٹھے ہیں
یہ آئے ہم بھی اے باد بہاری ٹک ٹھہر جانا

زنجیر بپا، دست بسر، داغ بدل ہاے
اے شوخ یہ ہے تیرے گنہگار کی صورت

کیوں کر آئے نہ مجھے اب کمر یار پسند
فکر باریک ہے اور معنی دشوار پسند

سرگزشت اپنی لکھوں کیا خاک اس کو نامہ پر
حال دل جو بدگماں لائے نہ باور دیکھ کر

رسوائی خلق تو نے محبت کیا مجھے
میرا نہ جانتا تھا کوئی نام اب تلک

....

عظیم

عظیم تخلص، زبدہ اہل فضل واسوہ ارباب کمال، مولوی فضل عظےم، برادر جامع معقول ومنقول حاوی، فروغ واصول، استادالانام، مقبول طبائع خاص وعام علامۃ الورا مولانا وبالفضل اولینا مبطل الباطل ومحقق الحق مولوی محمد فضل حق سلمہا اللہ

تعالی۔علاوہ کسب علوم عقلیہ ونقلیہ کے کہ خاصہ اس خاندان فضیلت نشان کا ہے۔ فن سخن میں سعدی کو اس کی تحسین سے افتخار اور حافظ کو اس کی آفرین سے اعتبار۔سخن نے اس کی طبیعت سے رتبہ پیدا کیا وگرنہ اسکی خوبی میں کلام تھا۔شعر نے اسکی نسبت سے اعتبار بہم پہنچایا ورنہ کج بحثوں کی زبان درازی سے کیا کیا بدنام تھا۔بیاض اس کی اشعار عاشقانہ سے فغانی کا دیوان،ابیات اس کی معنی ایجادی سے خلاق المعانی کا دبستان۔اوایل سے سرکار انگریزی میں عہدہ ہاے جلیلہ پر مامور اور انتظام امور اور حسن خلق میں مشہور ہے۔اب چند سال سے نواح سہارن پور میں عہدہ ڈپٹی کلکٹری سے سرفراز اور عدالت وانصاف کے شیوے میں ممتاز تھے۔راقم تذکرہ ہر چند اس مظہر محاسن کی ملاقات سے کامیاب نہیں ہوا لیکن گوش محامد نیوش نے اوصاف حمیدہ اور اطوار پسندیدہ کا ذخیرہ اس قدر حاصل کیا ہے کہ حصول آشنائی کے واسطے چشم استماع اشعار اور استفادہ افکار گوہر نثار یہ تو لے اختیار دل رہا ہے اور کشاں کشاں عالم اتحاد کی طرف رہنما ہے۔یہ شعر عارفانہ روم عشق کا غالباً انھیں اشعار شعری شعار کی صفت ہے:

ایں زمزمہ کی است مر روح ترا
بردارد و خوش بہ عالم یار برد

یہ چند شعر کہ صفا میں آب گوہر اور لذت میں کوثر سے کم نہیں۔مندرج تذکرہ ہوئے:

مرگ می جوید لبے لیکن نمی یابد عظیم
در تن لاغر سراغ جان ناشاد ترا
خیز و بہ جلوہ تیز کن تیغ نگاہ ناز را
رخصت قتل عام دہ نرگس نیم باز را
باد نصیب خاطرم ولولہ کہ جذبہ اش

سوئے حقیقت آورد موے کشاں مجا ز را

پرسی از من کیستی دانستہ ناداں گشتہ

گویا ایں ہم نمی دانی کہ می دانم ترا

ز شوخی ، تو چہ گویم کہ وقت اظہارش

یہ شعر نیستت ز شوخی قرار مضموں را

رفت دست از کار چوں دامان یار از دست رفت

دست داد ایں غم کہ دست ازکار و کار از دست رفت

....

عظیم

عظیم تخلص، مرزا عظیم بیگ ساکن شاہجہان آباد، اس مرد قدسی نہاد کی عادت مستمرہ تھی کہ جب گھر سے نکلتا ایک بڑا برگ پان اور اس کے لوازم سے لبریز خادم کے ہاتھ میں ہوتا اور جو آشنا راہ میں ملاقاتی ہوتا ایک گلوری اس کو تواضع کرتا۔ گویا اس بہانے سے آپ کو سرخ رو اور مدعیان ہمت کی زبان لال کرتا۔ اور دس پانچ روز درمیان ایک پیالہ کباب لذیذ کا ہر دوست کے گھر بھجواتا۔ ایسی ہمت کم کسی میں مشاہدہ ہوئی ہے۔ خصوصا ایام تنگدستی میں ظاہرا ایسا شخص اس شہر میں غریب سے امیر اور امیر سے سلاطین زادگان والا تبار تک نہ ہوگا کہ جس کی سرخی۔ پان کا شرمنہ نہ ہو یا اس کے کباب کا حق نمک اپنی گردن پر نہ رکھتا ہو۔ جو کہ پان کی تواضع سے بہت مشہور ہو گئے تھے اس واسطے اس کو عوام عظیم بیگ گلوری باز کہتے تھے۔ شعر ریختہ بھی اکثر کہتا، یہ شعر اس کے اشعار سے انتخاب ہو کر مرقوم ہوا:

تو پان کھا کے ہاتھ سے غیروں کے ہے خموش

منہ لال ہو گیا ہے زباں لال تو نہیں

....

علوی

علوی تخلص، جناب فیض ماب اسوہ کملائے نامدار، قدوہ اکابر شہر و دیار، صیر فی، نقو د کمال، گنجور خزینہ افضا، بانی، بنائے سخن گستری۔ بائی، ارژنگ، ہنروری، قطب فلک بلند خیالی۔ عضادہ اطر لاب نے مثالی۔ قافلہ سالار سخن سنجاں۔ مولوی عبداللہ خاں اسکنہ اللہ فی الجنان وتغمدہ بالغفران، کمالات ظاہری و باطنی اور فضایل صوری و معنوی اس مجمع محامد اور منبع فواضل کے حوصلہ شمار اور ظرف تعداد میں جب گنجائش پذیر ہوں کہ حساب ادوار فلک محاسب فہم یا دبیر وہم ضبط کر سکے۔ از بس تدریس کتب فارسی اور تتبع محاورات زبان دری اور مشق انشائے نثر و ابداع نظم کی طرف میل طبیعت بیش تر تھا، عوام یہ سمجھتے تھے کہ اس جناب کی آستین استعداد یہی فنون ہیں۔ وگرنہ علوم غریبہ اور فنون عجیبہ میں سے وہ کیا ہے جو اس جامع مکارم انسی وملکی کی دقت فکر سے کامیاب نہ تھا اور دقایق حکمت سے کون سا دقیقہ ہے کہ اس کی آبیاری، مطالعہ سے سیراب نہ تھا۔ موزونی تو گویا اس کی طبع کی خانہ زاد تھی کہ زمین سخن سے جو نہال نکلا سرو ہو گیا۔ فکر کی رسائی۔ طبع کی بلندی، سخن کی سنجیدگی، تراکیب کی متانت، طرز کی تازگی۔ مضمون کی رنگینی، نکات کی برجستگی، اشارات کی شوخی، الفاظ کی آشنائی، معنی کی بیگانگی، کلمات کی تنگ درزی، ربط کی چسپانی، جس قدر اس حضرت کی نظم ونثر میں دیکھی گئی ہے۔ نہ خاقانی و انوری کے قصائد میں ہے نہ سعدی و حافظ کی غزل میں، نہ نظامی و فردوسی کی مثنوی میں ہے۔ نہ رباعیات سحابی و افضل میں۔ اصناف سخن کو اصناف طرز سے مزین کرنا ایک اعجاز ہے کہ خدائے عزوجل نے اسی خاتم نبوت سخن میں ودیعت رکھا تھا۔ حشمت الفاظ خاقانی کو مناسب قصیدہ اور چستی تراکیب نظیری کو شایستہ غزل اور متانت بنائے سخن نظامی کو لائق مثنوی سمجھ کر ان اصناف کو غالباً انھیں طرزوں سے مطرز کرتے تھے۔ وال جس صنف کو جس طرز پر ارادہ کرتے، بہتر اس سے کہتے، ایک مثنوی ناتمام کہ آٹھ سات جزو کے قریب

ضخامت ہے۔ تحفۃ العراقین کی بحر میں اور دوسری مثنوی قریب دو تین جزو کی گل گشتی میر نجات کے وزن میں کمال قدرت سخن وری پر ڈال ہے۔

سامع طرز شناس خاقانی کو اپنے سامنے گویا پائے اور میر نجات کو اپنے روبرو زبان آور دیکھے۔ انشائے صفیر بلبل نام نہر متین و مغلق اور صحت نامہ علوی عبادت سلیس و شستہ میں ایسی ہیں کہ اگر سواد دیدہ ملک کی مداد اور مژگان حور کا خامہ میسر آئے تو ارباب انصاف ان کو سینہ صافی کی بیاض پر تحریر کریں۔ تلامذہ کے اشعار حک و اصلاح سے لباس تازہ پہنتے اور خلعت نو بہم پہنچاتے۔ شاخ نہال ہو جاتی اور نہال طوبی، قطرہ موج بن جاتا اور موج دریا۔ جو کہ اصلاح شعر میں صرف محبت معنوں کا افادہ ہے، چاہا کہ شکنجہ امراض بدنی کے گرفتار بھی صحت صوری سے بہرہ یاب ہوں، خلعت ہنر طراز جامعیت سے مطرز اور لوح استعداد تماثیل کمال سے متمثل ہو جاہے اور ارادت مندان صوری و معنوی سے کسی کی پیشانی ۳ حال داغ محرومی کے اثر سے متاثر نہ ہو۔ مسبب حقیقی کی کارسازی قابل حمد و ثنا ہے کہ یہ حد یقد طراز کمال جب گل زمین طب کی باغبانی کی طرف متوجہ ہوا، کیا کیا گل کھلائے۔ معجزہ عسوی کو اسی کے انفاس فیض اقتباس سے جلوہ نمائی اور بیماروں کی صحت کو اسی کے نسخے کی نقاب سے چہرہ کشائی تھی۔ نبض شناسی سے چشم خوباں کی بیماری متیقن اور تشخیص امراض سے زلف خوباں کا سودا متیقن۔ ناغبان کو پارچہ زردیاسمن سے دیدہ نرگس کی رمد کی علاج تعلیم کیا اور شاخ گل سے جنون سنبل کا چارہ تفہیم۔ مزاج گل کو تبرید نسیم سے معتدل کردیا والا کثرت ساغر سے قارورہ شبنم نازی ہو جاتا۔ لالے کا خون فاسد نشتر خار سے کم کردیا ورنہ فاط احتراق سے سارے بدن میں داغ کے سوا کچھ نظر نہ آتا ازبس کہ حصول روزی گردش آسیائے گردوں پر منحصر ہے، اتفاقاً فرخ آباد کا سفر درپیش ہوا اور اس اطراف کے باشندے اس حضرت کے افادات سے کام یاب اور اس چشمہ فیض سے سیراب ہوئے۔ مرزا دولہا نامی رئیس شمس آباد نے

کہ نواح فرخ آباد میں ایک معمورہ دل چسپ ہے، کمال دل گرمی سے نان جویں پر قانع کیا اور اس طرح محبت و خدمت گزاری پیش آیا کہ رئیس مذکور کی رفاقت کا خیال اس حضرت کی دل میں مستحکم ہو گیا۔ اس عرصے میں کئی موزوں طبع اس کے مایہ فیض سے پایہ شاعری کو پہنچ گئے اور کتنے طالبان کمال منافع علمی اور فوائد دانش سے بہرہ مند ہو گئے اور علیل مزاجوں۔ اس مسیحا نفس کے قانون علاج سے شربت صحت چکھا۔ خرالامر چرخ سفلہ نہاد کو اس چشمہ فیض کا جاری رہنا پسند نہ آیا اور امراض گونا گوں کی فوج کو ان کے شہر تن پر مسلط کیا۔ کئی مہینے تک بدن افادت مسکن آغوش بسیر سے الگ نہ ہوا۔ باوجود انواع تکالیف سن بارہ سو اڑسٹھ ہجری (۱۲۶۸ھ) میں کشادہ پیشانی چمنستان عالم قدس کی گلگشت کا قصد مصمم کر کے گلشن جناں کی طرف سمند عزم گرم جو لیکن ملصین کے دل سے داغ الم اب تک دھویا نہیں گیا۔ حضرت استادی استاذالانامی مولوی امام بخش صہبائی نے کہ اس جناب مغفور کے ساتھ نسبت تلمذ رکھتے ہیں، تاریخ وفات یہ پائی:

علوی کہ چو او نداد کس داد سخن
چوں او نرسیدہ کس بہ فریاد سخن
ذاگہ ز جہاں رخت افاقت بربچت
ہاتف گفتا فتاد بنیاد سخن

ہر چند ریختہ کی طرف متوجہ ہونا ایسے عالی فطرت کی استعداد کا ننگ تھا اور رقاطبتہ ہمت کو انشا ہنثر عربی طرف بیش تر مصروف رکھتے اور طالبان کمال کے افادے کے واسطے نظم و نثر فارسی ریختہ کلک گوہر سلک فرماتے لیکن گاہ گاہ کسی مخلص قدیم کی تحریک سے دو چار شعر ریختہ بھی موزوں کرتے تھے۔ جو کہ اشعار ریختہ

۱۔ اس تذکرے کا آغاز ۱۲۷۰ھ میں اور اتمام ۱۲۷۱ھ میں ہوا۔ اگر علوی کی افات ۱۲۶۸ھ میں ہوئی تو اس تذکرے کی تالیف کے وقت اس کو آٹھ نو برس، کس

طرح گزر گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ علوی کی وفات کا جو سن اوپر (۱۲۶۸ھ) دیا گیا ہے، وہ غلط ہے۔ بعد میں آنے والی صہبائی کی نوشتہ تاریخ وفات سے ۱۲۶۲ھ نکلتا ہے جو صحیح ہے۔

مضموں کا فکر کیا کریں اس کی ذقن میں ہم
گم ہیں خیال تنگیٔ کنج دہن میں ہم
کیا دم تھا کل جو دیکھ کے یارب نسیم صبح
غنچے کی طرح پھول گئے پیرہن میں ہم
دل غم سے تنگ سینہ سراپا الم سے خوں
لائے ہیں نجت غنچہ مگر اس چمن میں ہم
دامن سے ڈھانک جیسے کوئی لے چلے چراغ
جاتے ہیں سوز عشق لیے یوں کفن میں ہم
مت پوچھ ہم نشیں کہ یہ راتیں فراق کی
کس طور سے ہیں کاٹتے رنج و محن ہم
چھوٹے کمر کی فکر کے جو پیچ و تاب سے
اُلجھے خیال زلف شکن در شکن میں ہم

اشعار فارسی

نالہ بر بانگ دہل کن شغب نوحہ کم است
ماتمی گرم ترک باید ازیں شیوب ما
ہیمہ از طوبی و آتش ز جحیم آوردیم
بیم و امید بسوزد ہمہ دع گاخن ما
دشنہ را کہ کسے بر دل کا فر زند

می زند بر دل ما ترک وفا دشمن ما
من و آئینه به چشمت ستم آموز شدیم
خون عالم همه در عهد تو بر گردن ما
خجے گشتیم و هماں دیده براہے داریم
شمع را زنده مدارید سر مدفن ما
نخواست غارت دست زمانه باغ مرا
درون دینه نہاں داشت عشق داغ مرا
گر چنیں جام دہد گردش چشم ساقی
پشت بر شنبه گذارد شب آدینه ما
صبح عید است کنوں مغبچه شوخ کجاست
که به مے رنگ کند خرقه پشمینه ما
ہم چو گل آتش افسرده ما شعله نداد
تا نجنباند صبا گو شه دامانے را
علوی ایں گریه که در روز و صالش کر دی
تا چه در کیسه نہادی شب ہجرانے را
ہزار قلزم خوں می کشیم و تشنه لیم
ز آب تیغ تو گویا سرشته شد گل ما
گذشت عمر در آمد شد وجود و عدم
قضا به گردش چشم که بست محمل ما
به فتنه گرمی ہنگامه طرب داریم
فروزد از نفس صبح شمع محفل ما
دلم شکست ستم ہاے زلف او یا رب

شکستہ تر شود آں کس کہ بشکند دل ما
تو فکر بازوے خود کن کہ مشتاق شہادت را

برنگ شمع گر بری سرے دیگر شود پیدا
چوں می زید میان و عدم غریب

نازم خراب شیوہ مہر و رتاب را
تا حشر مست خال لب ہو زیار نیست

حسن تو پشت دار زلفیون شراب را
مرگ است آرمیدن عاشق کہ چوں نفس

ما آزمودہ ایم درنگ و شتاب را
قربان آں زماں کہ تو گوئی بے کشی

علوی جگر بیار کہ خواہم کباب را
عشق نہ پسندد اگر درد تو مادرزاد نیست

ہمچو ماہی از محیط نستی بسمل برا
با ہمہ دیوانگی ہشیاری وصلش طلب

با صبا عاقل شو و باتا صحاں غافل برا
چہ سادگی ست بہ بوے نظارہ دعوی عشق

تو پاک دامن و کافر نگہ بہانہ طلب
صبر مارا عشق می داند ولے ریش دروں

از براے عبرت دشمن نمایاں کر دن است
تن چوگل خوں دل برنگ لالہ داغم کر دہ اندے

محشر چند یں بہار باغ و را غم کردہ اند
آمدم تا از عدم از خویش پنہا ں زیستم

دل شکاراں از کجا علوی سراغم کردہ اند
گردش چشم تو ام جنبش گہوارہ بود

کہ گہے می برد از خویش و گہے باز آرد
نالہ چنداں کہ بود گرم غم از دل بہ برد

سوز ایں نغمہ یشدے کہ کشی ، ساز آرد
شکلم رود از دیدہ و مقدار نداند

ایں نو قدم اندازہ رفتار نداند
گر جیب نماند است بزنجیر در آور

آں کن کہ کسے بیند و بے کارنداند
داغم ز دل سادہ کہ خوش کردہ بہ ہر خوب

ارباب تماشا ز خریدار نداند
بے ہمرہی غیر نیاید بہ گلستان

ایں سادہ تو گوئی رہ گلزار نداند
جان می طلبد در بدل نیم نگاہے

نقصان خود و سودخریدار نداند
اگر درد تو در آب و گل یک دل فرو ریزد

فشارد آں قدر تنگش کہ آب از گل فروریزد
در آئین وفا سعی تپیدن آں قدر باید

کہ خون گشتہ ہم از گردن قاتل فرو ریزد
فدائے شست صافت دل نگاہ تیز جولانی کے

کہ گرد و نیم بسمل رنگ و بر بسمل فرو ریزد
بگرد کلفت مجنون ہجراں دوہ می ماند

مباد اے سارباں ایں گرد بر محمل فرو ریزر
جنہ چشم من اگر جا گرم کر دی آں قدر بنشیں
کہ بگدازد در نگہ در دیدہ و دل فرو ریزر
ز خاک علوی اے محشر خرام آہستہ تر بگذر
کہ بنشیند اگر بر دامنت مشکل فرو ریزر
من بندہ آں نگہ کہ خنجر
پر دل زد و از جگر بر آورد
نازم سحر مژہ کہ بر دل
موے زد و نیشتر بر آورد
دل ز غم ہاے تو خالی نشود در شب ہجر
یک شب از دہر بہ قدر کلہ می خواہد
رشکم آید کہ زیارت گہ عشاق شود
ورنہ مردن بسر کوے تو دشوار نبود
عروج نشہ فقرم بجام جم نمی گنجم
بہ خور بالیدہ ام یعنی بظرف کم نمی گنجم
طریقت وسعتے دارد لہ تا دوزخ بودسیرش
من اے علوی بصحن خلد چوں آدم نمی گنجم
می گریم از فراق تو غافل ازیں ملال
باید برایں گریستن ما گر یستن
صد سالہ آتش است کہ پروردہ ام بدل
اے دیدہ خوش بور بمدار گریستن

رباعی

دمے بر کوے مے فروشم بردند
نا دادہ ہنوز مے ز ہوشم بردند
تقوی دامن کشید و رنداں دستم
القصہ زفتم و بدوشم بردند

رباعی

آناں کہ ز دہر جز خطر نشناسند
صد نالہ کنند و یک اثر نشناسند
ایں بست و کشاد مژہ بر روے جہاں
جز جنبش دست مویہ گر نشناسند

عدۃ ابیات من قصائدہ

قصائد

دلے دارم کز اُلفت جا دہد در دیدعمانش
محبت گر بیفشارد چکد زہرم ز داماںش
بہ دوزخ گر بر افشانند دامان ترش شاید
کہ جز سر ما نسوزد روے محبوسان زندانش
حباب موج سازد کشتی واژون گردوں را
نعالم گر بجوشد از تنور دیدہ طوفانش
ازیں سو رخنہ دیوار جنت چشم ناشورش
وزاں سو مایہ تسعیر دوزخ باد داماںش

بخنظل گیرد از دنیا بشکر در گلو ریزد
ازاں سو حوض کو ثر بیں سو حوض نعمانش

ولے با چشم زمزم ریز من تگیر آں لعلے
کہ گردد خندہ اش حوض نعماں شکر ستائش
تعالیٰ اللہ چہ شکر داشت آں لعل حیات آور
کہ گشتہ حوض نعماں قند و زمزم ماندہ تلخا نش
سکندر دولتی و پیروا و خضر و اسکندر
سویدا دشت ظلمات است و سودا آب حرمانش
خضر اما نہ تنہا خور چو یابد قطرہ آبے
سکندر لیک نے ہچوں سکندر بخت حرمانش
جو در میخانہ آید، جم بود یک جام بردارش
چو بر سجادہ شیند خضر گیرد آب دستا نش
چہ گفتم پر دہاے دیدہ جم لاے پالائش
چہ گفتم طیلسان خضر رو پاک وضو دانش
چہ دل صد شرک کراندہ بر زبانہا شکر تو حیدش
چہ دل صد کفر حرز ایمنی بردہ ز ایمانش
مجوسی ملتی و روے خوباں آذر آبادش
مسلماں سیرتے و زلف جاناں کعبہ جانش
غبارے بر سر دوش از رخ زردش بہود آسا
ز آہ حلقہ بستہ زنجیرے جو رہبانش
دمش چوں آتش نمرود ہیمہ تخت نمرودش

دلش چوں آزر و چوں پور آزر دیده بستانش
گہے در دیر پیان است با بطریق و نسطورش
گہے بر طور پیوند است با موسیٰ و عرانش
گہے در کعبہ تصحیح سور کعب احبارش
گہے در بیعہ بیعتہا است با قیس و مطرانش
گہے از ژند کرده بست و یک گاں نسک را ازبر
گہے شرح مناسک یاد از سیپاره قرآنش
برائے دیر صد تعویز برده خط تجریدش
بروے کعبہ صد لبیک رانده لب بہزمانش
کسے کیں دل دلیل اوست حاجت نیست باخضرش
کسے کیں دل ضمان اوست برکش نیست تکلانش

من القصیدة الاخری

باز بگیتی بدل گشت غنا از عنا
رنگ و گل و بوے مل یافت بہا و بہا
بہر دل زاہداں بوے مل آمد حنوط
بہر کف شاہداں رنگ گل آمد حنا
از اثر آں حنوط نفس پذیرد حیات
وز اثر آں حنا عشق برد خوں بہا
نگہت صد پیرہن ساختہ کافور صبح
رونق صد انجمن سوختہ عود مسا
چرخ کہ کافور خورد کرده جوانی زسر
زہره کہ آں عود یافت داد بدنداں جلا

فصل بہاراں مگر خاست بجنگ **فلک**
آب بپوشد زرہ سرو فرازد لوا
لالہ رنگیں قبا ابلکے سرخ پوش
سنبل اکسوں لباس دیلمی مود و تا
صحن گلستاں مگر آئینہ چرخ شد
صف سمن کہکشاں غنچہ سوسن سہا
سبزہ شبنم فشاں صولت پرویں شکست
رنگ رخ ارغواں داد بشعری جلا
ژالہ چو ماہ تمام دیدہ کاوش مقام
ماہ **فلک** را بلے دیدہ کا واست جا
گر نہ ز عید بہار گرمی ، ہنگامہ ایست
ورنہ بسیر چمن رفتہ ز سر ہوشہا
کیسہ بر آفتاب با ہمہ انوار روز
می بر داز جیب گل اقچہ شبنم چرا
ورنہ نشاط است چیست نرگس و ایں ابلہی
کو کند از شرب مے نقص بصر را دوا
فرض نمودم کہ مے شاہ ہمہ دارو است
کور نہ گردد بہ ارغورہ شودا توتیا
قرطق رنگیں برید بر بدن لالہ باد
یلمق اخضر کشید در بر غنچہ صبا
غنچہ نازک دماغ گر ندرد چوں کند
شوخ تر آمد نگار تنگ تر آمد قبا

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved ©2002-2006

گرہ سرت ساقیا جان شہیداں تو
جام گراں خیز را خیزد سبک ساز
علوی اے تازہ ہوش چند من آور بگوش
یک دو سہ ساغر بنوش با صنم خوش لقا
سورکن اے بے خبر وقت طرب آہواست
آہو ناید دگر جست چو از دام ما
صوت شباہنگ را گوش کن اینک سحر
واں کہ شب آہنگ بر ہر سحر آمد کوا
داروے بے ہوشی است ایں کہ سپہر محیل
داشتہ ز انجم کنوں از پے مالب چرا
ساقی و آں جام مے مطرب و آں بانگ نے
ساز و صراحی زوے مستی و رندی زما
توبہ دہد درد سر کو سرو خشتی از انکہ
مست و نان رفت و خشت از سردن کردوا
ساقی نو کرد جام مطرب گردو اند راہ
ہم تو بگر داں قدم از رہ دیگر درآ

بیتے چند از مثنوی کہ بر طرز گل گشتی است

در چمن بار خدایا کہ برد خانہ ما
از سر آباد کند گل گل رندانہ ما
سر بازار محبت کہ جنوں مطلوب است
باد مفت سر عشاق کہ سودا خوب است
بیدلاں جوش بہار است جنوں می باید

سر رنداں چو سر شیشہ نگوں می باید
از مے و مطرب و گل انجمنے ساز دہید
بے خودی گر ہمہ رنگ است بہ پرواز دہید
چلچراغے شدہ ہر شاخ ز گلہاے چمن
یا الہیٰ کہ شود چشم تماشا روشن
نو عروسان چمن زار ز سرکار بہار
ہمہ در بر بگر فتند قباے گل ، خار
چاک زد غنچہ گل پیرہن عریانی
کہ ضرور است دریں فصل قبا گردانی
زلف سنبل کہ فزوں باد سیہ مستی او
دام صد مرغ نظر پیرہن شستی او
نیست باور کہ بہ دلداری ، بلبل کو شد
شاہد گل ہمہ گر جامہ مصحف پوشد
رقم عیش کشد سر بسر روے زمی
نرگس شوخ بہ بر کرد لباس قلمی
صبح دام تا چہ بلا بر سر بلبل آرد
باغباں مشورتے با کلہ گل دارد
سادہ لوح است برنگ ورق زیر نگیں
چوں نگیں ہر کہ دریں فصل بود خانہ نشین
دم تاثیر ز آزادی سرو ہست ایں جا
حلقہ دام خط بال تذرو ہست ایں جا
چشم دل را بہ تماشاے چمن آب دہید

IqbalCyberLibrary.net
All rights reserved.
©2002-2006

خانه تقوی و پرہیز به سیلاب دہید
شوق گر صرفه دہد از پے نظاره گل
می تواں کرد به جامه چشم بلبل
بعد ازیں والہ گل پیرہنے خواہم شد
چوں صبا پاے چنار چمنے خواہم شد
تا نسازد رہ گلزار غلط مستانه
عشق گلبانگ زند بر قدم دیوانه
عشق کو تا خرد از عقل خراباتی را
سر بباغات دہد مردم باغاتی را
کو جنوں تا بخرابات کنم منزل خویش
از مے ناب زنم آب بروے دل خویش
در گلزار ز نم دست نگارے گیرم
نازنینے چو دل خود بہ کنارے گیرم
بخورم از لب او بوسه و آبے نخورم
خبر دل سوخته خویش کبابے نخورم
گر بہ من وا شود آں فتنه گر بے پروا
خنده بر گل زنم و وا کنمش بند قبا
در گلستان رخش آئینه تصویر کنم
از پے گم شدن خویش چه تدبیر کنم
طرح صحبت به کباب و مے و بط اندازیم
به در باغ کلیدے به غلط اندازیم
جام بر جام بنوشیم بر غم گردوں

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2002-2006

صلواتے بفر ستیم بروح مجنوں

بیتی چند از مثنوی دیگر

بود فقیہے بہ بنارس مقیم
با دل آسودہ ز امید و بیم
مرد خرد پرور و فرزانہ کار
در ہمہ فرزانگی آموزگار
مدرسہ از فیض دمش بوستاں
چوں ز سخن طبع سخن دوستاں
صحبت مردان خرد پیشہ داشت
پاک و پا کی ، اندیشہ داشت
نام زنش تلخ فکردہ مذاق
تا نزدہ حرف ز خلع و طلاق
کوثر و جنت چو روایت نکرد
از مے وہ پیانہ حکایت نہ کرد
نور خرد کردہ ز رویش ظہور
چوں مے خوش رنگ ز جام بلور
راست بکیش و بکیش ہم درست
ہم بدم و ہم بقدم گرم و چست
نقد ورع انچہ کہ دربار داشت
بستہ بشا غولہ دستار داشت
ناز دہ مژگان بتے تند خو
نقب بگنجینہ ایمان او

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

دامن زہدش نکشیدہ بخوں
خنجر مژگان و خراش دروں

غمزہ بجانش پے بازی نخاست
طرہ بے دست درازی نخاست

شانہ ریشش نگرفتہ بزور
عشق بے زلف بتے پر غرور

دل بہ صنم خانہ نیازے نہ برد
درخم ابروے نمازے نہ برد

بت بسوے سجدہ اشارت نکرد
مغبچہ تعلیم طہارت نکرد

سنگ ملامت نہ شکستہ سرش
چاک نیفگندہ جنوں در برش

مختصر اں مایہ فرہنگ و فر
بود ز عشق و فن او بے خبر

داشت دریں منزل بیم و امید
خاطر فارغ ز سیاہ و سفید

رستہ ز نیرنگی، لیل و نہار
شاد ہمیں برد بسر روزگار

تک سحر از در صنمے بے حجاب
چوں ز گریباں سحر آفتاب

دلبر ہندوے مسلماں فریب
بردہ بزلف از دل ایماں شکیب

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

نز دراں نرگس جادو سرشت
خفتہ چو روح القدس اندر بہشت
نیم نگاہے کہ بہ درویش کرد
سینہ خراشید و جگر ریش کرد
غمزہ بریں ریش خراشے فزود
لب نمک آورد براں ریش سود
ناوک مژگا سر پیکاں کشاد
خون تمنا ز رگ جاں کشا

....

علی

علی تخلص مولوی امانت علی، ساکن نواح پورب۔ مرد سیاح۔، آزاد منش، خوش اخلاق ہے۔ اثنائے تحریر تذکرہ میں راقم اس بزرگ نہاد، تقدس نژاد کی ملاقات سے شرف اندوز ہوا اور اس کی تقریب یہ ہے کہ وہ عمیم الاخلاق سعادت زیارت حضرت فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ حاصل کر کے وارد شاہجہاں آباد ہوا اور تین روز اس مسجد میں ا، کہ شرقی شہر لب دریائے جون واقع اور زینت المساجد کے نام سے مشہور ہے، قیام کیا۔ عجب مرد خدا رسیدہ اور صاحب باطن پایا۔ معلوم ہوا کہ اکثر اشعار فارسی زبان ہدایت بیان سے صادر ہوتے ہیں اور ریختہ گاہ گاہ، اس وقت جو جو اشعار کہ سامعہ نواز ہوئے تھے۔ ان میں سے یہ ایک شعر ریختہ راقم کو یاد رہ گیا:

یوں تو سب کچھ لکھا پڑھا تھا و لے
ہم ترے عشق میں بھلا بیٹھے

....

علی

علی تخلص، زبدہ خاندان سیادت، قطب علی۔ فرزند دل بندیگانہ عالم آشنائی، میرا میر علی مرحوم، نیک نہادی اور خوش اطواری میں رشک امثال اور باغ سعادت میں نونہال او مولوی عبدالکریم سوز سے تلمذ رکھتا ہے۔ یہ دو چار اشعار اس کے درج تذکرہ ہوئے:

آخر آخر ترے رونے سے اٹھیں گے طوفاں
اس کا انجام نہیں دیدہ پر نم اچھا
کل تو علی کا حال بہت ہی تباہ تھا
کیا گزری آج اس پر خدا جانے کیا ہوا
علی نے مفت اپنی جان کھوئی
لگا کر دلکو اس زلف دوتا سے
دل تنگ کیے دیتی ہے اول تو اسیری
اور اس پہ قفس تنگ ہے، صیاد غضب ہے

....

علیل

علیل تخلص ہے شیخ نصیر الدین کا، خوش مزاج، ظریف طبع، علوم رسی سے ماہر ہے۔ سنین عمر ہنوز انتیس یا تیس سے متجاوز نہیں اور رمال میں اقران و امثال سے قدم آگے رکھتا ہے۔ یہ دو شعر اس کے سنے گئے:

اب کے اچھے نہیں ہونے کے علیل
سخت بیمار ہو ہم جانتے ہیں
چھٹے بھی قید سے تو واں ملی ہے جا نشیمن کو
جہاں وسعت بقدر یک قفس ہے صحن گلشن کو

....

عیش

عیش تخلص ہے حکیم حاذق، ارسطوے وقت، لقمان دوراں، شاعر خوش کلام، سخن ور بلند مقام، صاحب ذہن سلیم و خداوند طبع قویم یگانہ جہاں حکیم آغا جان سلمہ الرحمان کا، شاہد کلام کو زیور صنایع لفظی سے بیش تر آرایش دیتے ہیں اور محاورہ بندی اور شستگی، زبان زیادہ ملحوظ رہتی ہے۔ الفاظ روشن نور مضامین سے آفتاب، سواد خط تازگی، معنی سے سبزہ سیراب۔ سبحان اللہ کیا رسائی فکر ہے کہ ہر مضمون بلند اس کے سامنے پیش پا افتادہ معلوم ہوتا ہے۔ الفاظ سے معنی تابناک کا جلوہ گویا پرتو شمع کی جھلک فانوس سے، سواد رقوم سے رنگینی، عبارت کا ظہور بعینہ سرخی، رنگ کا مشاہدہ سبزی، پر طاؤس سے۔ بیماروں کی شفا ایک معجزہ ہے کہ خامہ تقدیر نے ان کی زبان قلم میں ودیعت رکھا ہے۔ معنی جان پرور کی روح افزائی گویا اسی معجزے کا اثر ہے کہ دار الشفاے سخن وری کے بیماروں کی چارہ سازی کے واسطے پردہ الفاظ شعر سے جلوہ گر ہے۔ شیرینی فصاحت کو نمک ظرافت کے ساتھ ترکیب دے کر مذاق سامعہ کو ہر کیف سے جداگانہ لذت یاب کرنا اسی قادر الکلام کا اختراع ہے۔ یہ چند شعر شعری انکے افکار بلند، آسمان پیوند کے نتائج سے تحریر ہوتے ہیں:

مانا کہ ستم کرتے ہیں معشوق مگر آپ
جو مجھ پہ روا رکھتے ہیں ایسا نہیں ہوتا

کہتا ہے کوئی شعلہ جوالہ کوئی برق
س دل پہ گماں لوگوں کو کیا کیا نہین ہوتا

اپنے پامالوں پہ بھی رکھنی نظر کچھ چاہیے
راہ چلتے ہو چلو لیکن مری جاں دیکھ کر

اک زلف کا بل ہو تو کہوں سیکڑوں بل ہیں
پیشانی سے ابرو تلک ابرو سے کمر تک

دختِ رز کی دیکھنا سب مستیاں جھڑ جائیں گی
گر کبھی پہنچی وہ ان آنکھوں کے مستانوں تلک

واں تو ہیں ناز و ادا و عشو اور یاں ایک دل
عیش کس کس کی میں اس پر ناز بر داری کروں

افشائے راز عشق کے باعث تمھیں تو ہو
سو بے حجابیاں ہیں تمھارے حجاب میں

اے تو روز بہانے کو چاہیے دریا
کہاں سے لاؤں میں اس چشم خوں فشاں کے لیے

صلح ان سے ہمیں کیے ہی بنی
دل پہ جھگڑا تھا دل دیے ہی بنی

زہد و تقویٰ دھرے رہے سارے
ہاتھ سے اس کے مے پیے ہی بنی

لائے وہ ساتھ غیر کو ناچار
پاس اپنے بٹھا لیے ہی بنی

کس کا تھا پاس شوق ظلم کہ عیش
ان جفاؤں پہ بھی جیے ہی بنی

قدر ہی جب نہ ہو کسی کو تو پھر
کیوں کوئی جان دے کسو کے لیے

....

عیش

عیش تخلص ، رائے عزت سنگھ، منشی دفتر خالصہ شریفہ۔ جوان خوش خلق و نیک نہاد، علوم ضروری سے آگاہ اور قواعد سخن وری سے واقف، اشعار فارسی میں جناب

کمالات انتساب مولانا مخدومنا مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ سے اصلاح ہے اور ریختے میں شاہ نصیر مرحوم سے۔ یہ اشعار اس کے نتائج افکار سے ہیں:

اشعار فارسی

می دہد افسانہ شیخ و برہمن حیرتم
آخر از یک کشور است ایں مختلف اخبا رہا

تا غم عشق مہمان من است
ہمہ خون جگر بخوان من است

در خرابات جہاں آمدہ ام پے دوست
غوطہ در بحر فقط از پے گوہر زدہ ام

نرگس مست از نگاہ داد شکستے بدل
مے شکند شیشہ را تندی، صہبائے من

ریختہ

جان و دل پر عزم ہے اس چشم پر آزار کا
دیکھ کر ہر شے کو جی جلتا ہے جوں بیمار کا

رہی جب تک کہ نیچی تھا زمیں پر شور محشر کا
بنے گی کیا فلک پر، اب نگاہ یار اونچی ہے

نہ ہو پست و بلند دہر سے غافل تو اے منعم
کہیں نیچی، کہیں یہ راہ ناہموار اونچی ہے

....

باب الغین المعجمۃ

غافل

غافل تخلص ہے زبدہ سادات عظام، میر سید محمد نام کا کہ مرد سنجیدہ اور صاحب اطوار حمیدہ ہے۔ مدت ہوئی کہ حکام وقت کی طرف سے مدرسہ شاہجہان آباد میں خوش نویسوں کی سلک میں منسلک اور طلبہ مدرسہ کے خط نستعلیق کی تہذیب کے واسطے ملازم ہے۔ علاوہ اس کے زبان اردو اور ناگری کی تعلیم بھی اس جامع فنون کی ذات س متعلق ہے۔ حل لغات ناگری میں ایک کتاب مبسوط مسمی بہ مفتاح اللغات،، بہت خوب تالیف کی ہے اور علم حساب میں لیلاوتی، کا ترجمہ زبان اردو میں کیا۔ گاہ گاہ شعر کہنے کا اتفاق بھی ہوتا ہے اور تاریخ گوئی کی طرف التفات حد سے زائد ہے۔ یہ دو چار شعر صفحہ کتاب پر مرقوم ہوتے ہیں:

مبتلا عشق میں ہے کون بشر اپنا سا
دے نہ دشمن کو خدا در جگر اپنا سا

ساقی دہر نے عشرت کدہ دنیا میں
خون دل روز پلایا ہے مجھے جائے شراب

ہے یقین مجھ کو عداوت سے نہ دیتا گردوں
بخت کی جنس جہاں میں جو نہ ہوتی نایاب

کھانے کو غم جہان میں باقی نہیں رہا
پینے کو ایک قطرہ خون جگر نہیں

....

غالب

غالب تخلص، شیر نیستان سخن وری، ببر بیشہ معنی پروری، یکہ تاز عرصہ کمال، یگانہ کشور افضال، سیاح زمین سخن، دانائے نوادر فن، زبدہ کملائے جہاں۔ مرزا اسد اللہ

خاں معروف بہ مرزا نوشہ سلمہ الرحمان، سخن سنج بے مثل و نظیر اور صاحب طرز دل پذیر ہے۔ خامہ گوہر بار سے اقلیم سخن میں لوائے جہانگیری بلند کیا ہے اور یوسف معنی کو اس ہجوم، تمیزی میں زلیخا منشان مصر سخن کی نظر میں ارجمند کیا ہے۔ فضائل اگر اس قدوہ افاضل کی ذات پر تکیہ نہ کرتے۔ فضیلت نہ رکھتے اور کمالات اگر اس زبدہ کملا سے مدد نہ لیتے۔ عالم کی تکمیل کا سبب نہ ہوتے۔ سیاہی رقوم اس کی رنگینی معنی سے ہم شکل طاؤس، صفحہ قرطاس اس کے فروغ مضامین سے ہم رنگ فانوس، برق طور اگر اس کی تجلی معنی کے مقابل ہوتی، سرمہ ہوجاتی۔ شمع ایمن اگر س کے فکر کی معماری سے آسمان کے ساتھ ہم رفعت، بنائے کلام اس کی طبیعت کی مدد سے قاف کے ساتھ ہم متانت، وصف بزم میں رفتار قلم رقص ناہید کے برابر، بیان رزم میں صریر خامہ نعرہ شیر سے ہم سر۔ فکر اگر حوصلہ ہمت کے لائق جہد کرے، فضائے لامکان مرحلہ مقصود کے روبرو دیدہ مور سے تنگ تو نظر آئے، خیال اگر اندازہ قدرت کے موافق بلندی پر جائے۔ خزانہ تحت العرش کو اس جائے گاہ رفیع سے گنج قارون سے پست تر پائے۔ سخن کی فراوانی اور ہجوم معانی اور متانت تراکیب اور رشاقت اسالیب اور شوخی، اشارات اور چشتی، عبارات گاہ اجمال کی رعایت سے آفتاب کو لباس ذرہ میں جلوہ دینا اور گاہ تفصیل کے اقتضا سے تخم کو نہال کی صورت میں نشو و نما بخشنا، جدائی کو فصل اور ملاقات کو وصل کے قبیل سے ٹھہرا کر مباحث سخن میں بلاغت کے ساتھ ادا اور حشو و زوائد سے بزم کلام میں مثل صحبت زہاد اجتناب کرنا اور سی طرح اور باتیں جو لوازم سخن اور مقتضیات فن سے ہیں جسے اس ناظم کشور کمال میں مشاہدہ، ہوئی ہیں۔ کم کسی میں دیکھی گئیں، ابیاتت ریختہ عمارت ریختہ، دقائق فارسی جواہر قدس کا ریختہ۔ ہر چند اشعار ریختہ حد حصر سے خارج اور اندازہ شمار سے افزوں تھے لیکن از بس کہ کمر یار اور دہان دل دار کا مضمون زیب اشعار ہوتا ہے۔ انھیں مضامین کی رعایت سے اختصار کو پسند کیا اور چند بیتیں دلبروں کے لب کے مانند نقطہ انتخاب کے

خال سے مزین کر کے ایک دیوان مختصر مرتب کیا۔ اور مجموعہ فارسی کا تو دیوان مختصر سے بھی زیادہ اشعار پر غوغا اور ابیات بلند صدا سے مملو اور مشحون ہے۔ ریختہ میں گاہ گاہ اس تخلص بھی کیا ہے لیکن غالب اور ہر طالب اسی نام سے ہند و فارس میں اس کے نشان کا طالب ہے۔ یہ چند شعر لکھ کر چشم بند غفلت کا چارہ اور جلوہ شاہد مدعا کو آشکارا کرتا ہے:

ریختہ

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

تنگی، دل کا گلہ کہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گرمیں نے کی تھی تو بہ ساقی کو کیا ہوا تھا

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

درد منت کش دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا

تازہ نہیں ہے نشہ فکر سخن مجھے
تریا کی، قدیم ہوں دود چراغ کا

بلبل کے کاروبار پہ ہے ہاے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

تھی نو آموز فنا ہمت دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved ©2002-2006

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیش تر بھی مرا رنگ زرد تھا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں
وہ ستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

ہے اب اس معمورے میں قحط غم الفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دل میں رہے۔ کھائیں گے کیا

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

غم فراق میں تکلیف سیر گل مت دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

کون ہوتا ہے حریف مے، مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی میں ملا میرے بعد

اس لبمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا تھا
کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
نیند اس کی ہے۔ دماغ اس کا ہے۔ راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
ہیں آج کیوں زلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی ، فرشتہ ہماری جناب میں
ماننا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں
نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جراحت پر
کیا سینے میں جس نے خوں چکاں مژگان سوزن کو
بلا سے گر مژہ یار تشنہ خوں ہے
رکھوں کچھ اپنے بھی مژگان خوں فشاں کے لیے
نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہے
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے
ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیابات کر نہیں آتی
نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا پر اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

اشعار فارسی

محو کن نقش دوئی از ورق سینۂ ما
اے نگاہت الف صیقل آئینۂ ما

وقف تاراج گم تست چہ پیدا چہ نہاں
ہمچو رنگ از رخ ما رفت دل از سینۂ ما

سخن کوتہ مرا ہم دل بہ تقوی مایل است اما
ز ننگ زاہد افتادم بہ کافر ماجرائی ہا

ز درد دل کہ افسانہ درمیاں آید
بہ نیم جنبش سری تواں فریفت مرا

بیک دو شیوہ ستم دل نمی شود خرسند
بہ مرگ منکہ بہ سامان روزگار یا

ہلاک شیوہ تمکین مخواہ مستان را
عناں گستہ تر از باد نو بہار بیا

وداع و وصل جداگانہ لزتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

بپا یان محبت باد می آرم زمانے را
کہ دل عہد وفا نابستہ وادم دلستانے را

زمن گزبے خودی در وصل رنگ از بوے نشناسم

بہر یک شیوہ نازش باز می خواہد جوابش را
جہاں از بادہ و شاہد بداں ماند کہ پنداری
بہ دنیا از پس آدم فرستادند مینورا
بردہ صد اربعین بسر بر سرصد ہزار خم
گر بہ نہی بہ آفتاب بادہ چکدز خشت ما
با اضطراب دل ز ہر اندیشہ فارغم
آسایشے ست جنبش ایں گاہوارہ را
یا بندہ خود این ہمہ سختی نمی کنند
خود را بزور بر تو مگر بستہ ایم ما
فرمان درد تا چہ روائی گرفتہ است
صد جا چونے بہ نالہ کمر بستہ ایم ما
رسیدن ہاے منقار ہما بر استخواں غالب
پس از عمرے بیادم داد رسم و راہ پیکاں را
درکشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن
ایں کہ من نمی میرم ہم ز ناتوانی ہاست
غالب زباں بریدہ و آگند گوش نیست
اما دماغ گفت و شنودش نماندہ است
عقل در اثبات وحدت خیرہ می گردد چرا
ہرچہ جز ہستی ست ہیچ و ہرچہ جز حق باطل است
جوش حسرت بر سر خاکم ز بس جا تنگ کرد
ہمچو نبض مردہ دود شمع جنیدن نداشت
دوستاں دشمن اند ورنہ مدام
IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2002-2006

تیغ اور تیز و خون ما ہدر است
کم خود گیر و بیش شو غالب
قطرہ از ترک کویشتن گہر است
گہ رخ آرائی و گہ زلف سیہ تاب دہی
یاد ناری کہ مرا تیرہ سر انجامی ہست
گیرم کہ رسم عشق من آوردہ ام بہ دہر
ظلم آفریدہ دل حق ناشنس کیست
رند ہزار شیوہ را طاعت حق گراں نبود
لیک صنم بہ سجدہ در ناصیہ مشترک نخواست
نشاط جم طلب از آسمان نہ شوکت جم
قدح مباش ز یاقوت بادہ گر غنی ست
نازم بہ امتیاز کہ بگزشتن از گناہ
یا دیگراں ز عفو و بما از غرور بود
درغلہ دشنہ نہاں ساختہ غالب امروز
مگذاریدکہ ماتم زدہ تنہا ماند
مے بزہا دمکن عرض کہ ایں جوہر ناب
پیش ایں قوم بہ شوار بہ زمزم نرسد
بہ التفات نگارم چہ جاے تہنیت است
دعا کنید کہ نوعے ز امتحان نبود
نازم فریب صلح کہ غالب زکوے تو
ناکام رفت و خاطر امیدوار برد
سرت گردم اگر پاے نزاکت درمیں بہبود

تنہا ز لاغری صد خوردہ بر موے کمر گیرد

خون ہزار سادہ بگردن گرفتہ اند
آنا نکہ گفتہ اند نکویاں نکو کنند

دید پر ریختہ و از قفسم کرد آزاد
رحم در طینت ظالم ستم ایجاد آمد

آزادیم نخواہی و ترسم کزیں نشاط
بالم بخود چناں کہ نہ گنجم بہ بند تو

باہیچ کافر ایں ہمہ سختی نمی رود
اے شب بمرگ من کہ تو فردائے کیستی

بگوشیم می رسد از دور آواز درا امشب
دل گم گشتہ دارم کہ در صحرا ست پنداری

چہ گویم از دل و جانے کہ در بساط من است
ستم رسیدہ یکے نا امیدوار یکے

یابم ز دل برد کافر ادائے
بالا بلندے کوتہ قبائے

اکنوں خود از وفائے تو آزاد می کشم
رفت آں کہ از جفائے تو فریاد کردے

....

غالب

غالب تخلص، انور علی۔ متوطن پورب۔ ملازم نواب فیض محمد خاں والی، جھجر۔ نوشت خواند میں ملکہ حسب دل خواہ حاصل تھا اور خوش الحانی میں بے نظیر اور صلاح اور تقوے میں بے عدیل، بہ سبب موزونی طبعی کے شعر گوئی کی طرف

راغب۔ یہ دو تین شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں:

کام تو سو طرح نکل آئے
کوئی جانے بھی مدعا دل کا

آہ کیجئے کہ نالہ وہ پرفن
نہیں ہوتا ہے آشنا دل کا

ہم تو غالب کے بھی قائل ہیں کہ جا ہی پہنچا
پاس اس بت کے کسی ڈھب کسی عیاری سے

....

غریب

غریب تخلص، غریب اللہ، ساکن شاہ آباد، مدت سے وارد شاہ جہان آباد و طالب علمان فارسی خواں سے ہے۔ اول مومن خاں مومن مرحوم کو غزل ریختہ دکھاتا تھا، اب اپنے طور پر داد سخن وری دیتا ہے۔ کئی مہینے ہوئے کہ عہدہ منشی گری، پلٹن انگریزی پر مامور ہو کر کسی طرف راہی ہوا ہے۔ گاہ گاہ اشعار طبع زاد خط کے وسیلے سے جناب مستطاب مولوی امام بخش کی خدمت میں اصلاح کی توقع پر بھیجتا ہے۔ لیکن جناب موصوف کسی مصلحت سے ان اشعار کو اسی طرح مسلم رکھ کر دو تین فقرے تعریف میں لکھ کر بھیجتے ہیں۔ اتفاقاً چند شعر اس کے کسی کاغذ پر لکھے ہوئے مل گئے۔ ان میں سے یہ دو تین شعر اس مقام میں تحریر ہوئے:

مفت میں پامال اعدا ہو گیا تو اے غریب
ہم تو سمجھاتے تھے کوے دل ربا میں تو نہ جا

انکو دل دے کے کوئی کیا خوش ہو
دل ربا دل بری نہیں کرتے

خضر و عیسیٰ وہ جام آب حیات

لب سے کچھ ہم سری نہیں کرتے

....

غفور

غفور تخلص، محمد غفور کشمیری، باشندگان شاہ جہان آباد کے سامنے اپنے آپ کو شاگرد ناسخ قرار دیتا تھا اور کبھی تلمیذ آتش کا، اور بعض واردان لکھنو سے معلوم ہوا کہ اس سرزمین میں شاہ نصیر مرحوم کی شاگردی کا دم بھرتا تھا۔ میرے نزدیک اس کا کلام اس پایے میں نہیں کہ اس کے تلمذ کی نسبت کی طرف کی جائے۔ یہ شعر اس کا یاد تھا:

آجا ئے غفو کچھ نہ آفت
تم خیر سے جلد گھر سدھارو

....

غلطان

غلطان تخلص، کریم بخش، ساکن موضع کرانہ۔ مرد معمر، درویش طینت، وارستہ مزاج، فن شعر میں شیخ ابراہیم ذوق سے مستفیض، یہ دو تین شعر اس کے سنے گئے:

جب مچلتے ہیں طفل اشک تو پھر
سر پہ رو رو کے گھر اٹھاتے ہیں
خدا ہی جو اس بت کا بندہ ہو ناصح
سنا ہے کہ ایسا ہوا چاہتا ہے
آج تک مجھ کو رہی آنیکی کل پر ہے امید
اک قیامت ہے ترا وعدہ فردا کیا ہے

....

غم

غم تخلص، محمد الف خان، خلف اصالت خان رسالہ دار مرحوم، ساکن عرب سرا،

اور وہ ایک معمورہ ہے کہ شاہ جہان آباد سے تین کوس کے فاصلے پر مزار پر انوار حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز کے جوار میں واقع اور محل سکونت شرفا تھے۔ مدت دراز سے قصبہ کول ضلع علی گڑھ میں قیام پذیر اور محمد فیض احمد خاں کی سرکار میں کہ قصبہ مذکور کے اطراف و جوانب میں کسی آبادی کے روسا میں سے ہے۔ ملازم ہے ۔جودت فکر اور رسائی ذہن اس کے کلام سے ظاہر ہے۔ یہ تین چار شعر اس کے ایک آشنا نے لکھ بھیجے تھے:

ایک جھگڑا ہے کہ چلتا ہی کسی طرح نہیں
دم الجھتا ہے تری شوخی ، بے جا سے مرا
خاطر ہے اگر آپ کو دشمن کی تو بہتر
تم خوش رہو ان سے ہی ہمارا بھی خدا ہے
غم ترے اتنے تغافل سے موا جاتا ہے
تو اگر آئے تو اس میں ترا کیا جاتا ہے
نزع کے وقت ز بس شوق ہے نظارے کا
دم سمٹ کر مری آنکھوں میں کھچا جاتا ہے

....

غم

غم تخلص، مہتاب سنگھ، قوم کالیتھ، شاگرد شاہ نصیر مرحوم، اول سرکار بادشاہی میں سلک متصدیان علاقہ بخشی گری میں نوکر تھا۔ پھر ترک روزگار کر کے لاہور میں جا کر امرائے سرکار راجا رنجیت سنگھ میں سے کسی امیر کی رفاقت میں رہا اور وہیں راہی ،ملک عدم ہوا۔ یہ چند شعر اس کے مسموع ہو:

طاقت اٹھنے کی نہیں ہے ورنہ میں بھی اے صبا
ساتھ تیرے اک چمن کیا دشت و در کو روندتا

اک دن تو غم کے حال پہ الفت سے کر نظر
اتنا نہیں ہے خوب ستانا غریب کا
اک قطرہ میں ہمسے ہی ساقی ہے در گزر
ورنہ ہم اک کو تو نے سبو کے سبو دیے
ناخن کے بدلے خار ہی دیتا ہمیں وہ غم
جس نے گلوں کو باغ میں سو رنگ و بو دیے
صیاد بے خبر ہی رہا اور قفس سے ہاے
ٹکرا کے سر کو بلبل ناشاد مرگئی

غمگین

غمگین تخلص، مولوی عبدالقادر، متوطن رام پور، فاضل جلیل القدر او عالم بے بدل تھا۔ تمام علوم متداولہ خدمت میں اعلم العلماء افضل الفضلاء اکرام کرام، اعظم عظام، مفتی شرف الدین رام پوری غفراللہ کی تحصیل کیے۔ مزاج باوجود پیرانہ سری کے ظرافت پسند اور فکر باوجود ضعف پیری کے قوی۔ ہر چند طول تقریر کا سر رشتہ لا تنقطع تھا۔ لیکن نہ سامع کو اس کے تکلم کے وقت ملامت سے انتساب اور نہ کھیر کو اس کے مائدہ کلام پر بگلے کی صورت میں انقلاب، مدت مدید مراد آباد میں عہدہ جلیلہ صدر الصدوی پر ماموراور کارگزاری اور امانت کے ساتھ مشہور رہا۔ اتفاقاً ایک بار حاکم بالا دست کی ناقدردانی سے خاطر نازک کو گرانی بہم پہنچی اور سر رشتہ تعلق کو منقطع کر کے کنج عزلت میں انزوا اختیار کیا۔ حافظ شیرازی کی غزل کے مخمس کا ایک بند کہ اس کے نتائج افکار سے ہے۔ اس مقدمے پر دال اور اہل کمال کے رتبے نہ شناسی کے بیان سے مورث ملال ہے:

خدمتیں ساری فراموش شکایت اک یاد
شبہے میں ایک خطا کے ہمہ نیکی برباد

بندگی صاحب من خانہ نیکی آباد
گر نہا دت ہمہ اینست زہے نیک نہاد
در سرشستت ہمہ اینست زہے نیک سرشت

گاہ گاہ ریختہ اردو گویان قدیم کی وضع پر کہتا۔ یہ دو تین شعر اسکے سر دست یاد تھے۔

جو مے رہی نہ۔ تو شیشہ جھکا کے ساقی نے
کہا یہ رندوں سے لیجے سلام شیشے کا
مہ کر نہ سکا سامنے منہ اس کے تو ہرگز
اب ہم سے ہوا چاہے ہے گھٹ گھٹ کے برابر
عادت سے اپنے ہاتھوں کے ہم کو نہیں امید
لپٹے رہیں نماز تلک بھی کفن میں ہم

....

غمگین

غمگین تخلص، میر عبداللہ پسر میر حسین تسکین غفر اللہ لہما۔ جوان خوش رو۔ نیک خصائل، پسندیدہ اطوار، برگزیدہ شعار تھا۔ حیا آئینہ پیشانی میں اس طرح جلوہ گر تھی جیسے گوہر میں آب، شوخی انکھوں میں اسطرح گنج نشیں جیسے آنکھوں میں شراب۔ قامت دیوان سعادت کا مصرعہ۔ دل گلبن مروت کا غنچہ، سخن کو اس کی طبع سے ایسی مناسبت جیسے گویائی کو نرگس خوباں سے۔ موزونی کو اس کی ذات سے ایسا تعلق جیسے رعنائی کو قامت محبوباں سے۔ ہر چند سرمایہ علمی سے چنداں بہرہ نہیں تھا۔ لیکن استعداد ذاتی اور موزونی فطری سے سخن میں رنگینی اور دل ربائی کا یوں ہجوم تھا جیسے ہنگامے میں تماشائیوں کا۔ اتفاقات قضا و قدر سے خاک شاہ جہان آباد سے دل برداشتہ ہو کر رام پور میں اپنے پدر مشفق کے پاس چلا گیا۔ چند روز اقامت کو

ہوئے تھے کہ فلک بے مہر نے ایسے گلبن نو شگفتہ کو نہ چاہا کہ ہر کسی کی نظر میں جلوہ گر رہے۔ عین ہنگامہ نشو و نما میں اس نونہال گلشن عمر کو گل زمین تقریر سے خارج ہے۔ دیدہ احباب کی کیا محرومی ہے کہ ایسے اور خاک شور کی کیا قسمت ہے کہ ایسے شمشاد چمن زار خوبی کو یوں آغوش میں لے:

صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں
ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

یہ شعر اس نسخہ کمال کے بطریق یادگار لکھے جاتے ہیں کہ اگر آنکھیں اس معنی نایاب کی رنگینی سے بہرہ ور نہ ہوں۔ بارے گوش ہی اس کے صریر قلم سے آشنا رہے:

شور بختی نے مزا زور چکھایا دل کو
نالہ سو زخم جگر پر نمک افشاں نکلا
حشر میں فریاد کیا کرتا مجھے یاد آ گیا
قہر آلودہ نگہ سے دیکھنا جلاد کا
وہ خبر ہی جاں گدا تھی جس کو سن کر مر گیا
ورنہ اک تیشے سے ہوتا کام کیا فرہاد کا
امت نوح پہ طوفان ہی آیا یارو
شکریہ ہے کہ مرا دیدہ خوں بار نہ تھا
ہر چند رشک ہے پہ نبی اب تو جان پر
تو ہی صبا الٹ کہیں گوشہ نقاب کا
آتے ذرا ور تو ہی چلے تھے ہم
تم نے یہ کہہ دیا کہ ہمیں کچھ خبر نہیں
عدو سے کیوں ہنسے تم جو اٹھایا اس نے طوفاں کو

بہانہ ہو گیا رونے کا میری چشم گریاں کو

کمی کریں جگر و دل تو کیا کروں یا رب

کچھ اور دے مجھے مژگان خوں فشاں کے لیے

اب آیوں ہی مرے سینے سے لگ جا

گرہ وا ہو چکی بند قبا کی

میں دیکھوں دل سے باقی کیا رہا گر

لہو تھم جاۓ چشم خوں فشاں سے

چاہیے تھا کوئی مرنے کا بہانہ دل کو

تم چلے روٹھ کے اب دیکھیے کیاہوتا ہے

کی مری مٹی عزیزوں نے خراب

ہاۓ لا کر خانہ خمار سے

باب الفاء

فاخر

فاخر تخلص، شیر بیشہ مردانگی، فارس مضمار فرزانگی، تہور پناہ، شجاعت دست گاہ۔ زیدہ ارباب فہم و ذکا، مرزا چھنگا، قوم مغل، نجابت کو اس کی ذات سے افتخار اور شرافت کو اس کی صفات سے اعتبار، مروت کو اس کی طبیعت کے ساتھ ایسا ارتباط جس طرح موج کو دریا سے، اور حیا کو اس کی پیشانی سے ایسا اختلاط جیسے آب کو آئینہ مصفا سے۔ حلم کے اثر سے حرف درشت اسکی زبان پر ملایم، استقامت کی تاثیر سے نقش اس کے قدم کا صفحہ آب پر قائم، استقامت کی تاثیر سے نقش اس کے قدم کا صفحہ آب پر قائم۔ سخن کیساتھ مناسبت طبعی اور موزونی کی طرف التفات جبلی ہے۔ سرو اسکے قلم کی مشابہت سے موزونی کے ساتھ منسوب، صبا اس کے انفاس کی مناسبت سے خاطر گلی میں محبوب۔ سطر اس کے سخن کی کیفیت معنی سے موج مل۔

دو اثر اس ے حروف کے رنگینیِ مضمون سے غنچہ گل۔ علم سے بقدر ضرورت سرمایہ فراہم رکھتا ہے۔ اور ایسے صفات حمیدہ کی پیش مانگی پر جنس غرور کم رکھتا ہے۔ کمال صداقت سے راقم کے ساتھ رقم اور الفاظ کی طرح وفاق اور حروف و نقش کے مانند اتفاق ہے۔ میں اس کے سلوک برادرانہ سے سپاس دار اور اس کی محبت تہ دلی کا شکر گزار رہتا ہوں۔ اس گہ چند شعر اس کے طبع زاد لکھ کر سامعان سخن سنج کو مسرور کرتا ہوں:

لب ہی تک آ کے پھر گیا نالہ
ورنہ کیا جانے کیا سے کیا ہوتا

میری گردش سے سب کو ہوتا فیض
میں اگر سنگ آسیا ہوتا

وشت الفت میں خضر کا کیا کام
کوئی دیوانہ رہنما ہوتا

اب شکایت سے فائدہ فاخر
دیکھ کر تم نے دل دیا ہوتا

کس سبزہ رنگ کا ہے تعشق کہ زخم پر
جو کچھ رکھا وہ مرہم زنگار ہو گیا

تھا دل میں بوسہ سونے میں لیجئے پہ کیا کہیں
سونے نصیب یہ کہ وہ بیدار ہو گیا

تیرے کوچے میں آن بیٹھے ہیں
ہم نے بھی ڈھونڈ اک مقام لیا

پاس بدنامی تھا کس پردہ نشیں کا کہ مدام
اپنا آزار چھپاتا ہیہ بیمار رہا

آگ میں کوئی کسی کی نہیں پڑتا سچ ہے
دور تجھ سے اثر اے آہ شرر بار رہا
منہ چھپاتا یا نہ کبھی اس نے پہ موسی کی طرح
غش ہمارا ہی نقاب رخ دل وار رہا
آغوش میں ہے او ر یاں جرات نہیں ادب سے
اس اختیار پر کیا بے اختیار ہیں ہم
جنت ملی ہے اجر محبت میں پر ہے خوف
جوں کوے یار یاں بھی کہیں آسماں نہ ہو
واعظ کے منہ سے کس کو گوارا ہو طعن و طنز
گر اس سخن میں حرف بت دلستان نہ ہو
ہے پاے بد گمانی بھی کتنا رسا کہ وہ
پہنچے ہے واں جہاں کا کسی کو گماں نہ ہو
ایسا جلا کہ خاک بھی باقی نہ کچھ رہے
اے سو ز عشق سعی تری رائگاں نہ ہو
اس گرد میں ہے، پیرہن یار کی سی بو
اے شوق دیکھ مصر کا یہ کارواں نہ ہو
آجاؤ تم وگرنہ تھمے گا نہ مجھ سے دل
جاتی رہی ہے بات مرے اختیار سے
کس کی ہیں غمازیاں یا رب کہ اس سے راز دل
شب کو پوشیدہ کہا اور صبح دس میں شور ہے
خم کے خم پی تو چکا ہوں پہ یہ کہتی ہے ہوس
کہ نہ رہ جائے سبو میں کوئی قطرہ باقی

نہ کھلا غنچہ دل باغ جہاں میں فاخر
رہ گیا ایک صبا سے بھی یہ عقدہ باقی

....

فایز

فایز تخلص ہے ایک شخص کا ساکنان کول سے، موطن و ماوا اس کے بزرگان والا تبار کا سبزوار اور اس کے پدر بزرگ وار کا نام نظام الدین ہے۔ مرد خوش خلق، نیک نہاد ہے۔ سن چوبیس سے متجاوز نہیں۔ یہ اشعار کے افکار سے ہیں:

کیا خطر ہے تابش خورشید محشر سے مجھے
آہ سوزاں کا دھواں اک سایباں ہو جائے گا

حضرت فایز نہ سمجھے ہم بہت کہتے رہے
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

خیر ہے فایز کہو تو کیا ہوا کیا حال ہے
کو بہ کو کس واسطے پھرتے ہو دیوانے سے آج

....

فایق

فایق تخلص، مرزا عبدالقادر بیگ، ابن مرزا احمد بیگ ابن مرزا محمدی بیگ، قوم مغل، اصفہانی الاصل ہے۔ سکونت قدیم سے حویلی اعظم خاں میں صورت پزیر ہے کہ وہ بالفعل ایک محلّہ ہے محلات شاہجہان آباد سے، آبادی میں بے مثل و نظیر، مدت سے زمرہ سواران سرکار نواب بہادر جنگ خاں بہادر والی، بہادر گڑھ میں منسلک ہے۔ باوجود عمر سی سالہ کے کہ عین ایام شباب ہے۔ حلم اور بردباری و اخلاق حمیدہ پیران صد سالہ سے زیادہ اور صفحہ نقش رعونت سے سادہ ہے۔ یہ دو شعر اس کے سنے گئے:

فائق عبث ہے تجھ کو شکایت سپہر سے
کون اس کے دور میں نہیں اندوہ گیں رہا
پینا ہے مے جو محفل رنداں میں ت پے
ہم بن اگر پیے تو ہمارا لہو پیے

....

فخر

فخر تخلص، محمد فخر الدین خان متوطن شاہجہانپور، ارباب اعتبار اور صاحبان اقتدار میں محسوب اور حسن اخلاق اور عموم وفاق سے طبائع احباب میں مرغوب ہے۔ شیرنی سخن کو نمک ظرافت سے ترکیب دے کر مذاق ارباب وفاق کو لذت تازہ بخشی ہے۔ موزونی کلام طبعی اور ذوق سخن جبلی ہے۔ یہ دو شعر اس کے ہیں:

ہم سے کچھ او ہی ہے دل میں کدورت تجھ کو
یوں تو کہنے کو تو اے شوخ کسی کا نہ ہوا
بے خودی سے ہے غرض کون ہے مے کا طالب
چشم ساقی تو ہے گو ساغر صہبا نہ ہوا

فخر

فخر تخلص، جوان متین محمد فخر الدین۔ کہین برادر محمد احسان اللہ مخبر تخلص، ساکن شاہجہان آباد اور بالفعل مہین برادر کے پاس میرٹھ میں مقیم ہے۔ طبیعت رسا اور ذہن مستقیم۔ اصلاح ریختہ اپنے برادر شفیق سے لیتا ہے۔ یہ اشعار اسکے افکار سے ہیں:

کفر و دیں کو تہ و بالا رخ و کاکل نے کیا
پیچ سے ان کے نہ کافر نہ مسلماں نکلا
یہ دل ناداں کہ نازاں اپنی ہشیاری پہ تھا

پھنس گیا جنجال میں زلف چلیپا دیکھ کر
اک اسی کے جلوے سے محروم ہیں ہم ورنہ فخر
اس تماشاہ گاہ سے جائیں گے کیا کیا دیکھ کر

....

فدا

فدا تخلص، مرزا بلند بخت، ابن مرزا بخت بہادر دام اقبالیہ۔ بزرگ برادر حقیقی اس راقم آثم کے اور تلمیذ باتمیز جناب فیض ماب مولانا مخدومنا مولوی امام بخش صہبائی مدظلہم کے ہیں۔ سخن فہم، نیک نہاد، متانت ان کی وضع کی خانہ زاد۔ یہ چند شعران کے ثمرات طبع سے انتخاب ہوئے:

حشر میں پرسش مری پہلے ہو یارب ورنہ میں
جب تلک چپکا رہوں گا جی مرا گھبرائے گا
خاک ہو جائے گا جلکر اک نہ اک دن دیکھنا
سوز پنہاں سے رہے گا دل سلامت کب تلک
مجھ سے مل جائے جو وہ غنچہ دھن آگے فدا
اپنے جامے میں وہ پھولوں کہ سماجی نہ سکوں
جان باز زمانے میں کوئی ہووہ فدا سا
جو تیر کے پیکاں کو کلیجے سے لگا لے

....

فدا

فدا تخلص، مرزا سکندر بخت ابن مرزا منور بخت خلف مرزا فیروز بخت ابن شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برہان شاگرد مرزا پیارے رفعت تخلص۔ یہ چند شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں:

مجھ ناتواں کو سانس بھی لینا محال ہے
پہنچے کی خاک میری دعا آسماں تلک

نہ آیا کوچہ قاتل سے پھر کو
الٰہی ہو گیا کیا نامہ بر کو
فلک بہتا پھرے گا بلبلہ سا
نچوڑا میں نے گردا مان تر کو
تمھیں آؤ تو آؤ ورنہ ہم تو
اٹھا سکتے نہیں بالیں سے سر کو

....

فراسو

فراسو تخلص، فراسو صاحب۔ قوم انگریز، بیگم شمرو کا متبنیٰ۔ آزادانہ زیست کرتا تھا۔ یہ شعر اسکا ہے:

قمری کے مانند وہ پہنے محبت کا طوق
باغ میں گر قد ترا سرو کو دکھلایئے

....

فراق

فراق تخلص، جالینوس فطرت، طبیب بقراط فطنت، خادم فقرائے باب اللہ، مخدوم کملائے دانش دستگاہ، متکی ارائک قصور جناں، حکیم ثناء اللہ خاں تغمدہ اللہ بغفرانہ واسکنہ بجوحۃ جنانہ، اس بزرگ نہاد کو ارباب فہم درست و اصحاب عقل سلیم نے ثقات شعرا اور اساتذہ فن سے قرار دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ سخن کو طرز نوبخشی اور معنی کو بلندی، تازہ عطا کی۔ شعرائے نامی کے ساتھ ہمیشہ مطارحہ کرتا اور صحبت شعر میں ارباب علم کا مشار الیہ اور اہل کمال کا ممدوح رہا۔ سخن ورتو اتقدس نہاد کا ادنیٰ وصف

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

ہے۔ دقائق علوم اور غوامض فہوم اس جناب کے دقت فہم سے ایسی کشائش پاتے جیسے غنچہ نسیم راحت انگیز سے اور عقدہ مالا ینحل اس حلال مشکلات سے اس طرح حل ہوتا جیسا رزیر زاتش ریز تیز سے۔ صاحب دیوان اور انواع سخن پر قادر اور اصناف کلام پر مقتدر رہتے۔ اخیر عمر میں ترک سخن سنجی فرما کر سال میں ایک بار سلام جواہر سلک کرتے اور اپنی شاعری کو صرف اس نظم سعادت مضمون میں منحصر کیا تھا۔ یہ اوصاف ظاہری ہیں کہ زبان خامہ ان سے آشنا ہوئی، اگر باعتبار صفائی عقیدت اور کمالات باطنی اور رقت قلب اور دل داری، آشنا و بیگانہ اور اجرائے کار مردم اور علائے کلمہ الحق کے زمرہ اولیاء و اصفیا میں شمار کریں تو عجب نہیں۔ دیوان بلاغت عنوان سے یہ شعر منتخب ہوئے:

جو کچھ کہ دیکھتا منہ پر ہے صاف کہہ دیتا
فراق بندہ ہوں آئینے کی صفائی کا

یہ رنگ آئنہ رہتا ہوں روز و شب حیراں
خدا ہی جانے کہ ہوں محو کس کی صورت کا

جہاں نظر کی ہر اک نو اک خار ہے پر خوں
یہ کون دشت میں ایسا برہنہ پا گزرا

جوں ریگ رواں خاک نشیں ہوں میں ازل سے
نے قصد وطن کا نہ ارادہ ہے سفر کا

بعد مرنے کے بھی اک گردش رہی ہم کو مدام
مشت خاک اپنی رہی تھی کچھ تو پیانہ بنا

دل تھامنا کہ چشم پہ کرتا تری نگاہ
ساغر کو دیکھتا کہ میں شیشہ سنبھالنا

چمن کی سیر کو آجاتے ہیں کبھو گلچیں

دماغ کس کو ہے یاں آشیاں بنانے کا

یہ غم ہے ساغر و مینا مجھے کہ میرے بعد
ذرا بھی تم کو کوئی منہ نہیں لگانے کا

مت آنکھ لڑا سے فراق اب بھی کہامان
کہتاہوں تجھے میں مجھے الزام نہ دینا

زلفوں کا بہا ہی رہے جس کو سداد یاد
پھر ہم سے غریبوں کو کرے اس کی بلایاد

تھا دل میں کچھ کہوں گا پہ جاتے ہی روبرو
میری زبان ہوگئی بے اختیار بند

کس زلف کا شیدا ہے مرا دل نہیں معلوم
کس چشم کازخمی ہے یہ بسمل نہیں معلوم

یہ دل ہی ہے ہمارا جو اس کے ہو مقابل
منہ دیکھو آئنے کا جو اس کے روبرو ہو

کبھوتو زلف میں لے جائے ہے کبھو خط میں
پھرے ہے ساتھ لیے دل کہاں کہاں مجھ کو

ٹھوکر کے سوا چلتے نہیں، ان کی بلا سے
پامال کوئی شخص ہو، برباد ہو کوئی

گل رو تو کسی طرح نہیں ہوتے ہیں اپنے
کاہے کا فراق ان کے لیے خوار ہو کوئی

آنکھوں میں کھب رہا ہے اے سرو ناز اب تک
دامن اٹھا کے چلنا تیرا نزاکتوں سے

……………………………

فراق

فراق تخلص، میر حیات اللہ، ساکن گلاوٹھی، نوجوان صالح، خوش مزاج، تقریب طالب علمی سے وارد دہلی و شب و روز تحصیل کمال میں مصروف، یہ دو تین شعر اس کے نتائج افکار سے پیش نظر تھے، سو درج تذکرہ ہو۔

مصحف رخ کی ترے یاد ہمیں رہتی ہے
مرتے دم آ کے کیا اور پشیمان ہم کو
باغ جنت کی بھی خواہش نہ کریں ہم تو فراق
ہاتھ آ جائے اگر کوچہ جاناں ہم کو

....

فرحت

فرحت تخلص، محمود علی خاں، خلف جناب مستطاب، حکیم نصر اللہ خاں وصال تخلص، نوجوان خوش اسلوب اور وجاہت ظاہری سے بہرہ مند، تحصیل علم کی طرف متوجہ۔ گاہ گاہ فکر شعر بھی خاطر مشتغل کا دامن گیر ہوتا ہے۔ یہ چند شعر اس کے افکار سے ہیں:

کثرت لاغری سے اے ہم دم
ہو گیا ہوں میں تار بستر کا
اس نے تو نامہ بر کو کیا قتل اور مجھے
ہر لحظہ انتظار ہے خط کے جواب کا
میں نے ہی بزم غیر میں کی شب کو مے کشی
میری ہی آنکھوں میں تو نشہ ہے شراب کا
لے جلد تو خبر کہ کچھ اب شام سے ہی آج
ہے حال بے طرح ترے خانہ خراب کا

مدت سے وہ تو بندہ فرماں ہے آپ
فرحت سے کیا سبب ہے کہو اجتناب کا

عاشق تو سبھی ہوتے ہیں دنیا میں عزیزو
پر میری طرح سے کوئی رسوا نہیں ہوتا

....

فرحت

فرحت تخلص، بشن پرشاد، قوم کایتھ، ساکن شاہجہان آباد، خلف گوبند پرشاد، نبیرہ راجہ کنول نین، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔ یہ شعر اس کا مسموع ہوا:

یارو، جب تک جواب خط آئے
اور دو چار خط لکھو بیٹھے

....

فرحت

فرحت تخلص، شیخ حسین علی شاگرد مرزا نیاز علی بیگ،

یہ شعر اس کا سنا گیا:

جب سے دیکھا ہے قد بالائے یار
سرو کو خاطر میں کب لاتے ہیں ہم

....

فراق

فراق تخلص، میر حیات اللہ، ساکن گلاوٹھی، نوجوان صالح، خوش مزاج، تقریب طالب علمی سے وارد دہلی و شب و روز بتحصیل کمال میں مصروف، یہ دو تین شعر اس کے نتائج افکار سے پیش نظر تھے، سو درج تذکرہ ہو۔

مصحف رخ کی ترے یاد ہمیں رہتی ہے

مرتے دم آکے کیا اور پشیمان ہم کو
باغ جنت کی بھی خواہش نہ کریں ہم تو فراق
ہاتھ آجائے اگر کوچہ جانا ہم کو

....

فرحت

فرحت تخلص، محمود علی خاں، خلف جناب مستطاب، حکیم نصر اللہ خاں وصال تخلص، نوجوان خوش اسلوب اور وجاہت ظاہری سے بہرہ مند، تحصیل علم کی طرف متوجہ۔ گاہ گاہ فکر شعر بھی خاطر مشتغل کا دامن گیر ہوتا ہے۔ یہ چند شعر اس کے افکار سے ہیں:

کثرت لاغری سے اے ہم دم
ہو گیا ہوں میں تار بستر کا
اس نے تو نامہ بر کو کیا قتل اور مجھے
ہر لحظہ انتظار ہے خط کے جواب کا
میں نے ہی بزم غیر میں کی شب کو مے کشی
میری ہی آنکھوں میں تو نشہ ہے شراب کا
لے جلد تو خبر کہ کچھ اب شام سے ہی آج
ہے حال بے طرح ترے خانہ خراب کا
مدت سے وہ تو بندہ فرماں ہے آپ
فرحت سے کیا سبب ہے کہو اجتناب کا
عاشق تو سبھی ہوتے ہیں دنیا میں عزیزو
پر میری طرح سے کوئی رسوا نہیں ہوتا

....

فرحت

فرحت تخلص، بشن پرشاد، قوم کائیتھ، ساکن شاہجہان آباد، خلف گوبند پرشاد، نبیرہ راجہ کنول نین، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔ یہ شعر اس کا مسموع ہوا:

یارو، جب تک جواب خط آئے
اور دو چار خط لکھو بیٹھے

....

فرحت

فرحت تخلص، شیخ حسین علی شاگرد مرزا نیاز علی بیگ،

یہ شعر اس کا سنا گیا:

جب سے دیکھا ہے قد بالائے یار
سرو کو خاطر میں کب لاتے ہیں ہم

....

دل تو ہم دیں گے اس ستم گر کو
وہ بھی سمجھے اسے اگر اپنا
ہم سے تو کچھ کہا کر دل دل میں مت گھٹا کر
آخر فروغ تیرے مدت کے یار ہیں ہم
رنج دینے لگی وفا دل کو
اپنے انداز تو سکھا دل کو
کیوں نہ ہر دم گرے وہ برق نگاہ
اس نے سمجھا ہے آئنہ دل کو
ایک الجھاو اس کی زلفوں کا
سو بلا کا ہے سامنا دل کا

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

دل تو نہیں دیا کچھ تو کہو فروغ اب
ہے ربط ان دنوں میں کیوں نالہ و فغاں سے
کوئی مر جائے درد فرقت سے
تم تو بیٹھے رہو فراغت سے
کبھی بوسہ نہیں بغیر نہ دے
ہے وہ ناچار اپنی عادت سے
لے کے آتے ہو ساتھ غیروں کو
باز آیا میں اس عنایت سے
چرخ دیکھیں رلائے گا کب تک
آج کی شب کٹی ہے عشرت سے
کیوں کہ ازھیر زمانے میں نہ ہو اس نے فروغ
کوئی رکھا نہ مرے نام کا زندا باقی

فروغ

فروغ تخلص، عمدہ اراکین دولت، زبدہ عمائد حشمت، زیب و سادہ تفاخر، خواجہ نورالدین خاں بہادر معروف بہ "سانولے صاحب" کہین برادر نواب انور الدولہ شفق تخلص کہ شہر کالی اس کے قدم بہادر توام کے فیض سے رشک گلزار نعیم اور اس نواح کی سموم اس کے انفاس کرامت اقتباس کے اعجاز سے غیرت باد نسیم ہے۔ سخن اگر رنگ گل رکھتا ہے اور اگر کیفیت مل، اسی کی طبیعت کی تاثیر اور اسی کے لب و دھان سے فیض پذیر ہے۔ حریفان مدعی کا سخن اس کے کلام کے رو بہ رو حرف پا در ہوا اور دعوے داران کمال کا کلام اس کے سخن کے سامنے لے جا۔ چند شعر اس یکہ تازہنر کے نظر احباب میں جلوہ گری کرتے ہیں:

نہیں ملتی سرے سے میرے دل کو ایک دم فرقت
الم پروانے کا شب کو سحر شمع شبستاں کا

روے روشن کے تصور میں جو غش آیا مجھے
آنکھ میں بدلے اندھیریکے اجالا ہو گیا

دام خط میں غل اسیروں نے کیا فریاد کا
بولتا ہے آج کل طوطی مرے صیاد کا

گیا افلاس لیکن پستی طالع نہیں جاتی
دیا حصہ فلک نے مجھ کو قاروں کے خزانے کا

نہ ظالم نفع پائے مال سے ہرگز فروغ اپ
ہوئی موم سے کب روشنی زنبور خانے میں

قید ہستی میں پھنسے یاد وطن بھول گئے
دام ہم کو یہ خوش آیا کہ چمن بھول گئے

خیال غیر سے ہم راہ جاناں
تصور میں بھی تنہائی کہاں ہے

فسوں

فسوں تخلص، شاہ زادہ والا بلند اقتدار، عمدہ سلاطین ذوی الاعتبار، بلند پایہ باگاہ جلال، گراں مایہ گنجینہ کال، فرازندہ لواے ہنروی، فروزندہ چراغ معنی پووری، شناساے لملاے نزدیک و دور، داناے حقائق امور؛ مشور فی الاطراف الاکناف، مرزا منجھلے مستغنی عن المدائح والاوصاف، خلف مرزا کریم بخش مرحوم، نواسہ حضرات ظل سبحانی خلیفتہ الرحمانی ادام اللہ سلطنتہ، برادر عم زادہ راقم آثم۔ بیت اس کی قدر دانی سے مہات خانہ معانی دور، شعر اس کی گراں مایگی سے جواہر گنجینہ قدس سے

معمور، شاہدان محفل اسرار اس کے ضمیر کی راہ سے بزم صفحہ میں ایسے جلد پہنچتے ہیں جیسے آفتاب سے انوار۔ غزل میں برجستگیِ معنی سے شوخیِ غزال، ابیات میں طراوت الفاظ سے سرسبزی نہال۔ ہر چند شعر میں الفاظ متین ہوں اس کی فکر رسا کے اثر سے گوشِ سامع صدا سے پیشتر پہنچتا ہے۔ مضمون کیسا ہی سست ہو، اس کی شوخیِ اشارات تقریب سے بزم قبول معانی غریب سے زیادہ تمکن پاتا ہے۔ یہ چند شعر اس صاحب اعتبار افکار سے ہیں:

رلاتے نہ تم گھر عدو کا نہ بہتا
اٹھایا ہوا ہے یہ طوفاں تمہارا

کیوں دوست اٹھالائے مجھے کوچے سے اس کے
گو جاں پہ ستم تھا مگر آرام وہیں تھا

واں ظلم اٹھاتے تھے یہاں قبر کے صدمے
ہے زیر زمیں وہ ہی جو بالائے زمیں تھا

لیے آتا ہے نمک سے وہ نمک داں لبریز
اے لبِ زخم تو اپنی بھی تمنا دکھلا

جدھر کو جاتے ہیں بہتان ہم پہ اُٹھتے ہیں
قدم نکالنا گھر سے ہمیں عذاب ہوا

دیکھ کر محرابِ ابروے صنم کو اے فسوں
خود بہ خود زاہد کا بہرِ سجدہ سر خم ہوگیا

لے گیا کون مرے صبر و تحمل دل سے
آج بے تاب جو پھرتا ہوں میں گھر سے نکلا

آرزو نکلی نہ جاں دے کر بھی اے عیسیٰ نفس
ہم سنا کرتے تھے آوازہ ترے اعجاز کا

آرزو فریاد کی اور حشر میں عرصہ بہت
دیکھیے کس دن ٹلے چھاتی سے پتھر گور کا

رکھا دل کی جا ہم نے پیکاں تمھارا
یہ مہماں ہمارا وہ مہماں تمھارا

مرض عشق سے جاں بر نہ ہوا ہائے فسوں
مفت بے چارہ مصیبت میں گرفتار رہا

اچھا ہوا کہ حشر کے ہنگامے سے بچے
ہوتا تھا جو یہیں دم رفتار ہو گیا

فسوں ناز اور اُٹھاؤ دم لبوں پر آن پہنچا ہے
گھڑی بھر کے لیے اپنا کیا سارا مٹاتے ہو

بس ہو چکی اے ناخن غم سینہ خراشی
اب جان فسوں کی دل ناداں میں نہیں ہے

اللہ ر گرمی کہ رقم ہو نہیں سکتی
کاتب سے حقیقت بھی مرے سوز جگر کی

ہزار ہل نہیں سکتے پر اس کے کوچے تک
پہنچ ہی جائیں اگر شوق رہنما ہو جائے

فصاد

فصاد تخلص ہے ایک حجام ببو نام کا کہ شاہ نصیر کے فیض صحبت اس کی طبیعت نے فی الجملہ موزونی بہم پہچائی تھی۔ نہایت ظریف، خوش طبع، کشادہ رو، نیک خو تھا۔ شاید شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موتراشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے۔ جو کہ اس کے اشعار تذکرے میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے، صرف ایک شعر پر کفایت کرتا

ہوں:

بارے کے ہمیں پینے سے کیا کام ہے ساقی
مے خون جگر، آبلہ ہے جام ہمارا

....

فضل

فضل تخلص، فضل الرحمان ولد شیخ حامد علی ابن قاضی احمد مرحوم ساکن قصبہ مہم ضلع رہتک، صوبہ دارالخلافہ شاہجہاں آباد۔ پانسو برس کا عرصہ ہوا کہ بزرگان والا نژاد اس نیک نہاد کے یمن سے وارد ہند ہو کر قصبہ مذکور میں میوطن ہوئے۔ فن شعر میں اول اپنے برادرزادہ محمد رفیع الدین نام سے استفادہ کرتا ہے۔ اب محمد حیات خاں حیات تخلص سے مشورہ کرتا ہے۔ یہ شعر اس کا مسموع ہوا:

حاجت دام نہیں عاشق بے دل کے لیے
گیسوے یار ہی کافی ہے سلاسل کے لیے

....

فغاں

فغاں تخلص، لالہ جی پرشاد پنڈت۔ جوان وجیہ، حلیم مزاج، ظاہر اس کا ارباب صفا کے باطن سے آراستہ تر اور باطن اس کا آئینہ رویوں کے ظاہر سے پیراستہ تر، زبان دل کی ترجمان اور دل سلطان خرد کا تابع فرمان، کمال ذکا مثل ستارہ اقبال کے پیشانی سے روشن اور جمال سعادت مانند فروغ خرد کے چہرے سے مبرہن۔ تحصیل علم فارسی یک قلم فذلک دفتر دانائی فرازندہ لواے یکتائی استادی مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالی کی خدمت میں کی۔ رسائی فکر مضامین دور و نزدیک، شوخی طبع نکات کے ساتھ چستگی میں شریک۔ یہ چند شعر اس کے افکار آبدار سے منتخب ہو کر مرقوم ہوئے:

آں کہ بر بے خوریم طعنہ بے جا می کرد
نشہ حسن ترا کاش تماشا می کر د

کاش از بہر مساوات من و خصم فلک
قہر یا لطف ترا عام بہر جا می کرد

بیم تکلف مداوائے دلم داشت لبت
چشم بیمار ترا ورنہ مداوا می کرد

علاج درد دل از دلربا نمی آید
وفا نشاید و غیر از جفا نمی آید

بر رخ تابان خویش زلف معنبر شکن
زاہد صدسالہ را خار بہ بستر شکن

نامہ مارا چو نیست رنگ تماشائے دوست
صر صر جاں سوز خیز بال کبوتر شکن

غمزہ و ناز و ادا تشنہ خونند و بس
در رگ جانم بیا ایں دو سہ نشتر شکن

تو بہ عشاق چیست مشغلہ روز ہجر
گر شب وصلے رسد از مئے احمر شکن

یار طلب می کند نقد دلت را فغاں
دل بدہ از دست یا خاطر دل بر شکن

....

فکری

فکری تخلص، مرزا من، نبیرہ شاہ عالم بادشاہ مغفور۔ صاحب طبع سلیم و ذہن مستقیم ہے۔ طبیعت مضمون خیز اور فکر معنی انگیز ہے۔ فارسی اور عربی میں فی الجملہ روشن سواد

اور مسائل عروض وقوافی سیتقدر رماو جب یاد۔ طبیت خداوار کی مدد اور مبداءِ فیاض کی اعانت سے تازگی معانی اور طراوت الفاظ اور شستگی عبادت اور رفتگی مقال اور پا کی زبان اور فصاحت بیان کا ایک جا میں ہجوم ہے یہ چند شعر اس کے انتخاب ہوئے:

جوں نگہت گل گردش تقدیر سے فکری
ہم خانہ بدوش آہ رہے اپنے وطن میں

میرے جاتے ہی کہا باہر چلو آتا ہوں میں
گھر سے اس پر فن نے ٹالا مجھ کو کس تدبیر سے

شاید اے قاصد یہ باتیں ہیں زبانی یار کی
جان سی آتی ہے کچھ مجھ میں تری تقریر سے

صاف آغوش کماں سے تیر جاتا ہے نکل
واقعی دیکھا تو ہے نفرت جواں کو پیر سے

مثل قلم اور کے میں ہاتھ ہوں
آپ نہیں چلنے کا یارا مجھے

ہم گنہ گاروں کی قسمت میں کہاں ہے ہر چند
کوچہ یار میں جنت کی ہوا آتی ہے

فگار

فگار تخلص، سلالہ دودمان سیادت، خلاصہ خاندان شرافت، میر حسین مرحوم، شاگرد میر نظام الدین ممنون۔ فکر نہایت سلیم، طبیت بغایت مستقیم۔ صحیح گوئی کی طرف متوجہ اور زبان کی شستگی کی جانب ملتفت۔ چند سال ہوئے کہ عالم باقی کی طرف راہی ہوا۔ یہ دو شعر اس کے افکار سے ہیں:

دیکھ آئنے کو اس نے کیا غصے سے ٹکڑے
یعنی مجھے کس واسطے مجھ سا نظر آیا

کرتا ہے غنچہ تیرے دہن کی برابری
شاید یہ اپنے بھول گیا ہے دھن کی بو

....

فوق

فوق تخلص ہے زیدہ سادات کرام، میر بادشاہ نام کا کہ سرکرہ نیک طبعان روزگار سید احمد خاں آہی تخلص صدر امین بجنور سلمہ اللہ تعالی سے قرابت قریبہ اور ان کی نظر تربیت اور نگاہ عاطفت کے اثر سے قبول خاص اور پسندیدگی عام کی شائستگی رکھتا ہے۔ جوان صالح و نیک نہاد اور خوش مزاج سراپا ابتاج ہے۔ گاہ گاہ فکر شعر کا بھی اتفاق ہوتا ہے۔

یہ اشعار آبدار درو نثار اس کے ہیں :

فروغ توے جاناں نے یہ کی تاثیر آنکھوں میں
کہ مہر و مہ نظر آتے ہیں بے تنویر آنکھوں میں
نگاہ ناز سے اس کی نہ کیوں خوں ہوں ہزاروں
کہ رکھتا ہے وہ قاتل جو ہر شمشیر آنکھو ں میں
میں تو رہتا ہوں گریزاں ہی سدا اُس سے مگر
چھوڑتا کب ہے ترا طرہ طرار مجھے

....

فیاض

فیاض تخلص، شیخ فیض الحسن ابن شیخ نظام الدین نظام تخلص، متوطن قصبہ ڈبھائی ضلع بلند شہر۔ یہ اشعار اس کے افکار سے منتخب ہوئے:

افسوں کا ہو عمل کا ہو کچھ اثر
میرا رقیب یار کا ہم زار ہو گیا

صفت چشم وہ لکھوں کہ سبھی صاد کریں
شعر کو آنکھ پہ رکھ رکھ کے مجھے یار کریں
اس میں ہے آپ کی جانب سے تقاضا ناحق
سر کے دینے میں کسے عذر ہے ہم دیتے ہیں

....

فیض

فیض تخلص، بحر مواج کمال، نہال، مثمر فضل و افضال، بانی بنائے دانش، حاکم محاکم بینش، مصدر مکارم اخلاق، اسوۂ اکابر آفاق، جامع معقول و منقول، حاوی فروغ و اصول، زبان دان فارسی و تازی، اسرار فہم حقیقی و مجازی، مستجمع نوادر فن، مولوی فیض الحسن سلمہ اللہ تعالی۔ ہر چند وطن اصلی اس مجمع مفاخر کا سہارن پور ہے لیکن حسن اتفاق سے ایک عرصہ ہوا کہ یہ گل زمین بہار آگیں قدوم بہجت لزوم کے اثر سے گل زار ارم پر افتخار اور جنت نعیم پر ناز کرتی ہے۔ آوازہ علم اس کی دانائی سے بلند اور پایہ ہنر اس کے کمال سے ارجمند۔ قلم اس کی دست گیری سے اسرار لوح محفوظ کا خزینہ اور لوح اس کے قلم کی اعانت سے سرائر غیب کا گنجینہ۔ علوم غریبہ اور فنون عجیبہ خصوصا علم ادب سیما انشاء خطب اور انشاد اشعار زبان عرب میں یگانہ اور ان فضائل میں یکتائے زمانہ۔ فضل و کمال جامہ ہے کہ خیاط ازل نے اس جزو زماں میں اسی گنجینہ دار جواہر قدس کے قامت استعداد پر قطع کیا ہے۔ وہ شاہدان معنی کہ شبستان غیب میں نازک دماغان بلند خیال کے چہرہ فکر پر کمال غرور سے نرگس چشم کو نیم باز نہ کر۔ تھے، اس کے صفحے کی بزم آرائی کی تقریب سے کسی وقت ان کی آمد و شد کی کثرت نے جادہ قلم کو ہنگامے سے خالی نہیں رکھا۔ باغ طبیعت کا ہر نہال شمشاد قامتان طوبی سرشت کے جلوے سے دلرباتر اور گلزار فکر کا ہر برگ گل رویان لالہ رخسار کے چہرے سے خوش نماتر۔ کاغذ اس کے سوز مضامین سے جل کر خاکستر ہو جاتا ہے لیکن وہ خاکستر کہ آئینہ بصیرت کے لیے مایہ جلا اور حرف حرف شوخی معانی سے برق کا حکم

رکھتا ہے، مگر وہ برق کہ طبائع پژمردہ کے واسطے باعث نشو ونما۔ کاغذ رنگ معنی برگ گل اور سطور کیفیت مضامین سے موج مل۔ طراوت الفاظ سے ہجر اشعار طوفان خیز اور لطافت معنی سے زبان قلم رگ ابر کے مانند گوہر ریز۔ گل اگر اس کے مضامین سے رنگینی کا استعارہ نہ کرتا، خاطر بلبل میں پسند نہ ہوتا اور سرو اگر اس کے مطلع کے ایک مصرع سے مشابہت بہم نہ پہنچاتا، بلند نہ ہوتا۔ ان کمالات پر حلم اور تواضع کا وفور اور ان فضایلپر عجب اور تکبر کے ننگ سے کوسوں دور۔ لطف مروت اس کے اوضاع سے چہرہ کشا اور عنگ اخلاق اس کے اطوار سے جلوہ نما۔ سنگ درشت اس کے لطف کے اثر سے نرم اور طبائع سرد مہر اس کے اخلاط کے حرف سے گرم۔ کون سی مروت اس سے زیادہ ہو گی کہ یہی دستان کمال کو گنجینہ ہنر سے حاتم کا ہم سر کر دیا۔ ہر چند درس و تدریس کی کثرت اور طالبان کمال کی تربیت کا مشغلہ مانع ہے کہ فکر عرصہ تلاش میں سبک جولاں اور قلم میدان صفحہ میں گرم عناں ہو سکے لیکن قائد تائید کی رہنمائی سے ان اشغال دائمی پر کثرت تصانیف کا وہ حال ہے کہ صندوق کدہ خیال میں وہ مصنفات تو کیا بلکہ ان آسامی کی فہرست گنجائش پذیر نہیں۔ ان میں سے شواہد تقسیر اور شواہد خمسہ اور تذکرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ایک مثنوی مسمی بہ روضہ فیض اور دوسری نامی بہ چشمہ فیض اس متانت عبادت اور جزالت معنی کے ساتھ اس یکہ تاز عرصہ فصاحت کی زبان قلم سے زینت پذیر ہوئے ہیں کہ خامہ انصاف اگر ان کی توصیف میں ایک حرف لکھے، زبان عاشق کی طرح باوجود سیہ زبانی کے حرف مدعا پر لال ہو جائے اغلب اوقات قصائد اور عبادات دل پذیر تازی اور اشعار فارسی اس کی زبان قلم سے آشنا ہوئے ہیں لیکن احیانا احبابے صداقت کیش اور اخلا موانست اندیش کی تکلیف سے لب نطق اشعار ریختہ پر بھی وا ہوا ہے۔ اس مقام میں فارسی و ریختہ پر قناعت کر کے گوش شوق کو بہرہ اندوز کرتا ہوں تا کہ قند فارسی سے حاسدوں کا لب اعتراض بند ہو جائے اور نمک ہندی سے زخم جگر حاالعدا پر گرم ریش خند:

اشعار فارسی

علو مرتبہ شد باعث رعونت نفس
خوشا دمے کہ بکوے تو نقش پا بودم
ملت عاشق رضاے خاطر جاناں بود
کفر گر مرضی او باشد بہ از ایماں بود
فیض خوش می باش و مے می نوش و شاہد می پرست
کایں چنیں ہا چوں توئی آشفتہ را شایاں بود
با خاطر چو غنچہ نشستم بگوشہ
ویں جملہ انبساط بہ گلشن گذاشتم
درقسمت کلیم بجز پرتوے نبود
از جملہ آتشے کہ در ایمن گذاشتم

....

ریختہ

عجب کچھ طور تھا شب فیض کا کیا جانتے کیا تھا
کوئی وحشت تھی کوئی سودا سا سودا تھا
غنیمت ہے کہ بعد از مرگ عاشق اتنا کہتے ہو
برا تھایا بھلا تھا خیر جیسا تھا وہ اپنا تھا
ہر روز برق کوندے ہے چاروں طرف مگر
اُجڑا ہوا چمن میں کوئی آشیاں رہا
گر وہ سنتے نہیں پر ہم تو کسی حیلے سے
ایک دو بات محبت کی سنا جاتے ہیں
پکڑ کے ہاتھ اٹھاتے ہیں گر نہیں اٹھتے
یہ قدر ہے تری فل میں ہم غریبوں کی

---------اختتام---حصہ الف---------

باب القاف

قابل

قابل تخلص، شاہ زادہ بلند قدر، مرزا علی بخش۔ وارستہ مزاج و آزادہ منش، طبع با وصف ومر رسیدگی کے عیش دوست واقع ہوئی ہے۔ فن سخن میں ذوق مرحوم سے استفادہ کیا ہے۔

یہ اشعار اس کے ہیں :

یہ خار اور صحرا اور یہ برہنہ پائی
وحشت مری کرے گی کیا کیا خراب مجھ کو

لکھا تھا وہ ہی کہ جو تھا نصیب کا لکھا
بلا سے خط کا جواب اس نے کچھ لکھا تو سہی

ہو چکی توبہ ہم سے اے قابل
جب تلک عالم جوانی ہے

....

قادر

قادر تخلص، میرزا قادر شکورہ ابن مرزا عباس شکوہ معروف بہ مرزا ببر مرزا سکندر شکور معروف بہ مرزا چھنگا، کہین برادر حضرت عرش آرام گاہ محمد اکبر شاہ بادشاہ نور اللہ مرقدہ۔ مرثیہ گوئی میں داد فصاحت دے کر حرف بلاغت کو کرسی پر بٹھایا اور اس فن کو ضمیر سے کہ مرثیہ گویان لکھنو سے ممتاز ہے، حاصل کیا۔ جب سے گل زمین لکھنو سے وارد نزہت آباد شاہجہاں آباد ہوئے ہیں۔ راقم آثم سے رابطہ مودت اور علاقہ محبت کو غایت تک پہنچایا۔ غزل گوئی کی طرف طبع صافی کو میلان اور اس عرصہ ناپید کنار میں تلاش جولان ہے۔ جو کہ فکر رسا اور طبیعت سلیم ہے، اس چمن کی نخل پیرائی و خیابان آرائی میں بھی ید طولی رکھتے ہیں۔

یہ چند شعر انکے اشعار سے منتخب ہو کر مرقوم ہوئے:

دیکھتے دست درازی مری وحشت کی اگر
کچھ سلامت مرے جامے میں گریباں ہوتا

مرقد میں جو بے تاب تمھارا یہ حزیں تھا
اک شور قیامت سا بپا زیر زمیں تھا

ایسا میں سمجھا تو نہ ملتا کبھی ناصح
دل مفت میں لے جائے گا یہ کس کو یقیں تھا

نوبت ہی نہ تلوار تلک پہنچی کہ ہم کو
خنجر سے زیادہ وہ خط چین جبیں تھا

کس کو تھی تاں رات ساقی مے کشی کی احتیاج
جو کہ تھا اس نرگس میگوں سے ہی سرشار تھا

دیکھ کر صحرائے وحشت میں مجھے ثابت قدم
پاؤں پڑپڑ کر بٹھاتا دم بدم ہر خار تھا

مجھے بھی جذبۂ وحشت پہ ناز ہے کہ یہاں
کہاں کہاں نہ مرے واسطے پھر صیاد

بہار آئی کہ بلبل پہ اک بلا آئی
چمن میں آنے لگا روز اک نیا صیاد

....

قاری

قاری تخلص، قاری علی احمد۔ نوجوان صالح اور برنائے سعادت سرشت ہے۔ تجوید حروف میں پایہ والا اور خوش آوازی میں مرتبہ اعلیٰ رکھتا ہے۔ گاہ گاہ شعر ریختہ کہتا ہے۔

یہ دو شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں:

چین ابرو نے خوب روک دیا
تھا میں کہنے کو مدعا اپنا
سچ بھی کہیے تو جھوٹ سمجھے ہے
کہیے کیا خاک ماجرا اپنا

....

قاسم

قاسم تخلص، میر قاسم علی ولد میر طالب علی، سادات بارہہ سے تھا۔ مذہب تشیع سے دل گرفتہ ہو کر جناب غفران مآب مولوی محمد اسماعیل طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کے دست حق پر توجہ اور راہ تسنن اختیار کی اور اسی حضرت کے ساتھ زمرہ شہدا میں داخل ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ دو شعر اس مسلمان پاک اعتقاد کے گوش زد ہوئے تھے سو لکھے جاتے ہیں:

تھی بات ہنسی کی پہ بنی جان پہ قاسم
اب اس کے نمک ریز ہوئے زخم نہاں پر
خوں سے مرے بھرتی نہیں اب تک تیری پیکاں
کیا تیر میں تیرے پر پرواز نہیں ہے

....

قاسم

قاسم تخلص، سید قاسم علی خاں، نواسہ عطا حسین خاں صاحب نوطر زمرصع۔ ان کے خاندان عالی اور دودمان متعالی کے اوصاف خانہ دو زباں کی مجال سے خارج ہیں۔ مجملاً سادات جیلانی اور اولاد پاری کو نین غوث الثقلین ابو محمد سید عبدالقادر گیلانی سے ہے۔ سید محمد غوث جیلانی کہ حضرت غوث الثقلین کی نویں پشت میں تھے، عرب

سے ملک سندھ میں وارد ہوئے اور ظہیر الدین بابر بادشاہ نے فرطِ عقیدت سے پچاس ہزار بیگھہ زمین میں قطعات متعدد ان کے مصارف کے واسطے مقرر کر دیے۔ اسی سرزمین میں شہر اوچہ گیلانیوں کا ان سے آباد اور ان کی اولاد کا موطن ہوا۔ پھر ان کی اولاد میں سے کچھ لاہور میں اور کچھ اطراف میں قیام پزیر ہوئے۔ جب لاہور میں سکھوں کا غلو ہوا، سید اصغر علی کہ سید نکتہ طراز سخن سنج کی جد امجد تھے، ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ مرزا جہاں دار شاہ عرف مرزا جوان بخت مہین پور حضرت شاہ عالم بادشاہ کی رفاقت میں زمین لکھنو میں تشریف فرمائے۔ جب سے وہ خطہ اس بزرگ کا موطن اور مسکن ہو گیا۔ چند شعر ان کے افکار گوہر نثار سے مرقوم ہوئے ہیں:

مر کے قاسم ایک دن ہم بھی پہن لیں گے کفن
زندگانی میں تو کچھ موقع نہیں پوشاک کا

ایک ہی حسن کا جلوہ ہے کہ ہر پردے میں
دل کو لیتا ہے کہیں رنگ کہیں بو ہو کر

رخ دکھا دیجے کوئی بات سنا دیجے کہ ہیں
کان مشتاق سخن طالب دیدار آنکھیں

نیم باز آنکھوں کے عالم نے کیا عالم قتل
ان کی سونے میں بھی رہتی نہیں بے کار آنکھوں

کہاں کی توبہ اے زاہد کہ اب دل رہ نہیں سکتا
یہ رنگت چہچہاتی دیکھ کر گلنار شیشے میں

موقوف ضد ہی پر تو ہے ہر شے کی معرفت
کچھ کفر بھی ضرور ہے اسلام کے لیے

....

قاسم

قاسم تخلص، حکیم کامل، طبیب فاضل، زبدہ کملاے دوراں، اسوہ فضلاے زماں، حکم قدرت اللہ خاں مرحوم۔ شعر نے اس کی ذات سے رتبہ حکمت لیا اور مجاز۔ مرتبہ حقیقت۔ جالینوس اس کیشاگردی سے صاحب دانش وو ید اور بقراط اس کے تلامذہ کے سلک میں ادنٰی مستفید۔ سخن کی متانت اور کلام کی رزانت حیطہ بیان سے خارج ہے۔ وہ خود صاحب دیوان ہے اور وہ دیوان فصاحت تبیان شعراے ریختہ گو کے حال میں ایک تذکرہ مبسوط ریختہ کلک جواہر سلک ہے کہ قدما اور متاخرین کے حال کی تحقیق اس سے زاید متصور نہیں۔

یہ چند شعر اس کے دیوان سے منتخب ہوئے:

موجب طوفاں سرشک و باعث محشر فغاں
طرز گریہ وہ غضب اور یہ ستم نالہ کی طرح

زلف جنجال مژہ قہر قیامت
کیا کیا تو نے یہ اے دیدہ خوں بار پسند

گھبرا کے نکل جائے گا جی یوں ہی کسی روز
کچھ رہنے لگی اب ہمیں اکثر طپش دل

ہیں روسیہ و خستہ جگر مثل نگیں ہم
اے واے کہ تس پر بھی نہیں خانہ نشیں ہم

ہے اگر یہی مرضی، ہم چلے، پر اس دل کو
رہنے لگی دو کہ عاشق کی کچھ رہے نشانی یاں

غنچے کو سب ہیں کہتے مانا ترے دہن سے
تو بھی تو پھوٹ ظالم اپنے ذرا دہن سے

کافر ترا ہے کوچہ یادشت کربلا ہے
کتنے پڑے ہیں کشتے کتنے ہیں نیم جاں سے

تفصیل سے کہہ قاسم حال دل دیوانہ
ہم سے نہ چھپا ظالم ہم یار ہیں یاروں کے

کہا مان قاسم نہ روک آنسوؤں کو
یہ لڑکے ہیں ناحق گلوگیر ہوں گے

زلفوں کا دیکھ جلوہ کچھ ہم ساہو رہا ہے
آئینہ جب سے دیکھا بر ہم سا ہو رہا ہے

تو نے یوں ہم سے سر رشتہ الفت توڑا
جیسے تار نفس باز پسیں ٹوٹے ہے

دن تو جوں توں کٹے ہے ہر شب کو
سخت دل بے قرار ہوتا ہے

....

قاسم

قاسم تخلص، میر قاسم علی، منصف شہر پانی پت۔ عشیوہ عدل و انصاف میں مشہور زمانہ اور کمالات کیسی اور وہبی میں یگانہ ہے۔ گاہ گاہ شعر فارسی اس یکتائے عصر کی زبان قلم سے آشنا اور ہوش ربائے اہل کمال ہوتے ہیں۔

بالفعل یہ شعر یاد تھا، سو مرقوم ہوا:

گرچہ پیدا کرد نام خود بہ گل رنگی شراب
چوں بہ لعل او رسد از عکس گل گوں تر شود

....

قلق

قلق تخلص، سلطان خاں، قوم افغان۔ علوم رسمی میں استعداد تمام اور فنون متداولہ میں دست گاہ مالا کلام۔ کتب فارسی کو بہت تحقیق اور تدقیق کے ساتھ پڑھاتا

ہے۔ اکثر فنون کو جناب مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالی سے حاصل کیا ہے، خصوصا فن فارسی کو۔ گاہ گاہ شعر ریختہ بھی آشنائے زباں گوہر فشاں ہوتا ہے۔ اس وقت یہی ایک شعر یاد تھا سو لکھا گیا:

مر کے بھی اس کے نظارے کی تمنا نہ گئی
کون سا سبزہ کہ وہ نرگس شہلا نہ ہوا

....

قلق

قلق تخلص، نوجوان خوش وضع، خندہ پیشانی، غلام مولا عرف مولا بخش ساکن میرٹھ۔ طبیعت شعر سے مناسب اور فکر اس فن کے لائق۔ راقم آثم سے رشتہ اتحاد کو مربوط اور قاعدہ وداد کو مضبوط رکھتا ہے۔ تحریر تذکرہ کے وقت یہی ایک مقطع یاد تھا، ناچار اسی کو مرقوم تذکرہ کیا:

دیر بیٹھا رفیق قلق ہائے
وہ کیا ہے موا کہ مر گئے ہم

....

قلق

قلق تخلص ہے سید والا حسب، عالی نسب، محمد امجد علی ولد سید اسد علی کا، وطن اس کے آباء اجداد کا حضرت شاہجہاں آباد ہے مگر تقالیب ادوار سے اتفاق اقامت اس کے بزرگوں کا خاک لطافت بنیاد لکھنو میں صورت پذیر ہوا۔ یہ سید بلند مرتبت عین ایام شباب میں وارد کالپی ہو کر اب تک اوقات زندگانی کو کمال عزت و احترام سے بسر کرتا ہے۔ مختصر افنون نظم کا اور اصناف شعر میں لکھ کر ارباب مذاق کی ضیافت طبع سے دست کش نہیں ہوتا:

کاہ کی طرح سے کاہیدہ اگرچہ ہے قلق

غم سلامت ہے تو کچھ اور بھی لاغر ہو گا
وہ صاف ہوں میں کہ پس از مرگ بھی مرے
مرقد پہ بیٹھنا نہیں ممکن غبار کا

خواب عدم میں چین سے سوتا تھا میں قلق
ٹھو کر لگائی کس نے کہ بیدار ہو گیا

ہجوم آپ کے در پر ہے داد خواہوں کا
ستم تو دیکھیے ان شرم گیں نگاہوں کا

بیٹھنا ممکن کہاں تھا آستان یار پر
اتفاقی ہے یہ احساں خار دامن گیر کا

بے مثالی کا گھمنڈ آپ کو ہوتا معلوم
پر یہ کہیے کہ خود آئینہ مقابل نہ ہوا

دل مضطر کا حال اس سے بیاں کچھ تو کیا کیجئے
وہاں نازک دماغی یاں یہ عالم ناتوانی کا

آنے سے جلد ہے وہ شب وصل میں خجل
فرقت کی شب کو خاک مجھے منہ دکھائے صبح

میں نے ان سے جو کہا دل میں خفا ہو مجھ سے
ہنس کے بولے ہے قلق تجھ کو کرامت شاید

سنگ در جاناں سے سرہم کو پٹک آتا
دو چار گھڑی دن کو دو چار گھڑی شب کو

کم ہمتی سے تو نہ گیا ورنہ اے قلق
ملک عدم کو قافلے تھوڑے نہیں گئے

....

قمر

قمر تخلص، مرزا قمر طالع مرحوم، فرزند مرزا محمد ایزد بخش مغفور عرف مرزا نیلے ابن حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ مبرور۔ فن شعر میں حافظ احسان علیہ الرحمۃ والغفر ان سے مستفید تھے۔ یہ اشعار ان کے نتائج طبع سے ہیں:

دامان وصال اس کا نہیں غیر کے بس کا
پہونچا ہی اترتا ہے وہاں دست ہوس کا
نالاں ہے قمر وار غم عشق سے وہ بھی
کب ہرزہ دراؤں پہ کھلا راز جرس کا

....

قمر

قمر تخلص، حافظ قمر الدین۔ ابن کاسہ لیس عرفائے سلف حافظ اشرف۔ ہر چند اس کو شعر گوئی کی طرف توجہ بہت تھی۔ لیکن شعر کو اس کی طرف توجہ کم تھی۔ با ایں ہمہ ایسا شخص تھا کہ اپنی نیک نہادی اور نیک اطواری سے مرغوب طبائع اور مطلوب ضمائر تھا۔ ایک عرصہ ہوا کہ عالم فانی کو ترک کیا اور گلشن فردوس کی طرف راہی ہوا۔ اس پاک طینت کی کیا خوش طینتی ہے کہ اس کی لاش کا سر خاک قدم فیض توام اشرف المرسلین خاتم النبیین ﷺ اجمعین کے طفیل سے کنگرہ عرش پر پہنچ کر اصناف شرف سے مقرون، یعنی درگاہ ملائک سجدہ گاہ کے دروازہ اولین کے ایک گوشے میں مدفون ہے

یہ دو شعر اسکے یاد تھے:

اس گل خوبی کی خوشبو سے معطر آپ ہوں
ذکر مت لانا مری تم نعش پر کافور کا
خانہ دل میں جو روشن ہو چراغ عارض
دھیان پھر خاک رہے لعل بدخشانی کا

....

قمر

قمر تخلص، محمد قمر الدین خاں اکبر آبادی، افاغنہ یوسف زئی سے ہے۔ ابتدا میں منشی محمد مصلح الدین فتح پوری سے تلمذ اختیار اور پھر حاجی مولوی محمد مہدی بریلوی خوش باش فتح پور سیکری سے کتب فارسیہ کو تحصیل کیا۔ یہ دو شعر اس کے افکار سے ہیں:

مجھ کو مرید کر لیا دم میں قمر
یہ خانہ خراب عشق مرشد نکلا

کسی کے عشق سے پابند صد رنج و تعب ہم ہیں
ہزاروں آفتیں ہیں ایک ہم ہیں کچھ عجب ہم ہیں

....

قناعت

قناعت تخلص، مرزا غلام نصیر الدین خلف الرشید مرزا ولی الدین ابن مرزا زاہد الدین ابن حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ۔ سخن سنجی میں یگانہ اور معنی یابی میں یکتائے زمانہ۔ ذہن رسا اس کے مضامین دور کی تلاش میں ملک تقدس کے اقصا تک جاتا ہے اور خیال بلند آہنگ اس کا معانی باریک سے شاخ ارغوان اور خامہ اس کے مضامین کے فروغ سے شمع فروزاں۔ دل اس کے لطف سخن سے مسرور اور کتاب اس کے فروغ کلام سے کنج خانہ نور، کاغذ اس کے سخن کی تازگی سے سیراب اور صفحہ اس کے معنی کی نور پاشی سے چادر مہتاب۔ رنگینی معنی سے ہر لفظ یاقوت رخشاں کو رشک افزا اور صفائی الفاظ سے عبارت گوہر آب دار کو غیرت فرما۔ متانت کلام سے بنائے ابیات کوہ سے سنگین تر اور رنگینی عبارت روئے صفحہ اوراق گل سے رنگین تر۔ سرو کو اس کی سطور سے کیا مناسبت اور سنبل کو اس کے خطوط سے کیا مشابہت۔ ذہن رسا ہے اور طبیعت مستقیم۔ وضع متین ہے اور مزاج حلیم، ذہن کی

رسائی سے زبان قلم اعدا پر دراز اور طبیعت کی استقامت سے رشتہ مسطر کو خط استوار پر ناز۔ متانت کی تعریف کے صفحے میں نقطہ نقطہ ایسا مستحکم کہ زبان کلک اس کو جگہ سے نہ اٹھا سکے اور حلم کی توصیف کے ورق میں سطر سطر ایسی۔ ساغر طبیعت بادہ ادب وتواضع سے لبریز اور چشمہ خاطر ہوائے انکسار سے موج خیز۔ نفس امارہ کو نفس مطمئنہ کے تابع کیا ہے اور تہذیب اخلاق کا جامعہ پہن لیا ہے۔ اول مشق سخن حضرت استاد مغفور احسان سے بہم پہنچائی۔ جب اس جناب نے اپنے تلامذہ سخن سنج کی نوبت راقم آثم کی وضع پر موقف رکھی۔ یہ یگانہ عالم دوستی اپنے کلام کو میری ہی نظر اصلاح میں لانے لگے اور اپنا سخن مجھے دکھانے لگے۔ اب تک باوجود کمال مشاقی کے وہ ہی صلاحیت طراز آستین اور وہی اہلیت خط جبین ہے۔ جناب مولانا مخدومنا مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالی کی خدمت سراپا افادت میں استفادہ علوم میں مصروف اور تحقیق حقایق اور تدقیق دقائق میں مشغوف۔ دیوان فصاحت بنیان اس سخن طراز کا اصناف سخن سے مملو اور ہر صنف کلام نواع لطائف سے مالا مال ہے۔ اس مقام میں کچھ شعر اس معجز نگار کے نتائج افکار سے انتخاب کر کے خوان صہبائی آمادہ کرتا ہوں کہ ارباب مذاق اس کی لذت سے بہرہ یاب ہوں:

گر انقلاب دہر یہی ہے تو ہے امید
آجائے گا زمانہ کبھی وصل یار کا

پھرتی ہے اپنے ساتھ لیے در بدر اسے
کھویا صبا نے قمر ہمارے غبار کا

کچھ عشق کے ہیں طور نرالے کر کدیا
صاحب کو بندہ ترک نگاہ ایا کا

ظلمت کا دود دل سے زبس شب و فور تھا
داغوں کا تھا چراغ پہ پیدا نہ نور تھا

دیواں ہو اتھا کس کا کہ محشر کے بعد بھی
دیکھا تو مدتوں وہی افغان و شورتھا

تزئین میں آئنے کے نظارے کا تھا نہ دھیان
ورنہ مزاج حسن تو کیاکچھ غیورتھا

دیکھنا شوق شہادت جب لگی قاتل کو دیر
نوک مژگاں سے ہی دل کار سناں لینے لگا

اس کے یہ کہنے کے میں صدقے کہ گھبرا کر کہا
سانس الٹی ہائے کیوں یہ نوجواں لینے لگا

جلائے آئنہ ہوتی ہے خاک سے ظالم
صفابھی چاہیے۔ ہو دل میں جب غبار آیا

کیا حلق بھی میرا تھا کوئی حرف شہادت
رکھتا جو زباں پر بھی ترا خنجر کہیں تھا

کر نہ سکوں اس سے تغافل کی شکایت
جب دیکھنے آیا کہ دم باز پسیں تھا

کچھ تو وہ شوخ ہے بر خود غلط اورکچھ میں غیور
اک نہ اک حیلے سے واں تک مرا جانا نہ ہوا

خواب جوں چشم زلیخا جلوہ گاہ یار تھا
پردہ غفلت بھی اپنا دیدہ بیدار تھا

اس نے جب تھا نبا مجھے میں نے نہ تھانبا آپ کو
بے خودی میں بھی میں ہمدم کس قدر ہشیارتھا

ہائے رے شوخی کہ ظالم کے خرام ناز تک
اتنی جلدی پر پہنچا شوق کو دشوارتھا

پرے گو لامکان سے وحشت آہو ہے جلوے کو
نگاہ شوق سے آگے پڑے ہے پاؤں الفت کا
سمجھتا ہوں کہ وہ بھی تیرے ہی غمزے کی شوخی ہے
کبھی گر حال سنتا ہوں قیامت کی صعوبت کا
نہ ہوتیں گر غلط اندازیاں منظور جلوے کو
دوئی کو کیوں بناتا پردہ وہ رخسار و حدت کا
گنہ اپنے تو کیا زاہد کی نیکی بھی ہے واں
چڑھا ہے رتبہ کیا عصمت میں دامان طریقت کا
کھویا غم فراق نے دل سے جہاں کا غم
غم ہی ہمارے واسطے غم خوار ہو گیا
ہنگام طوف دھیان بتوں کا رہا مجھے
میں کعبے جا کے اور گنہ گار ہو گیا
میں جاگ اٹھا جو خواب میں آیا وہ فتنہ گر
کیوں بخت میری طرح نہ بیدار ہو گیا
فیض اسلام سے بھی کفر کا جانا معلوم
سبحہ کے دل میں سدا رشتہ زنار رہا
ضعف پیری نے کیا راست روی پہ مائل
تیر کے حکم میں ہے قد کا کماں ہو جانا
وقت دیدار کے گریے کو تو روکوں لیکن
ایک آفت ہے یہ آہوں کا دھواں ہو جانا
شوخیاں برق کی سیکھیں ہیں کہ رخ دکھلا کر
دم کے دم میں وہیں نظروں سے نہاں ہو جانا

دل آنا تو حسینوں پہ نہیں چنداں پر
ہے غضب ہر کس وناکس پہ عیاں ہوجانا

بدن میں جان بھی باقی نہیں ہے اپنے تو، اور
خیال یار کو اب تک ہے آزمانے کا

سانس کے ہمراہ ہوتی ہے کھٹک سی کچھ مدام
دل مرے بر میں ہے یا پیکاں ہے تیرے تیر کا

لاغری سے پیرہن ہی بن گیا سامان قید
ہے گریباں ایک حلقہ پاؤں کی زنجیر کا

دل کھنچے جاتے ہیں لاکھوں دیکھ کر رفتار کو
نقش پائے یار گویا نقش ہے تسخیر کا

ہائے رے شوق شہادت اس کی اس نفرت پہ بھی
دل نے پیچھا ہی نہ چھوڑا مثل پیکاں تیر کا

ناتوانی کو بھی ہے کیا کیا کنایت پر نظر
ہے گلے کا طوق ہی حلقہ مری زنجیر کا

کام جب تدبیر سے بگڑے تو قسمت پر رکھیں
تہمتوں کے بوجھ سے سر ہے گراں تقدیر کا

مری آنکھوں ہی سے لیوے گا عوض اس کے بھی چرخ
گر لب زخم جگر بھی کبھی خنداں ہوگا

بد گمانی کا برا ہو کہ ہے آغوش میں اور
دل یہ کہتا ہے کہ گھر غیر کے مہماں ہوگا

نہیں معلوم کیا ہے وہ کہ اسے
کوئی بت اور کوئی خدا سمجھا

دل چسپیاں تو دیکھو آپس کی ہمدمو، وہ
غیروں کو دیکھتا ہے مجھ سے نظر بچا کر

کیا جانے کس طرف کو قناعت نکل گیا
مدت ہوئی کہ وہ نہیں آتا نظر کہیں

ضعف اپنا یاں تلک پہنچا کہ ہم
آ نہیں سکتے تمہارے دھیان میں

لوگ سمجھے کفر اور یاں بت کو دیکھ
کچھ ترقی ہو گئی ایمان میں

ہم کو جو دے چرخ تو ہم سے پھر وہی واپس لیتا ہے
ہم بھی یہاں دو لاب کی صورت الٹی قسمت رکھتے ہیں

آگے قیامت آفت ہوگے ڈھنگ یہی ہیں آپ کے گر
ماشاء اللہ آپ ابھی سے اتنی شرارت رکھتے ہیں

سنگ دل جب میں تری بزم میں آجاتا ہوں
روگ اک اور نیا دل کو لگا جاتا ہوں

اس توقع میں کہ لائے ہے کوئی مژدہ وصل
مثل گل دیکھ صبا کو میں کھلا جاتا ہوں

روزن آہ ہوئے دل کے مگر بند کہ اب
دم کچھ اس طرح گھٹے ہے کہ ہوا جاتا ہوں

ضعف پہنچا ہے یہاں تک کہ میں جوں کاغذ باد
گرہوا چھیڑے تو کوسوں ہی اڑا جاتا ہوں

دم آخر ہے ذرا دیکھ تو لوں سیر اس کو
اے اجل میں ترے ہاتھوں سے موا جاتا ہوں

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

مرتے مجھے دیکھا تو بولا متبسم ہو
آج آپ زندہ سے مضطر نظر آتے ہیں
اظہار ہنر اے دل مت کیجو کہ آئینہ
ہوتا ہے مکدر جب جوہر نظر آتے ہیں
کیسا ہے قناعت تو ہم سے بھی تو کہہ ظالم
احوال ترے ہر دم بد تر نظرآتے ہیں
موجہ ریگ بھی اس جا کی ہے گویا دم تیغ
پاؤں رکھیں ترے کوچے میں،یہ مقدور نہیں
مجھ میں اور تجھ میں ہے موسیٰ و تجلی کا سا ربط
ایک مژدہ ہے یہ کہنا بھی کہ منظور نہیں
کچھ انا الحق میں بھی جو بوئے انانیت ہے ہ
تو سیاست کے سوا در خور منصور نہیں
حسرت کشتہ کی ہے داد رسی سے مجھے یاس
کہ قیامت بھی ہو برحق پہ بہ محشور نہیں
خلوت دل ہے تر حسن کو اک پردہ شرم
لائق طرز حیا جلوہ گہ طور نہیں
آشنا ہر نگہ شوق سے ہے پرتو حسن
گو ہے پردے میں پر اس پر بھی وہ مستور نہیں
ناتوانی سے ہوں میں قید کہ گویا کہ نہ تھا
میں بھی جز حرف فراموش لب گور نہیں
امید پر ترے جولاں کی کب تلک ظالم
صبا سے اپنا بچائے ہوئے غبار رکھوں

یہ تو مانا امتحاں کے بعد ہوگی قدر کچھ
پر کریں کیا وہ ستم گر آزماتا ہی نہیں

کیوں نہ شک جائے مجھے جب کہ میرے بیٹھ کے پاس
مضطرب ہو کے تم اس طرح سے در کو دیکھو

کھلے محشر میں ہیں دفتر کے دفتر حرف شکوہ کے
مبادا خوں سے آلودہ کہیں دامان قاتل ہو

سینے میں دل جو اچھلے زیر زمیں تو ظالم
جوں گرا جا بھڑا دے افلاک سے زمیں کو

خوں گشتہ جگر کا کیا حال پوچھتے ہو
دیکھو تم آکے میرے دامان و آستیں کو

قسمت کی دشت گردی جائے کہاں و گرنہ
میرے غبار نے تو پکڑا ہی تھا زمیں کو

کچھ یہ بھی مصلحت تھی جو وہ دہن بنا کر
پردے میں سو گماں کے پنہاں کیا یقیں کو

جھڑتے ہیں پھول اپنی رنگینی ، سخن سے
گلچیں بنا دیا ہے اب ہم نے نکتہ چیں کو

ذوق ستم میں پاس سے اٹھا نہ ایک دم
یارب وہ شوخ مجھ پہ کبھی مہرباں نہ ہو

عنقا کا آشیاں ہے زباں جہاں پہ
اہل فنا کی نام تو ہے گو نشاں نہ ہو

میں ہوں وہ ناتواں کہ سعی صبا سے بھی
میرا غبار بدرقہ کارواں نہ ہو

پتھر کے سامنے ارنی ہر سوال میں
ہو کس طرح جو رغبت روے بتاں نہ ہو

تیرے لیے گر اتنے مسلماں نہ جان دیں
آباد بھی یہ کوچہ جنت نشاں نہ ہو

چلیو صبا سمجھ کے کہ اس گل کی راہ میں
افتا دہ مثل گرد کوئی ناتواں نہ ہو

نازک ہے وہ دماغ صبا بوے گل نہ لا
ساتھ اس کے عندلیب کا بھی کچھ فغاں نہ ہو

عشق و ہوس میں ہو ہی رہے اب امتیاز
آئی ہے طع آپ کی گر امتحاں پہ کچھ

کہتے ہیں میرے حال پریشان کو دیکھ لوگ
آفت نئی سی آئی ہے اس نوجوان پہ کچھ

اتنا بھی ضبط کیا ہے قناعت کہ اب تلک
تیرا کھلا نہ حال ترے راز داں پہ کچھ

جھٹکا کچھ اس طرح سے کہ جی ہی نکل گیا
رکھا جو میں نے دست بت فتنہ گر پہ ہاتھ

بنوا چکے بھویں بس اشارے سے کیجے قتل
اب دیر کیا ہے تیز بھی تلوار کر چکے

پہنچیں نہ کام دل کو تو قسمت وگرنہ ہم
مطلب تو باتوں باتوں میں اظہار کر چکے

اے ضعف جا کہ ہاتھ سے تیرے شب وصال
بند قباے یار بھی ہم سے نہ وا ہوئے

بہ ظاہر آپ تو آئے ہیں صلح کو لیکن
اسے کہ تیغ بھی زیب کمر ہے کیا کہیے
تا غمزدہ خوں خوار کا پاک اس سے ہو دامن
شوخی سے لیا نام قضا کا مرے آگے
سامنے اس کے ہیں یوں گویا کہ ہم
بیٹھے ہیں نا آشنا کے سامنے
اے بتو جو چاہو اب کر لو ستم
ہو رہے گی کچھ خدا کے سامنے
اپنی بیماری سدا کرتی رہے
شکوہ غفلت شفا کے سامنے
اب اجابت میری ناکامی کو دیکھ
ہے خجل کیا کیا دعا کے سامنے
الجھ کے تو ہی چل اے خار دو قدم کہ یہاں
ہم اپنے ساتھ کوئی ہم سفر نہیں رکھتے
شوق کو کثرت نظارہ سے رشک آتا ہے
حشر سے پہلے میسر ہو وہ دیدار مجھے
کعبے تک جانے میں تھی خاطر زاہد ورنہ
دیر میں بھی تھی سدا رخصت دیدار مجھے
جنس دز دیدہ کی مانند ہے الجھاؤ میں جان
کہ نہ لیتا ہے نہ پھیرے ہے خریدار مجھے
میں بھی کیا گرد ہوں صحرا اے جہاں میں کہ مدام
جھٹکے دامن کو پڑے جس سے سروکار مجھے

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

راز دل پہ نہ لانا کبھی منصور کہ یاں
کر دیا بات کے کہنے نے گنہگار مجھے

کعبے سے چل کہ دیر ہوا اب تینوں کا گھر
دوڑے ہے کاٹ کھانے کو خالی مکاں مجھے

پڑ پڑ کے پاؤں مجھ کو بٹھائے ہیں خار دشت
پھر ایسے قدر دان ملیں گے کہاں مجھے

وہ خستہ دل قناعت بے چارہ ہی نہ ہو
کل ناتواں سا ایک ملا تھا جواں مجھے

اس حال میں تو منت دشمن بھی ہے قبول
کچھ میرے حق میں سعی کر تجس سے ہو سکے

اب تو شب وصال ہے تھم چشم اشک بار
رو لیجیو فراق میں جتنا کہ رو سکے

گئے تھے تم کہاں آئے کہاں سے ؟
کہ ہ مسکی ہوئی چولی قبا کی

واعظ ہے مجھے آتش دوزخ کا تو ڈر لیک
ساتھ اس کے توقع بھی ہے کچھ دامن تر کی

رفتہ رفتہ دیکھیے کس کس کے منہ پڑتی ہے بات
میری وحشت کا ابھی تو آٹھ دن میں شور ہے

....

قیس

قیس تخلص، حافظ عبدالحی، کہین برادر حافظ عبدالصمد یوسفی ساکن کاکوری، باوجود حداثت سن اور خورد سالی کے تلاش سخن بلند اور فکر شعر عالی ہے۔ اس کا نہال احوال

ہمیشہ سعادت ذاتی سے باروراور خندہ نشاط دائما اس کے لب خوش سخن سے جلوہ گر۔ اس کے نتائج سے یہ شعر یادتھا سو مرقوم ہوا:

ہم زبانی کیوں نہ ہو باہم ہمارے اس کی قیس
ترجمان اپنی ہے وہ ہم ترجمان عندلیب

....

قیس

قیس تخلص، محمد عنایت اللہ، وطن آبا ءاس کا قصبہ بیگم پور علاقہ سکندرآباد اور مولد اس کا کول ہے۔ فن سخن مے نو مشق اور منشی نبی بخش کا شاگرد ہے۔ یہ دو تین شعر اس کے مسموع ہوئے:

لے گیا دل کو ساتھ پیکاں کے
تیر بھی اس کا دل ربا نکلا
لڑکے ہیں کلیجا کہیں پھٹ جائے نہ ان کا
اشک آئیں تو نالہ کبھی دل سے نہ نکالو
کرتے تھے پتھر کے جو دل میں اثر
آہ وہ نالے مرے کیا ہو گئے

....

قیصر

قیصر تخلص، شاہ زادہ بلند مرتبت، عالی درجت، شاگردوں رخش، مرزا خدا بخش سلمہ اللہ تعالی نواسہ حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ مرحوم راقم آثم صابر ہیچ مدان کے ماموں اور ارباب الہ کے دلجو ہیں۔ تواضع اور فروتنی گویا لوازم ذات سے ہے اور خلق ومروت ان کی ادنیٰ صفات سے ہے۔ مشق سخن مومن خاں مرحوم سے کی ہے۔ ان کے سخن کی طرز فصاحت اور ان کے کلام کی بان متانت سے خالی

نہیں ہے۔ یہ چند اشعار ان کے افکار سے ہیں:

کریں گر کلفت دل کا بیاں ہم
ملائیں خاک میں ہفت آسماں ہم

ہوس غیر سے عشق اپنا اسے یاد آیا
کیا نئی طرح سے ہم دل میں گزر کرتے ہیں

تو لطف کرے یا نہ کرے خوش ہو کہ ناخوش
اس بات پہ مرتا ہوں کہ عاشق ہو ں ترا میں

اس کو میں خاک ہونے کا چرچا ہے جا بجا
نام اپنے جب ہو ا کہ رہ ا کچھ نشاں نہیں

جنوں میں بھی مری شوکت نہیں جاتی کہ اے قیصر
جہاں جاتا ہوں میرے ساتھ اب لڑکوں کا لشکر ہے

نبھے گی خاک محبت کہ نام سے قیصر
وہ اپنے زعم میں سمجھیں ہیں مال دار مجھے

....

باب الکاف التازی

کامل

کامل تخلص، مرزا ناصر الدین معروف بہ محمد مرزا ابن مرزا ابو سعید ابن مرزا طالع مراد شاہ مرحوم ابن حضرت عالم گیر ثانی۔ احقر کے عم زاد اور مرزا رحیم الدین حیا کے بھی عم زاد بھائی اور مرزائے موصوف سے فن سخن میں مستفید، فارسی سے بہ قدر ضرورت آ گاہ اور صناعت موسیقی میں صاحب دست گاہ۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہیں:

نوچ کر پر قید سے چھوڑا تو کیا چھوڑا ہمیں
تو ہی کہہ اس حال میں جائیں کہاں صیاد ہم
اس ستم گر کے عشق میں کامل
جو نہ کرنا تھا سو کیا ہم نے
کامل آشفتہ سر کو دیکھ کر کہنے لگے
رہ گئے تھے اک یہی عاشق مری تقدیر کے

کامل

کامل تخلص، سدا سکھ پنڈت کشمیری۔ کاک لقب۔ مرد معمر ہے کہ عربی و فارسی میں استعداد تمام رکھتا تھا اور نظم و نثر میں دست گاہ تام۔ فارسی کی زباں دانی کا دعویٰ اور مقامات مشکلہ کی تحقیق کا لاف ایسا تھا کہ کوئی صاحب استعداد اس کے زعم میں علم مباہات بلند کرنے کی لیاقت نہ رکھتا تھا۔ زبان عربی کی تحقیق کے حیلے سے تمام کلام مجید کو حفظ کیا۔ اس سے دریافت ہوتا ہے کہ فصاحت و بلاغت میں دست گاہ تمام رکھتا ہوگا۔ سنین عمر سو کے قریب پہنچے تھے۔ اکثر عمر کو سفر میں صرف کیا۔ آخر کار لب دریا گنگ پر وارد ہو کر کشتی عمر کو ملاح قضا کے اختیار میں دے دیا۔ یہ اشعار اس

کے سنے گئے

تیرا ترا ہذف کنم از جان تازہ
باشد عزیز خاطر مہمان تازہ
بلبل کر ادماغ کہ سیر چمن کند
دارم ز داغ سینہ گلستان تازہ
خاکم بباد رفتہ و بر مشہدم ہنوز
دارد سمند ناز تو جولان تازہ
کامل بہ قول طالب آمل بہ فصل گل
گشیتم عندلیب گلستان تازہ

....

کاظم

کاظم تخلص، کاظم علی۔ ساکن منڈاور۔ جوان خوش مزاج، تیز طبع ، اہلیت و سعادت سے بہرور اور استعداد خداداد کی اعانت سے سخن گستر۔ اوائل میں تحصیل علوم کی تقریب س وارد شاہ جہان آباد ہو کر نقد ہنر کو حاصل اور مومن خاں مرحوم سے فن شعر کا استفادہ کیا۔ اب چند سال سے شہر رڑھ کی میں علوم ریاضی میں دست گاہ تمام بہم پنچا کر کسی علاقے پر مامور ہے۔ یہ شعر اس کا یاد تھا:

اے طفل اشک ہم تجھے آنکھوں میں یوں رکھیں
اور تو ہمارے راز کو یوں برملا کرے

....

کرامت

کرامت تخلص، کرامت اللہ شاہ۔ آزادہ منش و بے پروروش تھا۔ یہ شعر اس کا سنا گیا:

مقبول حق ہے جو کہ اہل سخن کا دوست
ہے حب اہل بیت وسیلہ نجات کا

....

کیف

کیف تخلص، فضل احمد شاگرد، صبا، جوان نیک نہاد خوش مزاج، یہ شعر اس کا سنا گیا:

کیوں کر رہیں نہ دل کو تصور وصال کے
کچھ پر بندھے نہیں مرے مرغ خیال کے

....

باب الکاف الفارسی

گرم

گرم تخلص، مظفر خاں، جوان خوش طبع ظریف مزاج، متوطن رام پور، مدت مدید سے نواب عبداللہ خاں برادر حقیقی محمد سعید خاں والی، رام پور کی رفاقت میں خاک پاک، ۔شاہ جہاں آباد کو رشک ارم کیا اور اب اسی نواب مستطاب ۔۔کے ہم رکاب شہر میرٹھ میں مقیم تھے ۔مشق سخن شیخ ابراہیم ذوق مرحوم سے بہم پہنچائی۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہیں:

حال عشق کبھی پوچھے ، نہ ملائے تو چشم
آنکھیں کیا چرنے گئیں ہیں تری اے آہو چشم
نہ رہی ہائے تصور کو ترے جا خالی
بس کہ لخت جگر و دل سے ہوئی مملو چشم
چاہ میں اک بت ہرجائی کے ہے
در بہ در ناصیہ فرسائی کی

گویا

گویا تخلص، فقیر محمد خاں، شاگرد شیخ امام بخش ناسخ لکھنو میں زبدہ امرائے نامی اور قدوہ کبرائے گرامی سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس سواد میں مومنین پاک کی کثرت اور حضرات شیعہ کی افراط پر اس سنی عالی مرتبہ کا وجود نا در بل مغتنمات سے ہے۔ سخن اس کا الفاظ اور معانی غریب اور نکات برجستہ اور اشارات دل چسپ سے مملو تھے ۔ یہ چند شعر اس کے دیوان فصاحت بنیان سے منتخب ہوئے:

نہیں ہے علم جاں بازی میں کچھ حاجت معلوم کی
تڑپنا آپ ہی استاد ہے تعلیم بسمل کا

قیامت کے منکر جو ہمیں اے ستم گر
ترے قد و قامت کو دیکھا نہ ہو گا
وہ ایسا نہے چپ رہے بات سن کر
کوئی اور ہووے گا گویا نہ ہوگا
ہے جو مضمون فتنہ انگیز اس میں تیری چال کا
اب زمین شعر میں بھی خوف ہے بھونچال کا
کب تلک ان بتوں کے ظلم سہوں
اے خدا دل نہیں ہے پتھر کا
مصرع ابرو مکرر لکھ دیا استاد نے
اس سے بہتر دوسرا مصرع نہ جب موزوں ہو ا
موت جب نزدیک آئی پھر ملے س سے تو کیا
فائدہ گر وہ ہوا تو یہ زیاں ہو جائے گا
تھا جو افتادگی شعار اپنا
نہ زمیں سے اٹھا غبار اپنا
نہ رہی بعد مرے نامہ و پیغام کی رسم
خاک اڑاتی پھری گلیوں میں صبا میرے بعد
منہ دکھاتا تو کہاں باتیں تھیں اس کی مجھ تک
لن ترانی کی بھی آئی نہ صدا میرے بعد
سنگ مدفن کی جگہ رکھ دیا مدفن پہ مرے
کوہ غم جب کہ کسی سے نہ اٹھا میرے بعد

……………………………………

باب اللام

لطف

لطف تخلص، حفیظ اللہ تلمیذ شیخ ابراہیم ذوق، مرد معقول و نیک نہاد اور مطبع عزیزی میں سلسلہ چاکری مربوط رکھتا ہے۔ یہ شعر اس کا درج تذکرہ ہوا:

وہ پڑھ کے سطر کون سی چیں بر جبیں نہیں
ہر چند خط میں حرف شکایت کہیں نہیں

....

لطیف

لطیف تخلص، دولت سنگھ، قوم کھتری، شاگرد شاہ نصیر مرحوم، مشاق قدیم اور شعر سے مناسبت طبعی رکھتا تھا۔ چار پانچ برس ہوئے کہ دار فانی سے رحلت کی۔ یہ شعر اس کا ہے:

کوئی کہتا تھا قصہ مجنوں کا
میں اسے اپنا ماجرا سمجھا

....

باب المیم

ماہ

ماہ تخلص، مرزا عنایت علی بیگ، کوچک برادر مرزا حاتم علی بیگ مہر، آگرے میں مصاحبت راجا بلوان سنگھ راجا تخلص والی، کاشی سے ممتاز اور شاگردان خواجہ حیدر علی آتش سے ہے۔ یہ دو شعر اس کے اشعار سے منتخب ہوئے:

کیوں کر ورق اڑائے نہ تلوار یار کی
ہڈی بھی کاغذی ہے میر جسم زار کی

ہر روز نیا وعدہ ہے ہر شام نیا عذر
بن بن کے بگڑتا ہے مقدر کئی دن سے

....

ماہر

ماہر تخلص، شاہ زادہ بلند اقتدار، گردوں اعتبار، صاحب تمکین و سادہ فطانت و ذکا، مسند نشین شبستان عز و علا، جلالت پناہ۔ مرزا جمعیت شاہ خلف الصدق مرزا زور آور بخت مرحوم ابن مرزا جمشید بخت مغفور ابن حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ مبرور، بزرگی، اعتبار ظاہری کو وسیلہ اوصاف قرار دے کر خامہ سخن سنج کو عرصہ اوراق میں گرم جولاں کرنا ایک امر زاید اور کار لاطایل ہیکہ نسبت شاہ زادگی سے اور کون سا مرتبہ فایق تر ہے جس کو اسباب مدائح اور وسایل اوصاف سے مقرر کیا جائے۔ دو چار سطر مناسب مقام مسطور اور چند حرف حسب موقع مذکور کرتا ہوں۔ مبدا فیاض نے ایسا ضمیر آفتاب تنویر دیا ہے کہ اس کی مدانفاس عمود صبح کے برابر ہے اور اس کا نقطہ سویدا ستارہ سحر سے ہم سر۔ اس کی طبیعت کی روشنی سے زمین سخن پر نور اور اس کے معنی کی تجلی سے چوب قلم شجر طور۔ ایسا کلیم کلام ہے کہ مصر سخن میں حریفان نخوت سرشت کی فرعونی اس سے پیش نہیں جاتی اور س کے اعجاز کلام کے سامنے شعرائے

جادوفن کی سحر طرازی مقابلہ اعداء میں ہم نفس اثر دہا۔ ہر صفحہ اس کا رنگینی، معانی سے غیرت گلشن اور ہر بیت جوں بیت ابروے خوباں ناخن بہ دل زن۔ قصر سخن ایسا عالی ہے کہ پیک تصور جس قدر بالا دوری کرے اس کا پایہ اس سے بھی زیادہ تر بلند ہے اور طرز سخن ایسی دل چسپ کہ دل سوختگان محبت کو مژدہ وصال محبوب سے زیادہ تر دل پسند ہے۔ سوز محبت کا کیا اثر ہے کہ ہر دائرہ اس کے الفاظ کا مشرق آفتاب محشر ہے اور ہر نقطہ داغ دل عشاق سوختہ جگر۔ سطر سطر آہ جگر سوز اور کلمہ کلمہ داغ دل افروز۔ معنی ہر بیت کے شمع محفل عشاق۔ مضمون ہر رباعی کا دست آویز عرفائے آفاق۔ نور افشانی، معنی سے ہر صفحہ زرفشاں اور فروغ مضامین سے ہر سطر کہکشاں۔ ہرچند اصناف سخن مثل غزل وقصیدہ ورباعی وقطعہ وترجیع بند کے سرانجام میں قدرت تمام اور دست گاہ مالا کلام حاصل ہے لیکن ازبس کہ ایام شباب ولولہ افزائے شوق اور روزگار جوانی پردہ کشائے ذوق ہے۔ غزل گوئی کی طرف التفات بہ حد کمال ہے اور شعر پڑھنے کی طرز ایسی ہے کہ بزم مشاعرہ میں جب اس کی زبان حرف سے آشنا ہوتی ہے۔ ارباب بزم ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں۔ شمع سراپا گداز ہوکر ایک نہ ایک مصرع سوزناک اس کی تعریف اور تحسین مین اپنی زبان پر لے ہی آتی ہے۔ رقم آثم سے علاوہ تلمذ واستفادہ شعر کے رابطہ محبت کو ایسا مستحکم کیا ہے کہ اس یکتائے عصر کی صحبت یک دمہ کو عمر ابد وزندگی جاوید سمجھتا ہوں۔ جناب مستطاب استادی مولوی امام بخش صہبائی مدظلہ العالی کی خدمت سراپا افادت میں صفائے اعتقاد اور نونہال گلشن جوانی۔ نوباوہ حدیقہ زندگانی، مرہم سینہ ہائے مجروح، خلف رشید جناب ممدوح، مظہر اخلاق عمیم مولوی عبدالکریم سوز تخلص سے روابط اتحاد اس قدر ہے کہ زبان اس کے بیان میں قاصر اور بیان اس کی تفصیل میں کوتاہ ہے:

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز دم در کش
حسن ایں قصہی عشق است در دفتر نمی گنجد

اب اس کے کلام فصاحت سرانجام سے کچھ انتخاب کرکے نذرِ احباب ہوتا ہے:

پہلے اک سوز سا تھا دل میں پر اب تو ہمدم
شمع کی طرح ہے شعلہ مرے سر سے پیدا
ہم بھی ضرور کعبے کو چلتے پر اب تو شیخ
قسمت سے بت کدے میں دیدار ہو گیا
ناصح کی بات سننے کا کس کو یہاں دماغ
تیرا ہی ذکر تھا کہ میں ناچار ہو گیا
اے ہم نشیں وہ حضرت ماہر نہ ہوں کہیں
اک پارسا سنا ہے کہ مے خوار ہو گیا
ہوں وہ دیوانہ کہ روتا ہے مرے احوال پر
چشم حسرت سے ہر اک حلقہ مری زنجیر کا
کھینچ لے اے چارہ گر پہلو سے میرے دل سمیت
ورنہ مشکل ہے نکلنا یوں تو اس کے تیر کا
چارہ گر شغل کو کچھ کچھ تو خلش بھی ہے ضرور
رہنے دے دل میں اگر ناوک دل دار رہا
لبوں تک آ نہیں سکتا ہے نالہ سینے سے
اور اتنے ضعف پہ قصد سر اٹھانے کا
ہم اک قدم پہ ہیں سو سو قیامتیں برپا
نہیں وہ چال کہ فتنہ ہے اک زمانے کا
سمجھ ہی الٹی ہے دیوانگان الفت کی
کہ دل کے جانے پہ رکھتے ہیں نام آنے کا

ملے پہ بھی نہ ہوا ہم سے وہ ستم گر صاف
کہ ڈھنگ پہ بھی ہے اک خاک میں ملانے کا
وہاں تو روز ترقی ہے اور یہاں مقدور
نہیں ہے اک بھی دم کے ستم اٹھانے کا
ترے تولطف سے بھی جان کانپتی ہے کہ یار
نہیں ہے برق سے کم طور مسکرانے کا
نہ ربط ایک ساھر ایک سے رکھو ماہر
ذرا تو دیکھو کہ کیا ڈھنگ ہے زمانے کا
کیا میں بھی کوئی نقش کف پا ہوں کہ ظالم
رفتار میں موجود تھا ٹھوکر میں نہیں تھا
رو دیا قتل کے بعد اس نے پشیمان ہو کر
اسکو پیدا جو جفا کش کوئی مجھ سا نہ ہوا
آتی ہے دل میں لب معشوق تیر یار تھا
میری اور اسکی طرح ان میں بھی باہم پیار تھا
کش مکش میں بھی اگر رکھا تو میری خاک کو
باد کا جھوکا بھی اس کی شوخی، رفتار تھا
خون کی میرے دیت مجھ سے ہی لینی تھی ضرور
قتل کا میرے سبب میرا لب اظہار تھا
جو اشارا تھا حریفوں سے سو میرے قتل کا
ترک چشم یار تھا تو مست پر ہشیار تھا
بے خبر دل اور جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے
ان پہ کس کافر کی درزیدہ نظر کا وار تھا

اپنی ناداني تو دیکھو بے وفا سے جور کا
اس طرح سر پر لیا گویا ہمیں درکار تھا۔

جذبہ دل میں بھی تھا اس ناتوانی کا اثر
اس کا رخ گہ سوے عاشق گہ سوے اغیا تھا

سر بلندی روزی، حق گو ہے کوئی وضع ہو
تھا سر منصور اونچا گویہ سعی دار تھا

خد ا ہی جانے اثر تھا یہ کس کی شوخی کا
کہ دل میں ہوتی تھی رہ رہ کے بے قراری رات

تمام زلف کو یوں دل نے چھان مارا ہے
کہ جس طرح کوئی رستہ چلے ہے ساری رات

ہونا پامال جو قسمت میں نہ اٹھا اپنی تو کیوں
اتنے اندازوں میں آئی تری رفتار پسند

ٹھوکروں میں ہی رکھے دل کو مرے تادم زیست
گر سمجھ لے کہ اسے ہے مری رفتار پسند

بے تابی ، دل دیکھ جگر کے ہوے ٹکڑے
ہم درد ہو اٹھا اسے ہم خانہ سمجھ کر

کعبہ بیت اللہ ہے اور اس میں نہ تھا بت کے سوا
اہل حق کرتے ہیں زاد بت پرتی دیکھ کر

خاک اڑائیں گے ترے دیوانے کب تک دشت میں
پڑ رہیں گے کوئی گورستاں کی بستی دیکھ کر

یوں ہی اگر رہیں گے یہ وحشت کے ولولے
صحرا میں مل رہیں گے کبھی خار او ر ہم

وصل کی رات ہر اک بات پہ منہ پھیر کے وہ
بے مزہ یوں ہیں کہ گویا انھیں منظور نہیں
وفا تھا دل کیساتھ سو خوں ہو کے بہہ گیا
اب دل نہیں تو نام کو بھی چشم نم نہیں
محراب کعبہ جانتے ہیں اہل دیں اسے
کافر یہ مرتبہ تری ابرو کا کم نہیں
رگڑے ہے ایک عالم در پر تیر جبیں کو
کعبہ سمجھ لیا ہے گویا اسی زمیں کو
بولے تو تھے پر اس کی حاضری جو ایوں سے
نا چار چپکا رہنا آخر پڑا ہمیں کو
جیتے تو آسماں سا دشمن ٹلا نہ سر سے
چھاتی کی سل موئے پر پاتا ہوں اب زمیں کو
مجھ کو تو اس دہن کا ہونا عدم یقیں ہے
جب بوسہ مانگتا ہوں سنتا ہوں میں نہیں کو
تیرے تو نقش کی بھی ظالم نہ تھی توقع
کیا جا کے چھوڑتے ہم کہسار میں جبیں کو
جوں شمع رات بھر کا جلنا ہے اور میں ہوں
شادی سے بزم کی کیا میرے دل حزیں کو
اس عجز نے تو پہلا سب اعتبار کھویا
لکھا مٹے ہے جو جو گھستا ہوں میں جبیں کو
مرنے کیبعد دل کی بیت تابیوں سے اک دم
لاشہ ہمارا رکھنا مشکل ہوا زمیں کو

گر در نہیں بتوں کا کعبے ہی کو چلوں میں
اک سنگ چاہیے ہے آخر مری جبیں کو

پہنچوں غبار بن کے تو دامن کو دے جھٹک
محنت کسی کی میری طرح رائیگاں نہ ہو

ایسا مٹا دیا ہے فلک نے کہ مثل باد
گر خاک پر چلوں تو قدم کا نشاں نہ ہو

ماہر کا شکوہ کیا ہے اسے بھی بلا تو لو
کہیے کسی کو آپ نہ اپنے گماں پہ کچھ

وہ میری لاش پر روتے ہوئے آئے ماہر
سچ ہے یہ بات کہ الفت سے ہے الفت ہوتی

بگڑ کے بیٹھنا اس کا بناؤ ہے گویا
ہر ایک بات میں خوبی ہے خوش نما کی لیے

بڑھائی تم کو تو مشق ستم ہے اور ہم بھی
نہیں کچھ ایسے کہ اتنا جگر نہیں رکھتے

جگر میں لگتے ہیں اڑ کر وہ ناوک مژگاں
یہ کہنے کو ہے کہ وہ تیر پر نہیں رکھتے

اس کے ہنسنے سے کھلی رمز عدم کی ماہر
کس قدر سہل ہوا عقدہ دشوار مجھے

آنکھوں سے تو دکھا چکی کیا کچھ یہ چشم تر
کانوں سے کیا سنائے گی دیکھوں زباں مجھے

میں ہوں اسیر مجھ کو رہائی کی دے نوید
ورنہ یوں ہی بہار سے کیا اغیار مجھے

میرے تمہارے ملنے پہ کیا کیا ہیں مفسدے
اغیار واں ستائیں تمہیں یار یاں مجھے

باقی جو عمر تھی وہ تجسس میں کی تمام
پر عمر رفتہ کا نہ ملا کچھ نشاں مجھے

مانا کہ مجھ کو اور سے صحبت نہیں ولے
رکھتا ہے حسن شوخ ترا بد گماں مجھے

رکھا نہ سر کو زانوے نازک پہ شوخ نے
ان ناتوانیوں پہ ہے سمجھا گراں مجھے

بزم خود میں یوں ہوں کہ جیسے گناہ گار
پتھر پڑیں سمجھ پہ کہ لائی کہاں مجھے

لا کشتیٔ شراب کہ غم کے محیط میں
توبہ ڈبوئے دیتی ہے پیر مغاں مجھے

ہمت سے دل نے عشق کو آساں اٹھا لیا
ہلکا ہوا یہ بوجھ دیا تھا گراں مجھے

دعویٰ تو یہ دعا کو کہ پہنچی خدا تلک
اور رجا سکی نہ لے کے کبھی تا بتاں مجھے

فرط سوال شوق سے ماہر نہ تنگ ہوں
کرنے دیا نہ ایک بھی پورا بیاں مجھے

کیا لیا ان کے کعبے میں سوا اس کے کہ ہم
ہوئے شرمندہ برہمن سے صنم سے جھوٹے

صحرا کو لے چلے ہمیں وحشت کے ولولے
دیکھی نہ راہ آمد فصل بہار کی

کہتے تھے وقت نزع مرے سب جوان و پیر
اس نوجوان نے کس پہ جوانی نثار کی

کتنا ہی ہم چراتے ہیں انکھ سے پر نظر
ناچاہ پڑ ہی جاتی ہے کم بخت پیار کی

دل میں اک سوز سا پاتے تھے سدا ہم لیکن
اب جو دیکھا تو ہے اک خاک کا تودا باقی

شوخیوں پر ہے یہ تمکیں کہ ہوا حشر بھی اور
سب کو اب تک ہے قیامت کی تمنا باقی

ڈبڈباتے ہی میں آنکھوں کے ہوا عالم غرق
اوراب تک ہیں بہانے کئی دریا باقی

اب تیرے تغافل سے ہے پامال وگرنہ
جو چاہیے خنجر نے خبرلی میرے سرکی

اس کی زلفیں بلا ہیں او ریہ بلا
اپنے سر پر ہمیں لیے ہی بنی

جس کی وردی میں مرتے تھے ماہر
آخر اس بن ہمیں جیے ہی بنی

....

مبتلا

مبتلا تخلص، جوان متین، خوش مزاج، نیک رفتار، دوست رسا، محبت افزا۔ سعادت نہاد، پنڈت اجودھیا پرشاد معروف بہ منشی۔ اخلاق حمیدہ اس کے مثل نگہت گل مشام نواز اور کردار پسندیدہ اس کے اہل روزگار کے اوضاع سے ممتاز، اس کی زبان دانی سے ہند کو اصفہان پر سدھا سخن اور اس کی نکتہ طرازی سے نقاط حروف خال

محبوب پر طعنہ زن، مقامات کتب فارسی کو حلال مشکلات سخن جناب استادی، مولوی، امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں نہایت تحقیق اور تدقیق سے حل کیا او زشق سخن بھی انھیں سے بہم پہنچائی، حق ہے ہے کہ معنی کی نزاکت اور الفاظ کی متانت اور کلمات کی تنگ درزی اور تراکیب کی کرسی نشینی دائرہ ستائش میں محصور نہیں ہو سکتی۔ یہ چند شعر اس کے افکار سے ہیں:

از دل ماہر نفس پیروں نیابد غیر آہ
جز الف دیگر نخواند ایں طفل ابجد خوان ما
برق بے تابانہ خود را در تہ ابر آورد
از گزند گرمی، آہ شرر افشان ما
تا چو صہبائی زباں داں اوستاد مبتلا ست
بہتر است از خون ایراں خاک ہندوستاں ما
شمع چوں در بزم گرم صحبت آرائی شود
سوزق غیرت بجاں آتش زند پروانہ ر
نا توانی قطرہ اشکے بدامن درخشاں
صاحب خرمن شود ہر کس فشاند دانہ را
اے کہ داری گردش چشم از من مسکیں دریغ
بارقیباں چوں بہ گردش آوری پیمانہ را
او در آغوش من است و من ہماں در جستجو
در بر سروست جاے قمری و کو کو زن است
اے دوست تنگ دم سرمہ آں چشم سخن گوارا
سوالے کردہ ام از وے جوابے آرزو دارم

....

مبین

مبین تخلص، بلبل گلزار سخن وری، عندلیب گلشن معنی پروری، فرزند دل بند حافظ قطب الدین مشیر حافظ محمد غلام دستگیر۔ سعادات ظاہری و باطنی سے بہرہ وافر اور کمالات صوری و معنوی سے نصیبہ متکاثر رکھتا ہے۔ کسب فن شعر اپنے والد ماجد کی خدمت سراسر ارادت سے کیا اور موزونی وھی سے اکتساب کا سر چرخ افتخار تک پہنچا دیا ابیات غزل شوخی معنی سے دشت بیاض میں نوخاستہ غزال اور سطور اشعار رنگینی مضمون سے گلشن صفحہ میں تازہ نہال ہیں۔ مصرع برجستگی معنی سے برق اور کنارہ اوراق فروغ مضمون سے شرق۔ سن جوانی میں حلم اور تواضع اور تحصیل ھنر کا شوق اور کسب کمال کا ذوق اور کثرت مروت اور فرط اھلیت جس طرح اس نیک نہاد میں جمع ہیں، سعادت مندان روزگار سے کم کسی میں فراہم ہیں۔ چند شعر کہ دستیاب ہوئے، مرقوم ہوتے ہیں:

نزع کے وقت جو وہ حور شمائل آیا
ملک الموت کو بھی غش مرے شامل آیا

ایک داغوں سے بھرا ایک پھپولوں سے پھلا
جگر آیا ادھر آفت میں ادھر دل آیا

ہے شیشہ دل ٹکڑے ہر رند قدح کش کا
مے خانے میں ماتم ہے ماہ رمضاں آیا

کس منہ سے بے وفا کہوں تم کو کہ میں نے بھی
شکوہ کیا ہے دل میں کئی بار آپ کا

سخت جانی کو مری کھیل کہیں سمجھے ہو
توڑنے آئے ہو کیوں خنجر براں اپنا

نہ سوزش جگر میں نہ دل میں طپش

مرا غم میں رونا دوا ہر ہو گیا
نکالا صنم نے تو کعبے گیا
میں مفت میں پارسا ہو گیا

کان نازک ہیں گلوں کے کر نہ نالے عندلیب
ہے یہ مقراض محبت کھولنا منقار کا

وحشیوں کے دم سے ہیں آبادیاں
ورنہ یہ غل پھر کہاں زنداں میں

وہ ادھر آتے ہیں اور پاؤں ادھر پڑتا ہے
غیر کے جذبہ الفت کے اثر کو دیکھو

اس بزم میں جہیں میں ہر جا خوشی تھی لیکن
کونے میں ایک دیکھا روتے ہوئے میں کو

وہی اب تک ہے ان بوسوں کی لذت
لبوں پر پھیرتا ہوں میں زباں کو

مبیں کعبے گئے لیکن چھپا کر
بغل میں نقشہ کوے بتاں کو

مرتے ہیں ایسے قاتل بیدار پر کہ ہائے
ہم موت ہی سمجھتے ہیں عہد شباب کو

مبیں رخ سے نقاب اس کے اگر محفل میں اٹھ جائے
تو پروانے کبھی مڑ کر نہ دیکھیں شمع روشن کو

کوئے بتاں سے نکلے تو کعبے گئے مبیں
شرمندگی اتارنے کو پارسا ہوئے

ملانا یہ دو دل کا کیا جانتا ہے

فلک خاک ہی میں ملا جانتا ہے
وہ دیکھے مری نبض اے چارہ سازو
جو تم میں اجل کی دوا جانتا ہے

بے خودی میں بھی عجب چین سے دن کٹتے ہیں
کچھ خبر ہی نہیں دنیا میں کہ کیا ہوتا ہے

علاج زخم کیا اچھا مرے قاتل کو آتا ہے
کیے زخموں کے روزن بند ہر ناوک کے پیکاں سے

تڑپتے اتنے ہو رو رو کے اے مبیں توبہ
بتوں کے غم میں، خدا پر نظر نہیں رکھتے

بیٹھا ہوں بزم غیر میں پتھر کیے جگر
یہ بھی کیا سلوک دل بے قرار نے

ایماں اے مبیں بتوں نے لیا ہی تھا
لیکن بچا لیا مجھے پروردگار نے

شمع روشن کو میں دیکھ لے تو بھی رو کر
تفنہ جانوں کی یوں ہی رات بسر ہوتی ہے۔

....

متین

متین تخلص، زبدہ معتبران روزگار، اسوہ اقبال مندان کام گار، رائے کانجی سہائے۔ متوطن قدیم شہر لطافت نہاد الہ آباد، اس صاحب اقتدار کے والد ماجد جھگڑو لال نے ابتدائے عمل داری انگریزی میں مدت ہائے مدید عہدہ تحصیل داری پرگنہ اہر کہ ضلع بنارس پر مامور ہو کر جاہ و اعتبار کے ساتھ بسر کی اور عم بزرگوار حکام وقت کی جانب سے تحصیل دار پرگنہ مند کی ضلع فتح پور پر۔ اور فن شعر گوئی اور سخن طرازی میں

شاگرد شاہ محمد علیم الہ آبادی تھا۔ یہ والا جاہ اوایل میں عہدہ منصفی موضع منجھن پور ضلع آباد، سے سرفراز ہوا اور بالفعل مسند صدر الامینی رہتک پر متمکن ہے۔ قلم تحریر ے اوصاف میں عاجز اور نفس تقریر محامد میں قاصر ہے۔ نہ عموم اخلاق کے بیان سے عہدہ برا ہوسکتا ہے۔ اونہ وفور حلم و بردباری کے دفتر س حرف سرا۔ فن سخن سے ازبس کہ مناسبت ذاتی اور ذوق طبیعی ہے۔ گاہ گاہ اوقات فرصت میں شعر فارسی کا فکر دامن گیر ہوتا ہے۔ ہرچند اس فن میں کسی سے مشورے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن استعداد خداداد سے قدم فکر جادہ استقامت سے منحرف نہیں ہے۔ یہ چند شعر اس مدعا پر شاہد اور اس دعوے پر گواہ ہیں:

رنگیں بود زبس کہ کلام متین ما
گوئی کہ کشتہ اند گل اندر زمین ما
مادریں بزم از مذاق بادہ آگہہ نیستیم
ریخت ساقی جاے مے خون دل اندر جام ما
تک اشارت بہر دفع اضطراب دل بس است
جنبش ابرو بود گہوارہ آرام ما
بہر مستقبل بو دآئینہ حال من متین
باشد از آغاز پیدا صورت انجام ما
کن چہ گویم تا چہا دیدم ز دانائی متین
اے خوشا وقتے کہ حاصل بود نادانی مرا
دیگر ز دام کاکل مشکیں رہا مکن
ایں صید زخم خوردہ تیر نظارہ را
ہم چو فوارہ رایگاں شد صرف
بود نقدے کہ در خزانہ ما

مثیں نبود رخم سرخ از مسرت بل ز ضعف تن
تدارد مرغ رنگ روے ما تاب پریدن ہا
از طاعت، تو یافت بہ عالم رواج روز
وز کاکالت گرفت یہ گیتی مدار شب
بہ ہجر دیدہ و دل غیر ازیں چہ کار کند
کہ دیدہ گرید و دل نالہ ہاے زار کند
از دست من چو دامن دلدار می رود
کام زدست و دست من از کار می رود

....

مجرد

مجرد تخلص محمد پناہ۔ مرد ظریف، خوش مزاج تھا۔ ہر چند فکر میں مضمون یابی اور طبیعت میں معنی خیزی تھی لیکن کچھ اپنے مزاج کے اقتضا اور کچھ تحریک احیا سے غزل خصوصاً مقطع کو مضامین ظرافت آمیز سے مملو کرتا اور مانند اس رند کے کہ ظرف حوصلہ سے زاید شراب پی جائے۔ ایسے اشعار کہ پڑھنے سے عین مشاعرہ میں کچھ باک نہ کرتا۔ چند سال ہوئے کہ عالم باقی کو راہی ہوا، یہ دو شعر اس کے تحریر ہوئے:

مسجد کو تیری شیخ ہمارا سلام ہے
ہم نے تو آستان بتاں سجدہ گاہ کی
اس چاند میں فلک کا مجرد سے گھر پھٹا
اس ماہ سے نکاح کی جو رسم و راہ کی

....

محبؔ

محب تخلص، شاہ زادہ بہرام شاہ، خلف الصدق شاہ زادہ جہانیاں مدار مرزا اختر

شاہ بہادر ابن شاہ زادہ حسن شاہ بہادر مرحوم درانی۔ان والا شانوں کی بلند پاگی شہرہ آفاق ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہ زادہ موصوف فن شعر میں میاں جان صفیر تخلص سے مشورہ کرتا ہے۔ یہ اشعار اس کے سنے گئے:

حشر میں بھی اگر ملا وہ محب
تو یہ سمجھیں گے ہم شتاب ملا

دل میں ہر ایک کے میں کھٹکتا ہوں رات دن
گویا میں دشمنوں کے لیے خار ہو گیا

اے محب کوچے میں اس کے اڑ کے جاتا ہوں سدا
پائے شوق اپنا بھی اب بال کبوتر ہو گیا

....

محبّ

محب تخلص، میر ابو القاسم، برادر زادہ میر نظام الدین ممنوں۔ خوش اخلاق۔ صاحب طینت نیک، سرمایہ علم سے بہ قدر ضرورت بہرہ ور۔ فکر سلیم و طبع مستقیم کی اعانت سے پایہ سخن کا بلند تھا۔ جالینوس زماں۔ بقراط دوراں، حکیم احسن اللہ خاں کی قدر دانی سے وقائع نگاری، خاص سلطانی کے عہدے سے ممتاز اور تا دم مرگ یہی منصب اس کے واسطے موجب امتیاز رہا۔ چند سال ہوئے کہ عالم فانی کو پدرود کیا۔ اس کے کلام سے یہ دو شعر بہ وقت ہاتھ آئے:

کل جنازے کے محبّ کے دیکھ کر کہتے تھے لوگ
ایک بھی ارمان دل نکلا نہ اس مغفور کا

ہم کہتے نہ تھے خوب نہیں دل کا لگانا
لو دیکھ کیا اب تو کہ اچھا نہیں ہوتا

محبت

محبت تخلص عنایت اللہ۔ پیشہ رنگ ریزی کرتا تھا۔کسی نے اس سے اصلاح شعر کی استدعا کی۔اس نے برمحل یہ مثل کہی ''رنگ ریز بریش خوددرماندہ'' چار پانچ برس ہوئے کہ اس کے ماتم سے وابستان دل فگار کا جامعہ نیلی ہوا۔یہ شعر اس کا یاد تھا:

کپڑے کو ہزار طرح رنگے لیکن
افسوس کہ جامہ دل کا رنگیں نہ کیا

....

محبوب

محبوب تخلص، محبوب خاں قوال، فن موسیقی خاندانی اور اقلیم زمزمہ سنجی میں منصب تر خانی رکھتا ہے۔الحان داؤدی کے اثر سے طائر رنگ کو چہرہ عشاق سے اڑنے نہ دے اور سیلاب اشک کو روانی سے باز رکھے۔اگر بارید اور نیکسا اس عہد میں ہوتے۔اس استاد فن کے نام سے کان پکڑتے۔خامہ جب اس کی زمزمہ پیرائی سے تر زبان ہوتا ہے۔اس کے صریر پر صدائے۔کا گمان ہوتا ہے۔گاہ گاہ زمین سخن بھی اس کے قدم افکار سے غیرت گل زار ہوتی ہے۔یہ دو تین شعر اس کے نتائج طبع سے زراحباب ہوتے ہیں:

بیاں کیوں کر کروں درد نہاں کو
نہیں پاتا ہوں قابو میں زباں کو
خنجر بھی نہ سنبھلے جو دم قتل تو کہیے
تقصیر ہماری ہے کہ تقصیر تمہاری
قاصد آیا تو واں سے پر محبوب
دیکھیے کیا جواب لایا ہے

....

مخزون

محزون تخلص، جناب کمالات انتساب، گل گونہ روے کمال، خال چہرہ افضال، مورد سعادت ازلی و ابدی محمد ناصر جاں محمدی ابن حضرت محمد نصیر محمدی رنج تخلص، اس جناب فضیلت ماب کے خاندان والاشان کی بزرگی اور عظمت کا حال آفتاب سے روشن تر ہے، کون ہے کہ حضرات بابرکات کی تجلی، معارف کے آگے، ارنی گوئی سے موصوف اور خرموسی اصعقا کے ساتھ معروف نہ ہو۔ زات تقدس آیات اس جامع کمالات کی اسی تجلی کا مظہر اور اسی شجر کا ثمر ہے۔ جو کمالات وہبی و کسبی کہ اس خاندان فیض شان سے اختصاص رکھتے ہیں۔ اس سے قطع نظر کرکے صرف انھیں صفات حمیدہ کے ساتھ منسوب کرنا اور ثنا کا مدار انھیں اوصاف پر رکھنا ایسا ہے کہ ماہی کی ستایش میں شناوری پر افتخار کرنا۔ اکتساب علوم رسمی میں سعی کورکاب شوق میں ایسا دوڑایا کہ عرق کے ہر قطرے نے دامن کو دریا اور آستین کو گرداب بنایا۔ ہر فن میں یک فنی، خصوصا میدان ریاضی میں یکہ تاز اور اس جولان گاہ کوان کی شاہ سواری پر صد ہاناز ہے۔ عرصہ دراز ہوا کہ سواد شاہ جہاں آباد سے عظیم آباد کی طرف تشریف فرما ہوکر چندے اس سرزمین کو اپنے قدم فیض توام سے رشک گل زار کیا۔ ناگاہ درد گردہ عارض ہوا اور جو کہ قرابادین مشیت میں اس مرض کی دوا نے ترکیب نہ پائی تھی۔ استعمال ادویہ مفید نہ ہوا۔ چند روز کے بعد آسمان تقدیس سے ندائے، ارجعی پہنچی ار بہ کشادہ پیشانی معارف نامتناہی کا بدرقہ لیے ہوئے گلشن جناں کی طرف راہی ہوئے اور والد ماجد کو درد جدانی سے موتوا قبل ان تموتو، کے مضمون سے موصوف کر دیا۔ آپ کا جنازہ اس راہ دراز سے شاہ جہاں آباد میں لائے اور جسم مطہر اور بدن مقدس کو درگاہ فلک پائے گاہ کے احاطے کے اندر حضرات کے قدم کے نیچے مدفون کیا۔ جو کہ علوم شریفہ اور فنون منیفہ کے اشتغال سے فرصت بہت کم دست یاب ہوتی تھی۔ فن شعر کی طرف کم التفات فرماتے۔ الا ماشاء اللہ یہ دو تین شعر اتفاقا جزدان، حافظہ میں محفوظ رہ گئے تھے۔ تیمنا مرقوم کیے:

تھی جس سے نہ ایک دم گوارا فرقت
دکھلائی فلک نے پھر دوبارہ فرقت
اب زیست تلک بھی اس سے مانا معلوم
گردن پہ تری خون ہمارا فرقت
نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی آیا
آہ محزون ہمیں یاران وطن بھول گئے

....

محزون

محزون تخلص مرزا منگو ابن مرزا ایزد بخش معروف بہ مرزا نیلی اب حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ۔شوکت ان کے خاندان کی کنیزان خدمت گزار سے اور اقبال ان کے دودمان کے غلامان وفا شعار سے ہے۔دین داری کی طرف بہت مائل اور پرہیز گاری میں اپنے اقران و امثال سے ممتاز، اصلاح شعر کا عبداللہ خاں اوج تخلص سے اتفاق ہوا ہے۔یہ شعر انکے نتائج طبع سے ہے:

اس کے منہ کون چڑھ سکے محزون
ہاں مگر منہ پر اس کے آیا خط

....

محزون

محزون تخلص ہے آغا علی نام جوان وجیہ،خوش مزاج،حلیم طبع،پسندیدہ اخلاق کا، ساکنان شاہ جہاں آباد میں اس صفت کے ساتھ کم پایا جاتا ہے۔کتب درسیہ کو تحقیق سے پڑھا اور شاہ جہاں آباد سے ایک دو منزل پر کسی شہر میں عہدہ مدرسی پر مامور ہے۔ یہ دو شعر اس کے یاد تھے:

حرم کعبہ مبارک ہو تجھی کو زاہد

سجدہ گہ اپنا تو سنگ در دل دار ہوا
اب ہے در زدیدہ نظر کیوں مری جانب ظالم
پہلے ہی دل تری زلفوں میں گرفتار ہوا

....

محسن

محسن تخلص، حافظ محسن، مرد معمر، حافظ قرآن اور تجوید حروف سے فی الجملہ بہرہ ور اور خوش آوازی کی بدولت عزیز دل ہے۔ ریختہ گوئی میں مشاق قدیم، یہ اشعار اس کے مرقوم ہوئے:

سب آنکھ کیے یار ہو گئے راہی
عدم کا صاف ہے رستہ چلے چلو تو سہی
بتاتا یار ہے اپنا پتا ہر اک جانب
کہیں تو کھوج ملے گا چلے چلو تو سہی
شروع عشق میں ہم سے وہ بت آنکھیں چراتا ہے
ابھی تو دیکھیے آگے خدا کیا کیا دکھاتا ہے

....

محمود

محمود تخلص محمود علی خاں، برادر زادہ نواب اعظم الدولہ، سرور تخلص، جوان خوش مزاج، بلند فکر تیز طبع تھا۔ ہر چند اس کی زہانت اور ذکا میں شک نہیں لیکن کم استعدادی، اور موزونی طبع کی نخوت سے اس کا ثمرہ الفواد خام پخت رہا اور اپنی خوش فکری کے خیال سے سراپائے سخن کو خلعت اصلاح سے آرائش نہ دینا اس پر مزید ہوا۔ اسکے سارے دیوان سے یہ چند اشعار انتخاب ہوئے:

افسوس ہو احشر میں کیا بے گنہی کا

قاتل جو ہمیں سر یہ گریباں نظر آیا
جام مے سے کیا کھلے اسرار عرفاں شیخ پر
ہو چراغ اصلا نہ رہبر دیدہ بے نور کا
دیکھ گلزار میں جاوے نہ بھڑک آگ کہیں
بلبل سوختہ جاں کھینچ نہ افغاں گستاخ
ایک شب کیا ہے رہے گا گر یہی کچھ انتظار
روز محشر تک نہ ہوں گے دیدہ بیدار بند
چشم سے خوں نہ جاری رہے ہر دم کس طرح
خار غم دل میں خلیدہ ہی رہا ایک نہ ایک

....

محمود

محمود تخلص مرزا محمود شاہ ابن مرزا بابر بہادر مغفور، ابن حضرت عرش آرام گاہ اکبر شاہ بادشاہ۔ یہ بلند مکان دامادی، حضرت ظل سبحانی خلیفہ الرحمانی سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی سے مشرف اور اپنے جد امجد کے عہد سے اب تک ممتاز اور مفتخر تھے۔ فن شعر میں ذوق مرحوم سے مستفید ہے۔ یہ دو شعر ان کے مسموع ہوئے:

ہاتھوں سے اے جنوں ترے جاؤں کہاں نکل
دامن سیانہیں کہ گریباں نکل گیا
غیر کو ساغر شراب ملا
اور ہمیں دیدہ پر آب ملا

....

محو

محو تخلص، نواب غلام حسین خاں مہین برادر نواب زین العابدین خاں عارف

تخلص خلف نواب غلام حسین خان مرحوم مسرور تخلص، جوان وجیہ، خوش اخلاق اور لطف و مروت میں شہر آفاق ہے۔ اس والانژاد کی عالی خاندانی شرح و بیان سے مستغنی اور اس کے حمایدا وصاف حیطہ تقریر سے خارج، ہر چند شعروسخن کی طرف گاہ گاہ ملتفت ہوتا ہے لیکن حسن طبیعت اور رسائی فکر سے کلام سے مشاقی برتی ہے۔ یہ اشعار اس کے نتائج افکار سے ہیں:

قید ہستی سے رہاء غیر ممکن تھی ہمیں
آج دم دے کر اجل کو ہوگئے آزاد ہم

موجود ہوں میں سامنے تیغ و کفن لیے
جو جو تمہارے دل میں ہیں ارماں نکالیے

سخت جاں صحبت سے تیری اے ستم گر ہو گیا
بت پرستی کرتے کرتے میں بھی پتھر ہوگیا

گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں اب بام پہ وہ بھی
اتنا تو ہوا ہے مرے نالوں کے اثر سے

انداز جنوں کون سا ہم میں نہیں مجنوں
پر تیری طرح عشق کو رسوا نہیں کرتے

گل کھانے کو دیتے ہیں مجھے غیر کا چھلا
ڈھب میرے جلانے کے وہ کیا کیا نہیں کرتے

اس کو استقبال کہیے آپ کے دیدار کا
آ گیا آنکھوں میں دم ہی مجھ نحیف و زار کا

اپنا اپنا حوصلہ ہے اپنا اپنا ضبط ہے
میں نہیں موسیٰ کہ مجھ سے عذر ہو دیدار کا

دل لگانے کا مزا دیکھ لیا آخر کار

ہم نے کہتے تھے کہ اے محو پشیمان ہو گا

محوی

محوی تخلص ہے محمد بیگ نامی ساکن ریواڑی نوجوان خوش ترکیب، خوش زبان، باند فکر، سلیم طبع کا کہ مدت سے زمرہ طلباے مدرسہ شاہ جہاں آباد میں منسلک اور زور استعدار سے اماثل واقران سے ممتاز ہے۔ نظم ونثر فارسی اور ریختہ میں دست گاہ تمام اور قدرت مالا کلام حاصل اور ان سب فنون میں جناب استادی مولوی امام بخش صہبائی سے مستفید ہے۔ یہ چند شعر اسکے نتائج طبع موزوں سے ہیں:

فارسی

چوں زلف تاب خوردہ خورشید عارضاں
دارد ہزار صبح در آغوش شام ما

محوی چو بگذری سوے گلزار عرض کن
با عندلیب عشق و بہ قمری سلام ما

ساغر بنوش بر لب آب رواں کہ عمر
بیش از دمے نگشت میسر حباب را

بہر سا زنجیر شد موجے کہ صبح
از نسیم افتاد بالاے شراب

زحد مبر ستم اے بے وفا کہ در بر دل
بہ ایں ضعیفی تن نالہ رساے ہست

بیا بکش کہ شہیدان تیغ جور ترا
بناز تست اگر میل خوں بہاے ہست

ز حال محوی۔ آزردہ دل چہ می پرسی
جگر فگار، ستم دیدہ، بی نواے ہست

ناتواں صید تو امروز ندارد تابے
بہ چہ تقریب تو اے زلف بتاب آمدہ
پشتم از درد کماں کردی ورفتی چوں تیر
بے وفا پیشہ مگر عہد شباب آمدہ
برما چہ جفا ہا کہ تو صیاد نہ کردی
شد فصل بہار آخر و آزاد نہ کردی
کے بر سر خاکم نہ گذشتی کہ تو ظالم
جولاں نہ زدی بر وے و برباد نہ کردی
دیگر کہ در آید بہ فریب تو کہ محوری
از دست غمت مرد و گہش یاد نہ کردی

....

ریختہ

چیر دکھلایا جو پہلو اس ترے نخچر کا
دل کی جا سینے میں پیوستہ تھا پیکاں تیر کا
اثر سے ضعف کے داماں یار تک ہمدم
ہزار جاے ٹھہر کر مرا غبار آیا
سپاہ فتنہ چلی آئے ہے یہ سنتا ہوں
اجل ٹھہر یہ گماں ہے مجھے کہ یار آیا
عالم تھا خدائی کا ترے کوچے میں کل رات
زاہد بھی وہیں سجہ بہ کف گوشہ نشیں تھا
کبھی اجل، کبھی آفت ، کبھی قیامت کی
ترے بغیر تھی کس کس کی یادگاری رات

محوی کو قتل کر کے اب افسوس کیا ضرور
ہونا جو کچھ تھا وہ تو مرے یار ہو گیا

بگڑے غیروں سے تو دی داد وفا کی دل نے
تھا تو دیوانہ یہ کیا وقت پہ ہشیار رہا

پیکان یار دل نے یوں کر رکھا ہے مخفی
رکھتا ہے پاس گویا اک راز دل نشیں کو

اس کی گلی سے کل تو لائے قضا کے منہ سے
جا تا ہے آہ محوی پھر آج تو وہیں کو

اب تو لانام خدا لب پہ کہ محوی اس وقت
تیرے کچھ اور نظر آتے ہیں آثار مجھے

دم بھر جو یوں ہی روئے یہ چشم تر تو ہم بھی
برپا ہزار طوفاں اے ابر تر کریں گے

محوی کو اس گلی سے لے آئیں گے اٹھا کر
دو چار یار مل کر تکلیف اگر کریں گے

کرنے سے قتل میرے مت ڈر کہ ان لبوں کو
اک کھیل ہے جلانا اک بات خوں بہا ہے

....

مخمور

مخمور تخلص، جوان ارجمند و براے، سعادت پیوند، مقبول کونین شیخ غلام حسنین، متوطن قدیم، معمورہ مینو سواد فرید آباد، قرابت، مولوی ابوالحسن شیدائی، اس سنجیدہ اطوار کی اہلیت مزاج اور حلم و بردباری کو لکھوں یا لیاقت و ہوشیار خرامی و آدم شناسی کو بیان کروں۔ جو کہ موزوں طبع ہے۔ گاہ گاہ فکر شعر کرتا ہے۔ یہ اشعار اس کے افکار

سے ہیں:

گل زار کھلاتی ہے یہ داغ جگری کا
رکھتی ہے اثر آہ باد سحری کا
کچھ اپنے پرانے کا خیال اب نہیں اصلا
عالم ترے نظارے سے ہے بے خبری کا
کچھ سعی سے بھی ہم کوتو حاصل نہ ہوا حیف
پھل نخل تمنا سے ملا بے ثمری کا
ہے موج ہوا سے بھی تو جوں گرد پریشاں
مخمور یہ کیا ڈھنگ ہے شوریدہ سری کا

....

مخیرؔ

مخیرؔ تخلص، جوان سعادت دست گاہ محمد احسان اللہ متوطن، قدیم شاہ جہاں آباد اور بالفعل تحصیل معاش کی تقریب سے قصبہ میرٹھ میں مقیم ہے۔ فن فارسی میں استعداد معقول اور ریختہ گوئی میں فکر رسا ہے۔ شیخ ابراہیم ذوق مرحوم سے تلمذ رکھتا ہے۔ چند اشعار اس کے کلام سے انتخاب ہوئے:

بنا کر آئینہ خود ہیں کیا آئینہ رویوں کو
ہمیں حیرت ہے ہم نے کیا بگاڑا تھا سکندر کا
ہے مخیرؔ اس پری کی جستجو میں ہر زہ تازہ
رات دن پھرتا ہے دیوانہ خدائی خوار اب
واعظا جس دن سے کی ہے توبہ پی جاتا ہوں میں
میرے لب تک گر کبھی آتی ہے پیمانے کی رات
گو کہ میرا خون ناحق حشر تک سر پر رہے

خوش تو ہو لو رقص بسمل کا تماشا دیکھ کر
حضرت دل مہر تھی اس میں نہ الفت نے وفا
تم نے اس کافر کو چاہا تھا بھلا کیا دیکھ کر
ہم نہ کہتے تھے کہ کعبے کو مخبرؔ جا چکا
رہ گیا رستے میں آخر اک کلیسا دیکھ کر
یہ نہ ہو گا کہ مرے قتل سے در گزریں گے
جو رقیبوں نے سکھایا ہے وہ کر گزریں گے
ہجر کے دن میں مخبرؔ انھیں آسان نہ جان
اک مصیبت ہی سے گزریں گے اگر گزریں گے
کس لیے پہلو میں مچائی ہے دھوم
حضرت دل خیر تو ہے جان کی

....

مدبر

مدبر تخلص، سید امیر الدین ساکن شاہجہاں آباد، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔ یہ دو شعر اس کے مرقوم ہوئے:

اے مدبر جو کچھ ہے قسمت ہے
وہ ہی ہوتا ہے وہ ہی ہووے گا
چاند سا مکھڑا وہ جب دیکھا مجھے غش آ گیا
جوں کتاں ٹکڑے گریباں شکیبائی ہوا

مرحوم

مرحوم تخلص، مرزا محمد یار بیگ شاگرد حافظ قطب الدین مشیر، یہ دو شعر اس کی غزل سے منتخب ہو کر درج کتاب ہوئے:

پر ہے داغوں سے غضب سینہ سوزاں میرا
آتشیں پھول یہ رکھتا ہے گلستاں میرا

کیا بنی دل پہ حور رو رو کے کہے ہر مرحوم
ملک الموت کے اب ہاتھ ہے درماں میرا

....

مرزا

مرزا تخلص میرزا حسین بخش خلف مرزا وجیہ الدین مغفور معروف بہ مرزا وکوچک سلطان ابن حضرت شاہ عالم بادشاہ۔ زمرہ شاگردان حافظ عبدالرحمان احسان سے ہے اور شوق سخن گوئی قدیم سے گوشہ خاطر میں جاگزیں:

گہہ داغ کو سہوں ہوں، گہہ زخم جھیلتا ہوں
مرزا ستا رہا ہے زوق جفا پہ مجھ کو

....

مرزا

مرزا تخلص، نو باوہ گلشن سعادت، ثمرہ باغ سیادت، تو پر نہال جوانی۔ آبیار چمنستان زندگانی، مقبول طبائع خاص و عام مرزا علی نام، کہیں برادر سیراب، گلشن وفاق، آئینہ حسن اخلاق، طراز و سادہ اہلیت۔ میر حسین علی شوکت۔ راستی۔ سرو اس کے قامت سے مستعار، حسن سلوک اس کی روش سے آشکار، حیا اور پیشانی جیسے آب اور آئینہ نشاط اور طبیعت گویا بادہ اور آبگینہ نہاد کا خمیر مایہ آدمیت، خاطر کا گنجینہ ذخیرہ اہلیت، باغ اخلاق کا ثمر پیش رس نرمی، گفتار گلشن نیک نہادی کا گل خود رو۔ درستی، کردار و راست روی ایسی کہ جہاں خرام کرے اس زمین سے سبزے کی جگہ سرو پیدا ہو۔ صفائی طینت اس طرح کی کہ جس خاک پر سایہ افگن ہو، ہر ذرے سے آئینہ ہو ہویدا ہو۔ طبع سلیم موزونی، اشعار کی ترازو، طراوت الفاظ گوہر نظم کی آبرو، اگر اس

کی نوک قلم تیز نہ ہو۔ گو ہر مضامین ناسفتہ رہیں۔ حداثت سن میں طبیعت جوان، ابتداء نشوونما میں نہال فکر سربہ آسمان۔ یہ اشعار نمونہ ہیں اس کے خرمن کا اور یہ ابیات شمہ ہیں اس کے سخن کا:

شوق گریہ ہے تو اس شوخ کے گھر تک نہ کبھی
نامہ منت کش پرواز کبوتر ہو گا

نہ یہ لب اور نہ یہ بات نہ غمزہ نہ نگاہ
چاند کس منہ سے ترے منہ کے برابر ہو گا

اپنے ہی ہاتھ سے ہم آپ گلا کاٹ مریں
گر یہ جانیں وہ جنازے پہ مقرر ہوگا

بعد مرنے کے بھی آرام کی صورت معلوم
قبر میں ساتھ جو یہ ہی دل مضطر ہو گا

پرتو فگن جو وہ رخ پر نور ہو گیا
آئینہ شعلہ شجر طور ہو گیا

از بس کہ کر دیا مجھے الفت نے بے نیاز
یاں تک کھنچا کہ ان سے بھی اب دور ہوگیا

مجھے رہتا ہے از بس فکر اس خورشید تاباں کا
شعاع مہر ہے جو تار ہے میرے گریباں کا

صد شکر کہ ہے ساتھ جنازے کے وہ بے مہر
آغاز سے بہتر ہے یہ انجام ہمارا

مصور کس طرح کھینچے شبیہ یار کو ہم دم
بنے انساں سے کیا جو کام ہووے دست قدرت کا

دست بستہ معجز عیسیٰ تھا جس کے روبہ رو

وہ بھی اس بیمار کی بالیں سے کچھ مضطر اٹھا
ہے رات ظلم تازہ ، سحر ہے ستم نیا
سیکھی ہے تم نے چرخ ستم گار کی طرح
ان جفاؤں کے ہم تو عادی ہیں
اور کچھ کوئی ستم ایجاد
ابر کو ہے رشک میری چشم دریا بار پر
ہے وہ چشم تر کہ دریا کو بھی مارے دھار پر
نہ نرگس کی وہ صورت ہے نہ آہو کی ہے آنکھ ایسی
جو دوں تشبیہ تو کس سے تمہاری چشم فتاں کو
ہوا کرتا ہے انس انسان کو انسان سے واعظ
کریں گے لے کے کیا جنت میں ناداں حور و غلماں کو
کچھ تو خدا کے واسطے تدبیر کیجے
مرزا کی آہ و نالہ و فریاد کے لیے
جانا کہ نشست ان کو ہے منظور غشی تک
اب سے کبھی ہم ہوش میں آیا نہ کریں گے
ہمسا یوں کو سونے نہیں دیتا ہے فغاں سے
مرزا کو ترے کوچے میں لایا نہ کریں گے
آنکھوں سے نکل کر میرے لخت جگر آئے
دیکھو تو کدھر تھے یہ،کدھر سے کدھر آئے
کرتا ہوں میں دم بت دل بر کی حکایت
ناصح بھی اگر آئے تو دل تھام کر آئے

……………………………………………

مرزا

مرزا تخلص، مرزا جہانگیر بیگ، طالب علم مدرسہ آگرہ، یہ شعر اس کی غزل سے مرقوم ہوا:

جگر کی آگ جو بھڑکی تو پھر نہ سرد ہوئی
ہزار طرح سے کی ہم نے اشک باری رات

....

مرزا

مرزا تخلص، چمن پیرائے حدیقہ الفت و اتحاد، گلشن بہارستان یکتا دلی و وداد، شناور محیط یگانگی، فارس مضمار فرزانگی، قادر انداز رموز خرد، باریک بین اوامر نیک و بد، عزیز دل ہائے پیر و جواں، مرد جان سلمہ الرحمان خلف رشید ممتاز عالم کمال، واقف اسرار تکمیل و اکمال، یگانہ جہاں میر وزیر علی مرثیہ خواں مرحوم، خلق اس کی ذات میں ایسا جیسے گل میں بو اور حیا اس کی پیشانی میں اس طرح جیسے گوہر میں آبرو، دشمن اس کے مہر ورزی سے دوستی میں آمادہ اور بیگانے اس کی آشنا پرستی سے یگانوں سے زیادہ۔ آفتاب کو اس کے ضمیر سے وہ نسبت جیسے سائل کو کریم سے۔ نگارخانہ چین کو اس کی طبیعت رنگین سے وہ مشابہت جیسے موسم برگ ریز کو باغ نعیم سے۔ صناعت موسیقی کو حد کمال تک پہنچایا اور استادان فن کے فیض شاگردی سے رتبہ استادی پایا۔ جوکہ اظہار اس فن کا زمانہ حال میں حال شرفا کے منافی ہے۔ مرثیہ خوانی کے پردے میں اس نغمے کی شد کو بلند اور اس ترانے کی شان کو ارجمند کیا تاکہ اپنی اوقات تو آئمہ ہدی کی یاد اور مقبولان بارگاہ الٰہی کے ذکر میں بسر ہو اور مستمعان نکتہ شناس کو اپنے مذاق کے۔ موافق اور ہی لطف میسر ہو: چہ بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار، اس فن کی غایت مہارت اور نہایت معرفت کا ذکر کروں یا اواز کی خوش آیندگی اور اثر کی نشتر فروشی کو لکھوں۔ اگر پتھر کبھی اس آہنگ دل ربا کے سننے کے واسطے کان بہم پہنچائے۔

بے تکلف جوش دل سے کوہ بدخشاں کے مانند ہزار چشمہ خون آنکھ سے بہائے۔ سبحان اللہ یہ آوازوہ نشتر ہے کہ اس کا اثر دل سے رگ مژگاں تک جلوہ گر ہے۔ جو کہ اس قدوہ ارباب کمال کو راقم تذکرہ صابر ہیچ مدان کے ساتھ روابط محبت مربوط اور قواعد صداقت مضبوط ہیں۔ ناتواں بیناں بدیشہ سے اندیشہ دامن گیر ہوتا ہے کہ مبادا اس تعریف کو یار فروشی ار آشنا ستائی پر قیاس کریں اور نہ سمجھیں کہ یہ اوصاف اس کے کمالات سے ایک شمہ اور یہ مدائح اس کے محاسن سے ایک شر زمہ ہیں۔ اس واسطے اسی قدر عبارت مختصر پر قناعت کر کے احباب صادق الوداد کی خدمت میں معروض ہوتا ہے کہ باوجود ان کمالات کے سخن وری و معنی آفرینی کو رونق اور دی ہے اور فصاحب زباں اور لطافت بیان کو آبرو بخشی ہے۔ یہ چند شعر اس کے نتائج افکار سے انتخاب کر کے نذر نگاہ شوق کرتا ہوں:

هم نے یاں طرفہ ماجرا دیکھا
ایک جلوہ مزار جا دیکھا

دیکھ کر تجھ کو ہم نے کیا دیکھا
ایک ہنگامہ یاس کا دیکھا

وہ بھی گھر تھا بتوں ہی کا زاہد
قبلہ کعبے میں تم نے کیا دیکھا

ایک بوسے پہ اس قدر رنجش
آپ کا ہم نے حوصلہ دیکھا

ان کی ہم پر بھی آنکھ پڑتی ہے
ہم نے چھپ چھپ کر بار ہا دیکھا

وقت رخصت نہ تم نے مرزا کا
نا مرادانہ دیکھنا دیکھا

....

صحیح البیاض

مروت

مروت تخلص میر باز خاں۔ احوال اور مسکن سے اطلاع نہیں۔ یہ شعر اس کا سنا گیا:

کی بہت تدبیر لیکن کیا کروں
دل کو ہم دم چین آتا ہی نہیں

....

مست

مست تخلص سرمست خاں افغاں۔ اس کا حال کچھ دریافت نہیں۔ یہ شعر اس کا مسموع ہوا:

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ ٹیڑھوں میں یہ کیوں
خانہ جنگی تمہیں رہتی ہے سدا مست کیساتھ

....

مسرور

مسرور تخلص ہے نواب غلام حسین خان بہادر مرحوم ابن شرف الدولہ نواب فیض اللہ خاں بہادر بیگ خاں بہادر مغفور کا۔ جو کہ اس بلند مرتبت کی والا دودمانی اور رعالی تباری کا حال حد خامہ راقم سے افزوں ہے اور رکمال شہرت سے محتاج تحریر نہیں۔ ناگزیر ایک دو حرف مناسب مقام لکھتا ہے۔ مشق سخن حد کمال تک پہنچی تھی اور رسائی فکر عرش الکمال تک، حرف حرف ان کے سخن کا وحی و الہام پر ناز کرتا ہے اور نقطہ نقطہ ان کے الفاظ کا شاہدان شیریں شمائل کے خال اور زبان طعنہ دراز۔ مہارت علم موسیقی خصوصا ستار نوازی کے باب میں جو کمال حاصل تھا۔ اس کا وصف اثنائے

زبان کرنا فرط وضوح سے حکم تکرار میں ہے۔ اس ساز کا ہر تار بجائے آہنگ نغمہ ستایش زبان پر رکھتا ہے۔ چند شعر تحریر تذکرہ کے وقت جز دان حافظہ میں موجود تھے۔ مرقوم ہوئے ہیں:

ماہ پر میری سیہ بختی کا گر سایہ پڑے
چادر مہتاب ہو دامن سب دیجور کا

لکھ کر زمیں پہ نام ہمارا مٹا دیا
انکا تو کھیل، خاک میں ہم کو ملا دیا

ناداں نہیں جو اپنے کو رسوا کرے کوئی
دل ہی نہ بس میں ہوئے تو پھر کیا کرے کوئی

بیٹھے کے کرتے ہیں صحرا میں نگاہو ہی سہی
چشم خوباں نہ سہی دیدہ آہو ہی سہی

سخت جانی سے دم ذبح مرے ہاتھ نہ کھینچ
کہ تجھے تجربہ قوت بازو ہی سہی

....

مشتاق

مشتاق تخلص، زبدہ خاندان شرافت واسوہ دودمان۔ نجابت، یگانہ دوران کریم خاں۔ شجاعت اس کی ذات کا ایک جوہر اور مروت اس کے نہاد استعداد کا کمترین ثمر۔ سرتاسر عالم کو گام سیاحت سے طے کیا اور اس پے ہوس کو تیغ ہمت سے پے۔ بالفعل نواب حسن علی خاں بہادر برادر حقیقی نواب فیض محمد خاں بہادر مرحوم والی۔ جھجر کی رفاقت میں عزت واعتبار کے ساتھ بسر کرتا ہے۔ عرصہ چند سال کا ہوا کہ آقائے نامی کے سرانجام کار کے واسطے ولایت انگلشیہ میں جا کر نوادر وغرائب کو چشم عبرت میں سے دیکھا اور عجائب شہر لندن کو دیدہ تامل سے مشاہدہ کیا۔ لیکن انجس دن سے

خاک شاہجہان آباد اس کے قدم سے رونق پزیر ہوئی ہے۔ اسی عمدہ صاحب اقتدار کے سایہ الطاف میں رخت افگن اور بادیہ قناعت میں گام زن ہے۔ موزونی۔ طبیعت مقتضی ہوتی ہے کہ گاہ گاہ اشعار آب دار اس کی خلوت خاطر سے جلوہ گاہ کاغذ میں خراماں ہو کر دل ربائے اہل ہوش ہوتے ہیں۔ یہ چند شعر اس کے مرقوم ہوئے:

لطف اس آبلہ پائی کا تو جب تھا مشتاق
کہ ہر اک دشت پہ از خار مغیلاں ہوتا

اللہ رے سوز دل کہ مسیحا سا چارہ گر
رکھتے ہی ہاتھ نبض پہ بیمار ہو گیا

ہر چند راز دل کو چھپایا نہ چھپ سکا
آخر ہر ایک واقف اسرار ہو گیا

رہتا تھا کہاں قوت پرواز تو دیکھو
اس عالم فانی میں میں بے بال و پر آیا

برقع جو اٹھا اس رخ تاباں سے تو ہمدم
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

عمر پرواز تو سب قید میں گزری یارو
اب یہ ڈر ہے کہیں آزاد نہ کر دے صیاد

رخسار پر یہ خال سیہ بے سبب نہیں
خط پر نہ ہو جو مہر تو خط معتبر نہیں

....

مشتاق

مشتاق تخلص مشتاق علی خاں۔ ایرانی الاصل۔ علوم رسمی اور رمل میں دست گاہ تمام رکھتا تھا۔ حسن خط خط خوباں کے حسن سے خوش نماتر اور طرز سخن کلام دلبراں سے

دل رباتر۔ شعرائے پائے تخت حضرت شاہ عالم بادشاہ سے شمار کاے جاتا تھا یہ اشعار اس کے مرقوم ہوئے:

کی یک نگاہ یاس جو مژگان یار پر
سو برچھیاں چلیں دل امیدوار پر
رنگ کیوں سبز ہے چہرے کا ترے اے مشتاق
کس نے دیکھا ہے تجھے زہر بھری آنکھوں سے

مشتاق

مشتاق تخلص ہے مشتاق حسین نامی مرد معمر، درویش صفت کا کہ مرید با اخلاق مرشد جہانیاں سلطان ابن سلطان ابو الظفر سراج الدین بہادر شاہ ہے۔ ہر وقت حرف حق جل جلالہ ورد زبان اور ہر دم با دالی شغل جان و جنان۔ یہ شعر اس کا مرقوم ہوا:

رہی تھی یاد جو زلف سیہ تمہاری رات
تو دل پہ سانپ سالوٹا گیا ہے ساری رات

....

مشتاق

مشتاق تخلص، غلام علی۔ شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔ مشق سخن کو کہنگی اور طرز کلام کو تازگی بخشی۔ فکر خوب، ادا مرغوب رکھتا ہے۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں:

خط تو بھیجا ہے وہاں پر اڑ گئے ہیں ہوش بھی
ہووے گی تسکین، سلامت جب کبوتر آئے گا
فرصت کہا جو اب دل بے تاب تھا میے
الجھے ہوئے ہیں دامن و جیب قبا سے ہم
دم آ گیا ہے لب پہ مسیحا شتاب آ

اب ہے دم اخیر دم امتحان نہیں
مشتاق ذرا ہوش میں آؤ نہ تکو را
کر بیٹھے ہیں وہ وصل کا اقرار نشے میں
ہوجاتی پن سے اس کے ٹھکانے نہیں ہے دل
پھرتا خراب ہوگا مرا نامہ بر کہیں

....

مشتہر

مشتہر تخلص، مولوی احمد حسین ساکن فرخ آباد، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔
یہ شعر اس کا مرقوم ہوا:

چاہو گے حشر میں تم کس سے ستم کا انصاف
ان بتوں کی تو طرف ساری خدائی ہوگی

....

مشفق

مشفق تخلص، احمد بیگ، قوم مغل، شاگرد مرزا اعظم علی اعظم تخلص الہ آبادی، ساٹھ برس سے دارالخلافہ آگرہ اس کا محل بود و باش اور کتابت یا تعلیم اطفال وسیلہ تحصیل معاش ہے۔ یہ دو شعر اس کے افکار سے ہیں:

یہ منہ کہاں جو یار سے بوسہ طلب کریں
حسرت ہزار ہوں دل امید وار میں
میرے آنے کا اسے دھیان جو آجاتا ہے
اٹھ کے دروازے میں زنجیر لگا جاتا ہے

....

مشہور

مشہور تخلص، پنڈت رادھا کشن، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔ جوان خوش مزاج، حلیم طبع ہے۔ یہ دو شعر اس کے سنے گئے:

افلاس میں بھی دل ہے غنی ہم کی بدولت
داغوں کے ورم اور رخ زرد کے زر سے

کس سے ہے عیادت کی تمنا تمہیں مشہور
جو جاں کا ہو دشمن اسے کیا کام خبر سے

....

مشیر

مشیر تخلص، یکتائے عہد تسیح وحید، سخن سنج بے مثل ونظیر، مبدع معانی دلپزیر، حدیقہ طراز مضامین رنگیں، حافظ قطب الدین۔ ارشد تلامذہ بل خلیفہ راشد شاہ نصیر مرحوم، ملک سخن وری میا□ کوس لمن الملک، اسی کے دروازے پر بجتا ہے اور کشور قادر الکامی میں نقارہ صاحب قرانی اس کے نام پر صدا دیتا ہے۔ متانت تراکیب سے بنائے کلامکو ایسا استحکام دیا ہے کہ ناخن اعتراض کلیداس کے انہدام سے عاجز ہے اور فروغ معنی سے سواد رقوم کو ایسا منور کیا ہے کہ خطوط شعاعی آفتاب اس کے روبرو اپنی بے نوری پر معترف ہے۔ شاگردان شاہ نصیر نے بعد وفات استاد کے اس کی قدرت سخن کو دیکھ کر مثل قلم سر کو خط فرمان پر رکھا اور اپنے سخن کو اس کی نظر اصلاح سے آراستہ کرنے لگے۔ اب تک شاگردوں کی تربیت کا آفتاب مرتفع ہے اور کوکب اقبال سخن اوج پر کہ ایسا قدر دان کمال ادھر متوجہ ہے اور یہ چاہتا ہے کہ مے کدہ سخن کی شراب نے غش اور گوہر معنی کی آب بے کدورر ہے۔ آباواجداداس ذی مرتبت کے خاندان اعتبار اور دودمان شرافت سے تھے اور یہ بزرگ خاندان سب کا گل سرسید اور مظہر سعادت ازل وابد ہے۔ ہمیشہ روزگار کی سعادت سے ابنائے دہر میں نہایت جاہ ووقار کے ساتھ بسر کی ہے۔ پیش تر مرزا دارا بخت مرقوم ولی عہد سابق کی سرکار

میں کارخانہ جات مختلفہ کی داروغگی سے کہ گویا داروغگی کل کے قایم مقام اور اختیارات تمام کے نایب مناب ہے۔ ممتاز تھا اور اب بھی خدمات شایستہ سے سرفراز ہے۔ جو کہ موزونی خانہ زاد اور فکر شعر خادم دیرینہ ہے۔ باوجود ہجوم اشغال ضروری کے سخن گوئی اور اصلاح تلامذہ سے کبھی فارغ نہیں دیکھا۔ یہ چند شعر اس یگانہ روزگار کے افکار گوہر نثار سے ہیں:

دل لگائے وہ حسیناں وفا دشمن سے
جسے منظور ہو دنیا میں پر ارماں ہونا

دن برے ہیں تو بھلے بھی کبھی آئیں گے مشیر
دل کو قابو ہی میں رکھنا نہ حراسا ن ہونا

اس قدر بیتابیاں بہتر نہیں ہیں اے مشیر
صبر سے بیٹھے رہو دیکھو خدا کرتا ہے کیا

گفتگو غیر سے اس شوخ جفا جو کی مشیر
مشورہ کیوں کہ کہوں غیر کے شامل نہ ہوا

وصل سے یاس تا نہ ہو دل کو
جھوٹے وعدوں کا اعتبار ہوا

کچھ نہ ہوگا تم رقیبوں کی طرف ہو گے تو کیا
اے بتو میری طرف میرا خدا ہو جائے گا

ناصحوں کو کوئی سمجھاؤ سمجھ کر آئیں وہ
یہ مشیر ایسا نہیں جو پارسا ہو جائے گا

میں کیوں کہ شب غم میں جیا مرنے میں کیا تھا
کس دست تمنا ، میں گریبان قضا تھا

کیا بھروسا مجھے پیغام بروں کا اپنے

کس کو مطلب جو کہے کوئی کسی کا مطلب
وہ چلے گھر سے یہاں دل نہ رہا قابو میں
ہو گئی یار کے آنے کی خبر آپ سے آپ
کیسے اداس بیٹھے ہوئے آپ ہیں مشیر
روئے نہیں جو دل پہ ہے غم کا غبار آج
اس پر جفا کو حشر کا دھڑکا ہے کیوں مشیر
بندوں سے کیا کہا جو کہیں گے خدا اس سے ہم
الہی کون سی جنت ہے بے حور
کہاں لے جاؤں گا اس بدگماں کو
ارشاد مشیر آپ کا جو کچھ ہے بجا ہے
کس منہ سے یہ فرماتے ہو چاہا نہ کریں گے
توبہ یہ کوئی دلگی ہے پھر آپ ہی حضرت
قابو میں نہ دل ہو گا تو کیا کیا نہ کریں گے

....

مضطر

مضطر تخلص، پنڈت کنھیا لال، پسر پنڈت بشن نرائن ساکن، املی محلّہ، جوان خوش ترکیب ہے۔ اہلیت ذاتی ہے اور سعادت جبلی سے بہرہ ور زبان اردو میں سخن گستر ہے۔ یہ شعر اس کا سنا گیا:

خنجر جلاد ہے فولاد کا
سخت جاتی وقت ہے امداد کا

....

مضطر

مضطر تخلص، مرزا سنگی مرحوم، نسبت خاندان تیموریہ سے اس کا سر اعتبار بلند تھا۔ اصلاح شعر مومن خاں مومن سے تھی اور رسائی طبع اور استقامت فکر معین۔ یہ شعر اس کا ہے:

تھا خود وہ تڑپنے سے خجالت زدہ۔ ہم تو
مضطر کے کبھی خون کا دعوی نہ کریں گے

....

مضطر

مضطر تخلص، مرزا خسرو شکوہ عرف مرزا آغا جان، ابن مرزا سلیمان شکوہ۔ ابن شاہ عالم بادشاہ۔ شاگرد حافظ عبدالرحمان خان احسان۔ صفائی الفاظ رشک ائینہ حلبی اور رنگینی، معنی غیرت نگار کانہ چین۔ یہ دو شعر اس کے اشعار آبدار سے انتخاب ہوئے:

حال میں کس سے کہوں اے دل ناداں اپنا
تو ہی جب اپنا نہیں کون مری جاں اپنا
ناصحا کیوں کہ اٹھاؤں کہ میر چشم کے ساتھ
ربط رکھتا ہے سدا گوشہ داماں میرا

....

مضطر

مضطر تخلص، محمد اسداللہ ولد شیخ محمد فیض اللہ۔ ساکن بلکنہ، علاقہ کول۔ صاحب اطوار گزیدہ اور نبائر سراج السالکین، شمس العارفین، مخدوم انام، مقبول خاص و عام، عارف بے ہمال، شیخ محمد جمال قدس سرہ العزیز سے ہے۔ مدت ہوئی کہ عہدہ وکالت محکمہ منصفی شہر کول پر ماموراور سعادت و اہلیت کے ساتھ مشہور رہے۔ گاہ گاہ فکر شعر ریختہ کرتا ہے۔ یہ دو تین شعر اس کے افکار سے ہیں:

ملی فرصت نہ جبیں سائی سے
دیر چھوٹا تو حرم یاد آیا

ہے آج اس پہ دیکھ لب گور خندہ زن
روتا رہا تھا در پہ ترے جو تمام شب

لے اڑی طرز فغاں بلبل نالاں ہم سے
گل نے سیکھی روشن چاک گریباں ہم سے

....

مظفر

مظفر تخلص، مرزا مظفر، پسر متوسط مرزا شاہ رخ مرحوم، ابن حضرت ظل سبحانی دام ملکہ، خوش فکر اور خوش مزاج ہے اور مشورہ سخن اول ذوق مرحوم سے تھا۔

اب راقم تذکرہ سے ہے۔ یہ دو شعر اس کے افکار سے ہیں:

ٹالا باتوں ہی میں ہمیں تم نے
جب کبھی وصل کا سوال کیا

کیا گزرتی ہے رفتگاں پر ہائے
کوئی کہتا نہیں عدم کی بات

....

معروف

معروف تخلص، نواب الٰہی خاں مغفور، برادر نواب احمد بخش خاں مرحوم، والی، فیروز پور جھرکہ۔ تعلقات دنیا کو ترک کرکے گوشہ عافیت میں توشہ راہ عاقبت کو بہم پہنچایا اور لباس احوال کو طراز فقر سے مطرز فرمایا۔ فن شاعری سے مناسبت تام تھی۔ مدت مدید تک مشق سخن شاہ نصیر مرحوم سے کی تھی۔ لیکن طبیعت خداداد کی رہنمائی سے کشور سخن میں برخلاف استاد کے ایک رستہ اور صاف و پاکیزہ ہاتھ لگ گیا۔ صاحب

دیوان اور اس فن میں صاحب اقتدار تھا۔ اصناف سخن پر قدرت اور انواع کلام سے آگاہی۔ سو بیت تسبیح زمرد، نام حسن سبز کے وصف میں اسے یادگار ہیں۔ مدت ہوئی کہ جہان فانی سے عالم باقی کی طرف راہی ہوا۔ یہ چند شعر اس کے کلام بلند مقام سے منتخب ہوئے:

اشعار دیوان

ایسے ہفتے دوست کی خاطر یہ مت جا اے رقیب
چار دن کی بات ہے یاروں سے بھی یارانہ تھا

آئینہ ساں کیا عرض ہم کو بد و نیک سے
سامنے جو آگیا ایک نظر دیکھنا

اور تو باتیں بری چھٹ گئیں سب جیتے جی
آنکھ منڈے پر چھٹا ایک مگر دیکھنا

بڑا سنتے تھے ہم روز قیامت اور روزوں سے
قیامت ہی بڑا نکلا جو دیکھا روز ہجراں کا

مجھ کو دنیا میں سیہ بخت اگر کرنا تھا
رنگ خال رخ جاناں ہی بنایا ہوتا

زندگی اب کس طرح ہو دیکھیے معروف کی
بے طرح پھرتا ہے اس کو وہ قاتل ڈھونڈتا

کہاں تک راز عشق افشا نہ کرتا
مثل یہ ہے کہ، مرتا کیا نہ کرتا

دل کے ہاتھوں سے ہوں اے حضرت ناصح ناچار
ورنہ ہے یوں ہی جو کچھ آپ نے ارشاد کیا

جلوہ جہاں خوشی ہو اے مست ناز کرنا

دل اور آئینے میں پر امتیاز کرنا

آہ میں اپنے جی سے در گزرا

دل نہ پر عاشقی سے در گزرا

ہو گئے تم تو میر دشمن جاں

ایسی میں دوستی سے درگزرا

ملا کہے جو ناصح سبز رنگوں سے تو ڈر کیا ہے

اثر ہوتا نہیں ہے زہر رکھیے گر ہتھیلی پر

کرتا ہے نہ کچھ سوے عدم تو ہی سفر پیش

اے نقش قدم سب کو یہی راہ ہے در پیش

مفت برباد مری خاک ہوئی جاتی ہے

اس کے کوچے میں صبا کاش اڑا کر لے جا

جامے سے بوے گل کی طرح ہم نکل چلے

اے بے خودی یہ تیرے نشہ کی ترنگ ہے

....

ابیات ''تسبیح زمرد''

سبزہ رنگوں کی جو میں الفت میں آزادی ہوا

خلط صفرا یاں تلک بگڑا کہ زنگاری ہوا

حرف تلخ اب ترے منہ سے ہے نکلتا بے ڈھب

سبزہ رنگ آج ہے تو زہر اگلتا بے ڈھب

سبزہ رنگ اگے بڑھا تو جو مرے ساتھ سے رات

کیا کہوں اڑ گئے طوطے سے مرے ہاتھ سے رات

دھیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق

جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق
بیٹھے بیٹھے سبزہ رنگوں کا جو یاد آتا ہے رنگ
دن میں سو سو بار اپنا سبز ہو جاتا ہے رنگ
سبزہ رنگوں پہ نہ اپنا ہو کہیں جی مائل
اس برس رنگ ہے نوروز کا سبزی مائل
یہ حالت غم میں ہے ان سبزہ رنگوں کے مرے جی کی
چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی
سبزہ رنگوں سے مجھے صحبت رہی دن رات کی
چاہتا ہوں ہر جگہ سرسبزی اپنی بات کی
اس بڑھاپے میں بھی کم ہوویں گے لہری ہم سے
سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہم سے

………………

معزز

معزز تخلص، سید محمد علی ساکن مکن پور، شاگرد، انیس لکھنوی، عرصہ کئی مہینے کا ہوا کہ شاہجہان آباد میں راجہ پٹیالہ کے ہمراہ وارد ہوا۔ اور راقم کو اپنی ملاقات سے مسرور کیا۔ اس کے اشعار سے یہ شعر درج تذکرہ ہوا:

لکھتے لکھتے اڑ کے پہنچا ہاتھ پر اس شوخ کے
شوق نامہ کیا مرا بالی کبوتر ہو گیا

………………

معزز

معزز تخلص میر عزیز الدین۔ ساکن شاہجہان آباد، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔ یہ دو شعر اس کے اشعار سے انتخاب ہوئے:

غم پہ غم صدمے پہ اک صدمہ نیا ہوتا ہے
سچ یہ ہے دل کا لگانا ہی برا ہوتا ہے
مت سنا حضرت دیدار کہا آیا ہوں ابھی
وہ تو ہر وقت کے جانے سے خفا ہوتا ہے

....

معین

معین تخلص، زبدہ خاندان نجابت، سلالہ دودمان شرافت، شایستہ قبول خاص و عام معین الدین نام، صفحہ اس کے فروغ ضمیر سے جوں ورق آفتاب پرنور اور قلم اس کی روشنی، طبع سے شاخ شجر طور، الفاظ اس کے رنگینی معنی سے لعل شاداب، ابیات اس کے فروغ مضامین سے بیت الشرف آفتاب۔ سطور نقاط سے موج گوہر، روانی سخن شیرینی، ادا سے چشمہ کوثر۔ سواد الفاظ سے معنی روشن یوں جھلکتے ہیں جیسے مینا سے شراب اور صفائی عبارت سے فروغ مضمون اس طرح جلوہ گر ہے جیسے مشرق سے آفتاب۔ سوز معانی سے الفاظ اس کے اخگر لیکن انگشت اعتراض کے حق میں اور اضطراب دل کے اثر سے مضمون برجستہ گویا ایک برق ہے لیکن حاسدوں کی خرمن جان کے واسطے۔ ہر چند قدرت سخن سنجی سے انواع کلام اور اصناف نظم پر قادر ہے لیکن غزل گوئی کیطرف توجہ غالب ہے اور طبع معنی آفریں اسی صنف کی طالب ہے۔ یہ اشعار تحریر تذکرہ کے وقت ایک دوست کی معرفت ہاتھ آ گئے تھے، مرقوم ہوئے:

مر گیا آج خدا بخشے معین خستہ
ایک موزوں سا جواں تھا کبھی دیکھا ہوگا
اپنے روز سیہ سے دیکھ لیا
ہم سنا کرتے تھے بلا ہے عشق

لخت دل آنکھوں میں کھنچ آتے ہیں کس کس شوق سے
میری مژگاں پر گماں کر کے تمہارے تیر کا

مثل نقش پا اس در سے اٹھ نہیں سکتے کوئی اٹھائے
ضعف کی دولت بارے ہم بھی اتنی طاقت رکھتے ہیں

نہ چاہا حسن نے آرزو اس نازک کلائی کو
کیا طرز تبسم نے ادا تیغ آزمائی کو

جلے گا خاکل کوئی آتش افسردہ سے ظالم
ہمارے دل پہ رکھ کر گرم کر دست حنائی کو

کھچنے سے تیرے وصل کی شب بھی نہ وا ہوئے
یہ عقد ہائے دل ترے بند قبا ہوئے

ترے فراق میں بے جا ہنسی کا تھا نہ دماغ
مگر یہ اپنا ہی زخم جگر ہے کیا کہیے

تری جفا کی حکایت اور اپنا حال وفا
یہ پیٹنا تو یوں ہی عمر بھر ہے کیا کہیے

تمہاری بات ہے بے اعتبار کیا سنیے
اور اپنی کہیے تو وہ بے اثر ہے کیا کہیے

دست وحشت نہ رہیو آوارہ
کہ ترا گھر مرا گریباں ہے

دل ہے صدا چاک سینے کے اندر
اور باہر مرا گریباں ہے

دیکھ کر بخیہ کیجئے ناصح
بندہ پرور مرا گریباں ہے

مفتون

مفتون تخلص، حکیم اگوستین ٹسلوا، پرتگیز خاں، ابن دون حکیم ایش ڈسلوا پرتگیز خاں مخفی نہ رہے کہ یہ شخص قوم پرتگیز اور باشندگان قدیم شہر پرتگال سے ہے اس کے اجداد میں سے ایک شخص تھا علم طب میں ماہر، پیڈرر نام، شاہ پرتگال نے اس کو پیڈر روا سلوا لاتین دوتو رخطاب دیا۔ وہ کسی تقریب سے حضرت شاہ جہاں آباد میں وارد ہو کر محمد شاہ بادشاہ کے کسی پرستار خاص جلیانہ نام کی معرفت عہدہ طبابت پر مامور ہوا۔ جو کہ بہانہ جوئی الطاف شافی حقیقی سے اس پرستار نے اس کے علاج سے شفا پائی، پیش گاہ عنایت سلطانی سے خردمند خاں خطاب اور پالکی جھالردار اور منصب ہفت ہزاری عطا ہوا۔ پھر راجا جے پور نے بادشاہ سے درخواست کی اور اس کو اپنے ساتھ جے پور کو لے گیا۔ اس کی ذریات جے پور میں زمرہ اطبا میں منسلک ہے۔ اخلاق اس کے پاکیزہ اور زبان ریختہ اس کی شستہ۔ کمال تعجب ہے کہ اصل ونژاد سے انگریز اور نشو و نما یافتہ جے پور کہ اس نواح کی زبان کے الفاظ درشت کی دل کو بی بیان سے مستغنی ہے اور اس پر زبان کی یہ صفائی اور روزمرہ ایسا پاک ہو کر گویا یہ تازہ نہال گل زمین شاہ جہاں آباد سے سرسبز ہوا ہے۔ یہ شعر اس کے سخن سے انتخاب ہوئے:

نکالوں کس طرح پہلو سے ٹکڑا اس کے پیکاں کا
کہ مدت میں گزر دل میں ہوا ہے آ کے مہماں کا

بزم میں خوب ہی چلتی تلوار
ذکر ابرو نہ ہوا خوب ہوا

کیا غم دل خراب بنا اور بگڑ گیا
پانی کا تھا حباب، بنا اور بگڑ گیا

کس جا پہنچ کے آہ تھکے دیکھے نصیب

جس وقت رہ گیا **فلک** پیر ہاتھ بھر
رنگ حنا میں بوے وفا کا نہیں ہے نام
مفتوں کے خوں میں او بت بے پیر ہاتھ بھر

عجب تیرے کشتے کا دیوانہ پن ہے
نہ ثابت لحد ہے نہ تارکفن ہے

....

مفتون

مفتون تخلص مرزا کریم بخش مرحوم، نبیرہ حضرت عالم گیر ثانی اور داماد سراج الدین بہادر شاہ دام ملکہ، یہ اشعار اس کے طبع زاد ہیں:

آج وہ دن ہے کہ ہم بسمل ہیں وہ خنجر بکف
دیکھتے ہیں ہم دموں اللہ کی قدرت کو ہم

غیر سے ملتا ہے وہ مفتوں ہمارے سامنے
کوئی دن کو کام فرماتے ہیں اب غیرت کو ہم

غیر کے واسطے ہو اتا خوش
قدر تو نے ہماری کیا جانی

....

ملول

ملول تخلص محمد یار، ساکن بچھراؤں، مدت ہوئی کہ طالب علمی کی تقریب سے وارد دہلی اور غرور زہانت سے شعر میں اصلاح کا طالب گار نہیں۔ یہ شعر اس کا پسند آیا تھا، سو لکھا گیا:

کس کے مژگان کی چھیڑ ہے کہ ملول
دل میں کچھ خار سا کھٹکتا ہے

ممتاز

ممتاز تخلص سید میاں۔ شاگرد قطب الدین مشیر، یہ شعر اس کا سنا گیا:

بھول کر ممتاز کس کو دل دیا
جان کے دشمن تجھے کیا ہو گیا

....

ممنون

ممنون تخلص، یگانہ عصر و وحید روزگار، زبدہ کملائے ہر دیار، والی، اقلیم سخن وری، مالک ملک معنی پروری، ہم آغوش معانی بکر، ہم دوش شاہدان فکر، چاشنی گیر مضامین دل نشین، میر نظام الدین، خلف ملک الشعرا میر قمر الدین منت غفر اللہ لہما۔ اوصاف اس کامل الصفات کے حوصلہ تحریر سے افزوں اور حد تقریر سے بیروں ہے۔ ریختے میں ایک طور تازہ اختراع کی اور حق یہ ہے کہ بموجب اس فحوا کے کل جدید لذیذ، اس کی لزت کے رو بہ رو سے فخر الشعر خطاب اور دبستان لطف ازلی میں حضرت رحمان سے تلمذ کا انتساب۔ طبیعت لئالی شاہوار سخن کی نیسان، دل گوہر آب دار معانی کا عمان۔ بلندی فکر سے کنگرہ عرش پست اور نشہ معنی سے اہل سخن کی طبیعتیں مست، شوخی، غزل کے سامنے جوانوں کی طبع خجل، متانت قصیدہ کے رو بہ رو پیروں کی وضع منفعل۔ نمک کلام ایسا کہ ہر چند اجتماع مداد کثرت صمغ کی امداد سے سعی کرے، زبان قلم کا زخم التیام نہ پائے۔ اور شیرینی ادا ایسی کہ اگر چہ حیلہ حسد طاقت لسان کی کمک سے اہتمام کرے۔ چارہ خاموشی ہاتھ نہ آئے۔ نقطہ اس کی غزل میں سوز و گداز کے اثر سے رنگ گل اور طراوت شبنم پیدا کرے اور دہان دو از مضمون شور و فغاں سے ہنگامہ قیامت برپا۔ تراکیب فارسی کو زبان ریختہ سے ایسا ارتباط بخشا کہ کمال آشنائی سے بیگانگی کا اثر نہیں پایا جاتا۔ اور معانی درست کو الفاظ قریب الفہم سے اس طرح جلوہ دیا کہ ماہ سی روزہ کی مانند کوتہ نظر بھی اس کے نظارے میں دھوکا

نہیں کھاتا۔ کور سوادان کم فہم کہ اس کے سخن بلند کے معانی، غریب اور مضامین دل فریب اور نکات باریک کو سمجھ نہیں سکتے، خود اس کی طرف التفات نہیں کرتے اور ارباب فہم کہ سواد روشن اور طبع اسالیب اور برجستگی، نکات اور بلندی، ابیات میں تو کچھ سخن نہیں کر سکتے، لیکن اس غرض سے کہ ناخن دقت کی کاوش اور طبیعت رسا کا دخل ظاہر ہو۔ کہیں کہیں سرقے کے ساتھ متہم کرتے ہیں۔ یہ بزرگوار خیال نہیں کرتے کہ ایسا سخن سنج پر مایہ کہ اگر اس کے صندوق سینہ کو وا کریں۔ گنجینہ تحت العرش کے مقابل دوسرا خزینہ شمار میں آئے۔ معانی پیش پا افتادہ چند کو کس امید پر زمین بیگانہ سے التقاط کرتا اور ان سے کس افزونی کی توقع پر اپنا خزانہ بھرتا۔ سخن چینوں کی عنان طبیعت اگر تعصب کے ہاتھ میں نہ ہوتی۔ اس کلام میں احتمال توارد کو راہ دے کر معذور رکھتے اور باقی سخن کے لطف سے طبع انصاف کو مسرور۔ اور اگر سرقے کو بھی تسلیم اور اس پاک دامن کو نا کردہ گناہ سے ماخوذ کریں تو بھی اگر حد اعتدال سے تجاوز اور دائرہ انصاف سے خروج وقوع میں نہ آئے۔ تو ان دو چار شعر کے سوا باقی کلام کو دیکھیں اور انصاف سے نظر کریں کہ اتنا سرمایہ کس صاحب قدرت کو حاصل ہوا ہے؟ غزلوں کا ہجوم غزلان دشت ختن سے بیشتر، قصیدوں کا انبوہ کر کیہ سلاطین سے اکثر، مصرعہ ہائے رباعی سے عناصر اربعہ کے مانند ابعاد ثلثہ مشحون اور ابیات قطعہ تضعیف بیوت شطرنج کی طرح شمار سے افزوں۔ مدت مدید تک نواح اجمیر میں عہدہ صدر الصدروی پر مامور رہا۔ آخر ضعف پیری کے عذر سے اس مشغلے سے دست کش اور شہر شاہ جہاں آباد میں خانہ نشین ہوا۔ دس گیارہ برس کا عرصہ ہوا کہ سفر آخرت اختیار کیا۔ جناب استادی مولوی امام بخش صہبائی مدظلہ العالی نے یہ قطعہ تاریخ موزوں اور ہر بیت کو معانی، دل نشین سے مشحون کیا:

میر ممنوں از جہاں بگزشت و نزد عالمے

زندگی را از ممات او ر بود حکم ممات

سر بہ جیب عقل بر دم گفت آں کہ پیر عقل
شاعر شیریں زبان ہند تاریخ وفات

دیوان فصاحت بنیان سے یہ اشعار آب دار انتخاب ہو کر سخن فہمان انصاف دوست کی نظر میں جلوہ گر ہوتے ہیں:

اے آہ بے ادب اسے آگ دے کہ ہے
دل جلوہ گاہ پردہ نشینان راز کا
برا مانیے مت مرے دیکھنے سے
تمھیں حق نے ایسا بنایا تو دیکھا
نہ کی غمزہ نے جلا دی نہ آنکھوں نے سفاکی
جسے کہتے ہیں دل اپنا وہی قاتل ہوا جاں کا
الٰہی وہ جو وعدے ہیں وفا کس طرح ہووینگے
نہ واں خو یاد آئے کی نہ یاں شیوہ تقاضا کا
گماں نہ کیوں کہ کروں تجھ پہ دل چرانے کا
جھکا کے آنکھ سبب کیا ہے مسکرانے کا
یہ سینہ ہے یہ جگر ہے یہ دل ہے بسم اللہ
اگر خیال ہے تلوار آزمانے کا
مجھے یہ درر ہے معلوم حکم بلبل بن
نہ میری خاک پہ کر قصد پھول لانے کا
غموں کی گر یہی بالیدگی ہے تو آخر
دل گرفتہ نہیں سینے میں سمانے کا
جھکی نگاہ میں ہے ڈھب پرستش نہانی کا
حیا میں زور دیا رنگ مہربانی کا

کہاں سے روز دل و سینہ و جگر لاؤں
تمھیں تو کھیل لگا ہاتھ تیغ رانی کا

نہیں بچا مرض عشق سے کوئی ممنون
ہمیں دریغ بہت ہے تری جوانی کا

تا عدم ہے شور اپنی آہ کی تاثیر کا
ہے سویداے دل عنقا ہدف اس تیر کا

خفتگاں خاک کے سر پر قیامت ہوگئی
غالبا ہنگامہ پھر اٹھا کسی رفتار کا

جس برق نے جلا کے کیا خاک طور کو
روکش ہے اس سے حوصلہ اپنے گناہ کا

بسمل ہو اہے لب پر ہر حرف آرزو کا
ہے زور رنگ تیرے کشتوں کی گفتگو کا

چکے ہے نیم تبسم پہ خوں بہا اپنا
ہمارے قتل پہ کیا ہے سبب تامل کا

رہے ہے روکش نشتر ہر آبلہ دل کا
یہ حوصلہ ہے کوئی۔ بل بے حوصلہ دل کا

رواں ہے خون چپ و راست دونوں آنکھوں سے
جگر کا سوچ جدا، فکر ہے جدا دل کا

تیری قامت نے کیا خوب ہی سیدھا اس کو
سرو گلشن کو بہت دعوی رعنائی تھا

بد گمانی سے ڈرا ورنہ لیا تیرا جو نام
دیکھتا بوسے کی خاطر میں لب دلالہ تھا

کھل چکے ہیں کیا نقاب و پیرہن کے بند کیا
ایک پردہ شرم کا تھوڑا سا حائل رہ گیا

غنچے کو اس کے آگے تھا لاف خوش دہانی
کچھ جو وہ بول اٹھا تو کیا جواب آیا

تمام درد ہوں معلوم کچھ نہیں کہ کہاں
ترے خدنگ نے کی ہے تن نزار میں جا

اللہ رے کاو کاو کہ ہر ہر نفس کیساتھ
الماس ریزہ تھا کہ نیاز گلو ہوا

پردہ کس چہرے سے تھا رات وہ اٹھ اٹھ جاتا
پر تو اک برق کا سا شامل مہتاب رہا

کیا تب دل ہے تہ خاک کہ تربت پہ مری
ٹمٹماتا سا رخ لالہ شاداب رہا

تھا حسن میں نہ رنگ ادا کا نہ ناز کا
یہ نقش یادگار ہے آئینہ ساز کا

شغل شب فراق یہی تھا کہ دھیان میں
اک اک شکن گنا تری زلف دراز کا

ہائے کس سوختہ کی نبض پہ رکھی انگشت
کہ مسیحا کو بہت ہاتھ جھٹکتے دیکھا

کل وصل میں بھی نیند نہ آئی تمام شب
اک بات پر تھی لڑائی تمام شب

کس بے ادب کو عرض ہوس ہر نگہ میں تھی
آنکھ اس نے بزم میں نہ اٹھائی تمام شب

ہائے بے کاری ، وحشت کہ رکھیں مشغلہ کیا
نہ تو داماں ہے ثابت نہ گریباں درست
ایک دل تھا کہ ذرا اس سے رہیں تھیں باتیں
غم غلط کرنے کو وہ بھی نہ رہا یا قسمت
شب وصال کا جو دم ہے سو غنیمت ہے
سفیدہ سحری آج مت شتاب چمک

....

منتظر

منتظر تخلص، میاں جان خاں، ساکن معمورہ کوٹلہ، جس کی زمین، برکت قدم فیض توام فخر بنی آدم، علت غائی وجود عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرش بریں پر ناز رکھتی ہے۔ مرد فہیم اور صاحب طبع سلیم تھا۔ ڈھولک بجانے میں کوس صاحب قرانی اسی کے نام پر آواز دیتا تھا۔ چند سال ہوئے کہ عندلیبان گلشن فردوس کی دم کشی کے شوق میں دشت عدم کو رائی ہوا۔ کبھی کبھی شعر گوئی کی طرف بھی متوجہ ہوتا تھا،

یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں :
ہمیشہ خانہ زنداں ہی میں رہا لیکن
برنگ نالہ زنجیر میں سفر میں رہا
اٹھا دیا جو نقاب اُس نے اپنے عارض سے
چراغ طور سا روشن ہمارے گھر میں رہا
منتظر مر نہ گیا ہائے شب ہجر میں تو
سامنے اس کے پڑا تجھ کو پشیماں ہوتا

....

منشی

منشی تخلص، منشی مول چند قوم کالیتھ۔ شاگرد ازلی شاہ نصیر مرحوم اور ملازم ابدی سرکار فیض آثار سلطانی حضرت شاہ عالم بادشاہ۔ ان کے حضور قصاید مدحیہ پڑھتا رہا۔ شمشیر خانی کو اردو میں نظم کیا ہے۔ عرصہ بعید ہوا کہ عالم باقی کی طرف رحلت کی۔

یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں:

مائل اُس رخ کا کب آئے گل کے سایے کے تلے
محو کا کل جائے کب سنبل کے سایے کے تلے
زیر مژگاں جوں مسافر اے سرشک و لخت دل
ایک دو دم کاٹ دو مل جل کے سایے کے تلے

....

منصف

منصف تخلص، مرزا احمد بخش بہادر خلف مرزا خجستہ بخت بہادر مرحوم ابن حضرت فردوس منزل، شاگرد حافظ عبدالرحماں خاں احسان علیہ الرحمتہ والغفران۔

یہ اشعار اُس کے افکار سے ہیں:

نہ رکھ یاد زلف سیہ فام اے دل
یہ لائے گی سر پہ بلا یاد رکھنا
ہمیشہ تو باتیں بنایا ہے مجھ سے
یہ باتیں تو اے بے وفا یاد رکھنا

....

منعم

منعم تخلص، منشی مومن لال قوم کایتھ۔ شعر فارسی کہتا تھا، مدت ہوئی کہ انتقال کیا۔

یہ چند شعر اس کے اشعار سے انتخاب ہوئے:

چہ رنگ و بو کہ دل غنچہ در نہاں دارد
بود بہار دگر عالم خموشی را

ہنوز خاک زیارت گہ غزالان است
شہید غمزہ چشم کرشمہ دان ترا

نظر کن نظر بر دل سخت منعم
کہ سنگ فسان است تیغ جفا را

زقید پیچ و تاب زلف او فرصت کجا منعم
اسیر حلقہ دل بستگی باشد فراغ ما

....

منعم

منعم تخلص، مکند لال، قوم کاتھ، شاگرد پنڈت نرائن داس ضمیر تخلص۔ محکمہ صدر الصدوری شاہجہاں آباد میں عہدہ پروانہ نویسی پر مامور ہے۔ گاہ گاہ شعر ریختہ کہتا ہے۔

یہ شعر اس کے کلام سے ہے:

ہو جس دم خراماں وہ پری پیکر گلستان میں
ہو اک گلی آنکھ نیچی کر رہا تھا جو چمن میں تھا

....

منیر

منیر تخلص، وجیہ الدین، مہین پور شاہ نصیر مرحوم۔ خوش اسلوب، وجاہت ظاہری بہرہ ور، طبع تلاش معنی میں روبراہ۔ عرصہ بعید ہوا کہ عالم فانی کو پدرود کیا۔ یاران ہم رنگ اس گرم صحبت کی مہاجرت سے آج تک داغ الم کو سینہ و دل پر تازہ رکھتے ہیں۔

یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں:

اے عزیزو قتل یار سے کیا چاہتے ہو
چاہ میں دیدہ و دانستہ گرا چاہتے ہو
دلا پر درد کھا دے مانگ اس رشک مسیحا کی
مجھے یاکوٹ دے ہیرا کھول میں سنگ موسیٰ کی
بنا سرمے کا دنبالہ قریب چشم گل رو ہے
زماں باہر نکالے حسن کی گرمی سے آہو ہے

موج

موج تخلص، سرانندہ بے مثل وعدیل، خدا بخش نام، ساکن اکبرآباد۔ اگرچہ بیشتر اقسام سرانندگی سے ماہر کہ ان کے گانے پر قدرت تمام رکھتا تھا لیکن قوالی و مرثیہ خوانی میں مصروف اور انہیں دوائر میں اطراف و اکناف میں مشہور تھا۔ آواز میں درد اور سرانندگی میں اثر ایسا تھا کہ پتھر کا دل پانی ہو جاتا۔ یہ اثر فقط مہارت فن کے طفیل نہ سوز و گداز عارفان با کمال کی صحبت کیمیا خاصیت سے حاصل ہوا تھا۔ گاہ گاہ ریختہ کہتا تھا،

یہ دو شعر اس کے زبان خلق پر ہیں:
جس کی فرقت ہمیں اک آن گوارا ہی نہیں
وہ کسی طور جو دیکھا تو ہمارا ہی نہیں
ہجر میں عشق کے اے موج تو زنہار نہ پیر
یہ وہ دریا ہے کہیں جس کا کنارا ہی نہیں

....

موزوں

موزوں تخلص، مرزا قادر بخش، خسر پور صابر، ہیچمداں، مرد قابل اور مسائل علم عروض و قوافی سے واقف ہے۔ شعر کی اصلاح کبھی حضرت احسان مرحوم اور کبھی احقر

سے لی ہے۔

یہ اشعار اس کے طبع زاد ہیں:

خموش ہو کے گویا کہ ہم نہیں خاموش
یہ دل بغل میں ہے موجود گفتگو کے لیے
نگہ جو پار ہے میرے جگر کے ، غیروں کو
ہوئی ہے تار دل چاک کے رفو کے لیے

....

مومن

مومن تخلص ، سخن سنج بے عدیل محمد مومن خاں مرحوم غفر اللہ لہ۔ زمین سخن اس کی بلندی فکر سے رشک افلاک اور اوج فلک اس کے علو طبع کے مقابل پستی خاک ، عروس معنی اس کے حجلۂ طبع میں شوخ و بر جستہ ، راز غیب اس کے سینۂ قلم میں سر بستہ ، خامہ اس کے سوز معنی سے نخل طور اور ورق اس کے فروغ مضامین سے مطلع نور مصرع آہ اس کی غزل عاشقانہ میں تضمین اور اسرار یقیں اس کے ابیات عارفہ میں گوشہ گزیں۔ سخن سنجان عصر ہر چند بالا دوی فکر سے عرش تاز تھے لیکن جو کہ یہ والا نگاہ اپنی ہمت عالی کے اوج سے سب کے احوال پر نگاہ کرتا تھا ، ہر سر بلند اس کو پست اور ہر بزرگ اس کو خورد نظر آتا اور وہ بے تصنع اس کا نام اسی پنداد کے موافق زبان پر لاتا ، اور ہر چند مساحان اقلیم کمال منازل دور و دراز طے کر کے نشیب و فراز راہ سے واقف اور راہ بیراھہ سخن سے آگاہ تھے لیکن بس کہ یہ چابک خرام کمال پیش بینی سے مراحل بے شمار باقی پاتا تھا ، ان کو کاحل قدم اور شکستہ پا جان کر بے اختیار ریش خند کرتا اور ان تیز قدموں کو نقش پا سے نارساتر بتاتا۔ جو کہ کوتاہ بینان روزگار اس والا پائگی اور علو ھمت سے آگاہ نہ تھے ، اس کی نگاہ کو عیب میں اور اس کی زبان کو خردہ گر تصور

کر کے زبان سرزنش دراز اور طومار شکوہ دراز کرتے۔ ایک دیوان ضخیم کہ اصناف سخن پر مشتمل اور اس کے سامنے فصاحت سحبانی خجل ہے اور مثنویات متعددہ مثل 'قصہ غم' اور 'شکایت ستم'، 'قول غمیں' اور 'تف آتشیں' اس قادر الکلام سے صفحہ روزگار پر یادگار ہیں۔ ہر چند زبان اردو میں تو علم یکتائی بلند ہی تھا، لیکن کمال مہارت فارسی سے کوس لمن الملک کی صدا نے ہند سے فارس تک پہنچ کر طوطی ہند و بلبل شیراز کو دم بہ خود کر دیا تھا۔ غزل ہائے فارسی کاغذ پارہ ہائے پراگندہ پر مثبت اور بالفعل محبت طبعی اور قرابت قریبہ کے تقاضے سے اس کی تبییض میر عبدالرحمان آہی تخلص خلف میر حسین تسکین کے عہدہ اہتمام میں ہے اور جو کہ وحید عصر 'نسیج وحد' جالینوس زمان 'بقراط آوان' حکیم احسن اللہ خاں سلمہ الرحمان کو شفائے مرضی کے اہتمام سے قدم بڑھا کر احیائے اموات اور معجزہ مسیحائی کی ترویج پیش نہاد ہے 'قریب ہے کہ وہ دیوان منصۂ طبع میں جلوہ گر ہو کر شہرت تمام پیدا کرے۔ اتفاقات قضا و قدر سے ایک روز ایک مکان کے بام بلند پر عروج معنی کے تصور میں تھا کہ ناگاہ لغزش پا نے اوج سخن سے پستی زمین کی طرف مائل اور اس مضمون پیش پا افتادہ کی جانب متوجہ کیا۔ ہر چند اس بام کی بلندی چنداں پایہ نہ رکھتی تھی لیکن کچھ آسمان کج روی اور کچھ زمین کی ناہمواری سے دست و بازو میں ضرب شدید پہنچی۔ اس شدت الم میں اس حادجاں کاہ کی تاریخ یہ پائی، گویا اُس کوٹھے سے پاؤں کا پھسلنا بام معنی کی نردبان تھی:

مومن فتاد از بام گفتم چہ رفت گفتا
خور با خروش گفتم بہ شکست دشت و بازو
گفتم کہ بایدت گفت تاریخ ایں مصیبت
گفتا خموش گفتم بہ شکست دست و باوز

چند ماہ انواع شدائد نے وہ رنج دیا کہ ان کا تحمل حد بشر سے خارج تھا۔ آخر الا اسی سال میں کہ بارہ سو اٹھسٹ ہجری تھی، سفر آخرت اختیار کر کے وابستگان جگر نگار

کے دل کو رنج اور داغ میں مبتلا اور حوران فردوس کو سعادت استقبال سے مستعد کیا۔ اس امر نا گزیر کے کئی مہینے کہ بعد نواب مصطفیٰ خاں بہادر شیفتہ تخلص کہ انسان صورت و ملک سیرت ہیں، رویاے صادقہ میں دیکھتے ہیں کہ گویا مومن خاں کا خط آیا ہے اور اس کے خاتمے پر خط سبز سے مرقوم ہے مومن اہل الجنۃ وسعت رحمت سے کیا بعید ہے کہ جوش دریاے مغفرت۔ اُس مستحق کرامت کے دامن کو لوث عصیاں سے پاک کر دیا ہو۔ صدق اللہ عزوجل قال عذابی اصیب من رحمتی وست کل شی ء:

ابر رحمت سخت بے پروا خرام است اے صدف
تا کدامی قطرہ ایں جاباز گرداند عناں

اس سانحہ عبرت افزا کی تاریخ ہے وہ مصرعہ جو حسین تسکین کی سال وفات اس سے معلوم اور اسی کے ذکر میں مرقوم اسد اللہ خاں غالب نے اس رباعی کی عبادت میں اظہار الم اور اس نظم کے پیرایے میں افشاے غم کیا:

شرط است کہ روے دل خراشم ہمہ عمر
خوں نابہ بہ رخ ز دیدہ پاشم ہمہ عمر
کافر باشم اگر بہ مرگ مومن
چوں کعبہ سیہ پوش نباشم ہمہ عمر

راقم آثم بھی از بس کہ مومن جنت نصیب سے رابطہ محبت کا مستحکم رکھتا تھا، فکر تاریخ میں سر بہ جیب ہوا: ناگاہ معدن ضمیر سے ایک لعل آبدار اور ایک گوہر شاہوار ہاتھ آیا:

بر لب کوثر و تسنیم برفت
تشنہ جام محبت مومن
گفت تاریخ و فاتش صابر
یافت مقبولی جنت مومن

اجودھیا پرشاد، صبر تخلص نے ماتم مومن خاں مادہ تاریخ پایا اور خوب پایا اور محمد اشارت علی صدق تخلص نے بھی ایسا ایک مادہ پایا ہے کہ اس مادے سے پایے میں کم نہیں:

مومن آباد کرد خلد بریں۔ اب چند شعر لکھ کر ماتم مومن خاں مرحوم کو تازہ اور اس الم کو بے اندازہ کرتا ہے ورسخن کی بے کسی پر نالہ اور معنی کی مظلومی پر توحہ سر کرتا ہے:

فارسی

خواہم از درد فراق تو بہ فردا زسم
خوش کہم خاطر از وعدہ پشیمان ترا
گر بحال من جاں تفتہ دلت می سوزد
ہم نفس کو اثر آہ شرر افشان ترا
سودا شگوں ز ناخن بالیدہ ام گرفت
بند قبائے تنگ تو وا می کنیم ما
نہ از کیں می شگافد آں ستم گر سینہ مارا
کہ بہر آرزوے خویش خالی می کند جارا
بود گر گوشہ چشمے ز تو دیگر نگہ دارم
تو ان نا توانا راشکیب نا شکیبارا
چساں بر نالہ ام گوشے نہدبے درد می داند
محبت ہاے پنہاں را شکایت ہاے پیدارا
پری روے بہ دنیا خواہم و حورے در آں عالم
زبوں بودست طالع مختصر کر دم تمنا را
خوش نیست دورہ چرخ و مہ و آفتاب را
از نو بنا نہید جہان خراب را

باشد سزاے وصل تو عاشق نہ بو الہوس
اے آں کہ فتنہ و بلائے بیا بیا

بہ مہر فتنہ کشد تنگ در کنارا مرا
ربودہ خواب در آغوش روزگار مرا

بگوئی قتل مومن از براے ترک دیں کردم
جواب آموزمت امروز پرسشں ہاے فردا را

بہ ایں طپیدن دل زیستن گماں دارم
خیال طاقت دیروز کردہ ام امشب

فریاد ازیں سادہ دلیہا کہ نغانم
ہر شام فریبد کہ اثر می کنم امشب

مرو مرو نتوانم گرفت درمافت
ہجالتے کہ طپیدن بہ صبر مانند است

مومن آہنگ حرم کرد ز بے دار بتاں
بس بجاں آمدہ شاید دو سہ منزل برود

تو خش کہ دل بر دی زمن من خوش کہ از روزازل
جاں دشمنے درخانہ بودواز خانہ بیروں کردمش

گر د ل بہ کف آوردہ اکنوں پے جاں باش
زیں پیش کہ بوری بہ مرادم بہ ازاں باش

ترسم کہ بے تو میرم و گوید بہ طعنہ غیر
جانے سپر و ز کشاکش بر آمدہ

من بے تو چناں کہ کس مبادا
تو بے من بے قرار چو نی

اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

یہ ناتواں ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا
مرا بھی حال ہوا ہے تری کمر کا سا

خبر نہیں کہ اسے کیا ہوا پر اُس در پر
نشان پا نظر آتا ہے نامہ بر کا سا

ایسی لذت خلش دل میں کہاں ہوتی ہے
رہ گیا سینے میں اس کا کوئی پیکاں ہوگا

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہو گا

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہو گا

لگی نہیں ہے یہ چپ لذت ستم سے کہ میں
حریف کش مکش نالہ و فغاں نہ ہوا

معشوق سے بھی ہم نے نباہی برابری
واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا

ذکر بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفر مومن دین دار کم ہوا

وصل کی شب شام سے میں سو گیا

جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

اے چارہ گرو قابل درماں نہیں یہ درد
ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تم کہتے ہو بولو
سمجھو تو پہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

لے چلا جوش جنوں جانب صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں آ کر وہ پری زاد رہا

کیا تم نے قتل جہاں اک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

ہمارے خوں بہا کا غیر سے دعوا ہے قاتل کو
یہ بعد انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا

کوئی تیرا اس دل میں رہ گیا تھا کیا کہ آنکھوں سے
ابھی رونے میں اک پیکاں کا سا ٹکڑا نکل آیا

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا

مومن دیں دار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخ وقت تھا سو بھی برہمن ہو گیا

راز نہاں زبان اغیار تک نہ پہنچا
کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا

جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوش یاس کی
مفت اس بلوے میں شب خون تمنا ہو گیا

عاشق نہ ہو کہیں کہ انھیں قتل غیر میں

مشکل بنی کچھ ایسی تساہل نہ ہو سکا
ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر، حرام خوار توکل نہ ہو سکا
تھا وصل میں بھی فکر جدائی تمام شب
وہ آئے اور نیند نہ آئی تمام شب
ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئے وہ کیا
اے دعائے سحری منت تاثیر نہ کھینچ
ہوتے ہیں پائمال گل اے باد نوبہار
کس سے اڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح
شاید کہیں تو نے بھی اسے خواب میں دیکھا
آنکھیں تری اے بخت ہیں کیوں اٹھ پہر بند
میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا
جی گیا یوں ہی رائگاں افسوس
تھا عجیب کوئی آدمی مومن
مر گیا کیا ہی نوجوان افسوس
موت بھی آ نہ پھری پاس ہمارے شب ہجر
سچ تو یہ ہے کہ برے وقت میں کیسا اخلاص
افلاس سے کھایا کیے غم سبز خطوں کا
افسوس کہیں زہر بھی ہم کو نہ ملا قرض
کس ضبط پر شرار فشاں ہے فغان شمع
اک برق تھی جو لال نہ ہوتی زبان شمع
وہاں تاب رخ اور یاں آتش دل

IqbalCyberLibrary.net
All rights reserved.
©2002-2006

جدھر دیکھو ادھر ہے جلوہ گر آگ
کوئی سنتا ہی نہیں یکتا ہے کیوں دیوانہ وار
میرے دل کے ساتھ ناصح کا بھی کیا جاتا ہے دل
ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملے گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
اتنی بھی دیر ائے میں کیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذب شوق نے یوسف کو چاہ میں
آبرو روہ گئی مرنے کی کہ رونے تو ہیں وہ
اشک شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں
یہ طاقت ضعف میں بھی ہے فغاں کو
کہ دے پٹکے زمیں پر آسمان کو
شب غم کا کیا بیان کیجئے
ہے بڑی بات اور چھوٹا منہ
وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا
تمہاری خاطر نا مہرباں کو
نہ جانے کیوں دل مرغ چمن کہ سیکھ گئی
بہار، وضع ترے مسکرا کے آنے کی
ہے ایک خلق کا خوں سر پہ اشک خوں کے مرے
سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی
اف رے گرمی ، محبت کہ تیرے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کر اٹھے
چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی

ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے
پیغام پر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے
سنتا نہیں کسی کی یہ کہنے کی بات ہے
مومن ایماں قبول دل سے مجھے
وہ بت آرزو گر نہ ہو جائے
چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا
خون اتنا کہ سر نشتر فساد بھرے
کرتا ہے قتل عام وہ اغیار کے لیے
دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لیے
اک نظر دیکھے سے سر تن سے جدا ہوتا ہے
بے جگہ آنکھ لڑی دیکھیے کیا ہوتا ہے
چشم خوں بار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے
جاں بلب ہوں خبر وصل سنا دے قاصد
لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے
ہو کے آزردہ پشیمان ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہ ہی کہوے کوئی ایسے خفا ہوتا ہے
ہو نہ بے تاب غم ہجر بتاں سے مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضل خدا ہوتا ہے
کیوں کر یہ کہیں منت اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے
جھنجھلاتے ہو گیا دیجیے اک بوسہ دہن کا

ہو جائیں گے لب بند تو غوغا نہ کریں گے
عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی، تم کیا جانو
کہ شب غم کوئی کس طرح سحر کرتا ہے

مہجور

مہجور تخلص، مرزا ہدایت علی مرحوم، ابن مرزا احسن الدین مغفور ابن حضرت عالم گیر ثانی، صابر ہیچمدان کے برادر عم زادہ ار مرثیہ خوانی میں ماہر اور شعر گوئی میں حافظ عبد الرحمان خاں احسان کے شاگرد تھے، یہ شعر ان کے نتائج طبع وقاد سے ہے ۔

یقیں میرے مرنے کا آیا نہ ان کو
کہا ہو گیا ہے کچھ آزاد دیکھو

مہجور

مہجور تخلص، کرپا رام، خلف لالہ شوق رام، سر رشتہ دار محکمہ فوج داری، شاگرد منشی کیول رام ہشیار تخلص، نوجوان نیک نہاد، خوش طبع، راستی کیش ہے۔ اشعار فارسی کا فکر کرتا ہے۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہے:

باآں خجستہ پی کہ زما گوشہ گیر بود
ربطے بہم چو تیر و کماں کردہ ایم ما

مہر

مہر تخلص، مہر علی پسر میر شہاب الدین، ساکن قدیم شاہ جہاں آباد، کتب فارسی میں بہ قدر ضرورت روشن سواد ہے سخن گوئی کیہنا بے مشورہ بلند کرتا ہے۔ یہ دو شعر اس

کے افکار سے ہیں:

اڑ گیا نور ترے سامنے ہو گل کا تو میں
یک قلم کو اک تختہ سوسن سمجھا
خاک ہونے پہ بھی محرومی، قسمت نہ گئی
نہ تو سرمہ ہو ہوا اور نہ غبار دامن

....

مہر

مہر تخلص، مرزا حاتم علی، شاگرد شیخ امام بخش ناسخ۔ ہر چند اصل میں سکنائے لکھنو سے ہے۔ لیکن مدت ہوئی کہ مقیم اکبر آباد ہے۔ ضبط قوانین انگریزی کے وسیلے سے عہدہ منصفی کے حصول سے کامیاب اور بعد کچھ مدت کے چنار گڈھ ضلع مرزاپور میں عہدہ منصفی پر مامور ہو گیا۔

ماموری کے وقت یہ شعر کہا:

از بس کہ سوز ہجر سے خوگر ہوئے ہیں ہم
منصف چنار گڑھ کے مقرر ہوئے ہیں ہم

بہر کیف سلیم الطبع اور تیز فکر ہے۔ یہ شعر اس کے نتائج افکار سے ہے:

ہو گی تمام رات بسر پیچ و تاب میں
دل پھنس گیا ہے زلف شکن در شکن میں آج

....

میکش

میکش تخلص، میر احمد حسین ابن میر کرار حسین مرحوم، ہر چند نام میکش ہے لیکن حقیقت میں مے سے دست کش ہے۔ جوان خوش اخلاق، ظریف طبع اور عین شباب میں متانت پیری سے بہرہ ور۔ فن سخن کو مرزا اسد اللہ خاں غالب تخلص سے

اکتساب کیا۔ اشعار اس خوش فکر کے باوصف تلاش کے بہم نہ پہنچے۔ اس ایک شعر پر کہ ایک دوست کی زبان سے مسموع ہوا تھا۔ قناعت کی:

گفتمش دی با کہ می رفتی خراماں سوے باغ
گفت میکش بودہ باشد کاں گرفتار من است

....

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

باب النون

ناداں

نادان تخلص، مولوی محمد بخش، ساکن بریلی۔ اول استاد تخلص تھا۔ پھر شہیدی کے حلقۂ شاگردی میں قدم رکھ کر تبدیل تخلص صورت پزیر ہوئی۔ علوم درسی سے آگاہ اور عروض و قافیہ میں ماہر۔ دو تین شعر اس کے افکار سے انتخاب ہو کر مرقوم ہوئے:

بار احساں تو رہا قاتل کا گردن پہ مری
کب سبک روشنی ملی گو تن سے سر جاتا رہا

پھر راہی، زنداں میں ہوا بعد رہائی
زنجیر میں انداز ہے زلفوں کی شکن کا

جب خواب میں ملنے کا کہا حال تو بولا
جائے نہ الٹ خواب کی تعبیر کسی کی

....

نادر

نادر تخلص، شنکر ناتھ، پنڈت کشمیری۔ مرد قابل۔ علوم وسعی اور فنون متدوالہ سے آگاہ و نظم و نثر فارسی میں صاحب دست گاہ تھا۔ صنائع شعریہ خصوصا صنعت معہا میں مہارت تام اور عروض و قافیہ میں قدرت تمام رکھتا تھا۔ اس تخلص کا اختیار کرنا بھی اس کی تیزی، فکر، اور رسائی طبع اور جدت ذہن پر دال ہے کہ وہ ایک نکتہ لطیف ہے ۔کشمیریوں کی اقوام میں اس صاحب طبع کی قوم کا لقب شاہ ہے۔ دونوں لفظوں کی تر کیب سے نادر شاہ حاصل ہوتا ہے۔ ہر چند انشاے نثر میں بیش تر صرف اوقات کرتا ،گاہ گاہ نظم فارسی کی طرف بھی ملتفت ہوتا تھا۔ با وجود کم مشقی کے سخن اس کا متانت سے خالی نہیں۔ چند سال ہوئے کہ جہان فانی سے انتقال کیا۔ یہ اشعار اس کے نتائج افکار سے ہیں:

ما را بہ سیر لالہ و ہ گل دل نمی کشد
اے چہرہ بہار فریب تو باغ ما

ما ہمچو گرد باد دریں دشت گم شدیم
نادر برو برو کہ نیابی سراغ ما

لالہ زارے گل کند از دیدہ کوں بار ما
مست گردد عندلیب از نالہ ہائے زار ما

بے سبب آزر دن آزاد گاں رسم کجا است
اے بہ قربان تو نادر بگذر از آزاد ما

جز درد تو نیست در دل زاد
این است بہ عشق حاصل ما

دل خوں کن روشنان افلاک
یک جلوہ ماہ کامل ما

رفتی و ز خود رفتم اے برق عناں باز آ
گل بے تو نمی خندد اے سرو رواں باز آ

مرا طرف چمن جانانہ مستانہ بایے
نہ چشم نیم مستش ساغر و پیمانہ بایستے

....

نازنین

نازنین غلط فہمان ادا ناشناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام، جوان خوش اسلوب، رستم توان پرزور وقوت، سہراب طاقت کا کہ نازنیناں کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زلیخائی کا دم بھریں۔ کچھ دور نہیں اور نازک نہالاں گلشن حسن اس کے گل رخسار کی تازگی سے اگر آپ کو غنچہ برگ ریز تصور کریں تو کیا عجب ہے،۔ اس

کے خم کے آگے زور آزمایان ورزش خانہ طاقت کا سر جھکتا ہے اور اس کے نعرہ مردانہ کے سامنے شیر صولتان پیشہ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے۔اور یاران ادافہم جاور حریفان اداشناس جانتے ہیں کہ نازنین نام ہے اس حیلہ آفریں شعبدہ ایجاد کا کہ ناز و انداز و غمزہ طرازی و عشوہ سازی سے گاہ عشاق بےقرار سے لطف کے پردے میں جان کا خواہاں ہونا اور گاہ اغیار نامحرم کی بغل میں بےتکلف سونا۔کبھی اشارات مختصر ذہن نشین ہونا اور نصف شب میں براہ راست سے نہ بھٹکنا اور کمند اندازی کے وسیلے سے گھر میں کودنا اور پھر حصول مقصود کے واسطے کسی گوشہ عافیت کو تاکنا۔۔۔اس خوبی سے ادا کرنا کہ دل دادہ ہوش باختہ باوجود اختلال حواس کے جوں کا توں سمجھ لے اور کبھی ایک تھوڑی سی بات کو داستاں داستاں عبارت میں اس الجھاؤ سے بیان کرنا کہ بےچارہ اگر تمام سر پٹکے، مطلب کو نہ پہنچے۔کبھی ایسی رکھائی سے تیوری چڑھائی کہ چند سالہ آشنائی کا ایک ان میں کوسوں تک پتا نہ ملے اور کبھی اس دل آویزی سے بات کرنی کہ بیگانہ سا بےگانہ ایک دم برسوں کا دوست سمجھنے لگے۔ایک چولی کے مسکنے پر ہزار جاں دانی کی طیاری میں عاشق کو لوٹنا اور ایک قدم رفتار پر اظہار نزاکت سے بےچارہ ناشکیب کو بوناصبر میں گلانا، اور اسی طرح کی اور نیرنگ سازی و شعبدہ بازی ایک گل ہے اس کے گلزار تعلیم کا اور ایک برگ ہے اس کے چمن زار تفہیم کا، یعنی جب وہ مشاطہ حجلہ گاہ خیال عزم تزئین پر کمند باندھتی ہے۔عروس زشت رخسار ہزار شاہد رعنا پر فوقیت لیجاتی ہے اور ایک دختر سادہ مزاج کڑوڑ پکی پسیی شطاح پر غالب آتی ہے اور اگر کوئی پوچھے کہ وہ عیار لاثانی اور زنان شوخ دیدہ کی آستانی کون ہے؟ تو میں بتاؤں کہ اس کو اہل شرم و حجاب شعبدہ زنان محتالہ اور یاران بےتکلف چھنالہ کہتے ہیں۔اگر اس کی نیرنگی نہ ہو تو نہ آرایش گیسو کو مشاطہ درکار ہو اور نہ حصول ملاقات کو دلالہ۔لطف کو لباس غضب میں جلوہ دینا اور شوخی کو پردہ شرم میں چھپانا، خود کاموں کو سو رکھائی پر لگائے رکھنا اور متلون مزاجوں کو ہزار

تغافل پر اس اشتیاق میں دن رات پھرانا اسی کم بخت کا کام ہے۔ بید پنجم اس کی مکاری کے مخمس کا ایک مصرع موزوں ہے اور تریا چلتر اس کے دام تذویر کا ایک صید زبوں ہے۔ مرزا تو فقط اس کا ترجمان اور اس کی نیرنگ سازیوں کے ساتھ بر زبان ہے۔ باتوں میں مزہ اٹھانا اور معشوق نا آشنا مزاج سے یک رنگ ہو جانا اس کو کہتے ہیں۔ اگر معشوقہ اس عاشق کامیاب کے گھٹ میں نہ ساتی۔ مرد کے منہ میں عورت کی زبان کیوں کر آتی۔ انصاف یہ ہے کہ اس زبان کو ایسی شستگی اور لطافت سے ادا کرنا۔ پھر معانی، بلند اور مضامین شاعرانہ کو کسوت الفاظ میں جلوہ دینا بہت سلیقہ چاہتا ہے۔ زبان اردو میں اول ریختی کا رواج انشاء اللہ خاں انشا تخلص نے دیا اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگین نے۔ خواہ اس سبب سے کہ ان کی طبیعت کو خود اس صنف کلام کی طرف التفات تھی، خواہ انشاء اللہ خان کے اثر صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا شعار کر لیا۔ اب اس عرصے میں یار علی جان صاحب تخلص نے اہل لکھنو کے نزدیک اس فن میں اس کا علم یکتائی سماک رامح سے جا ٹھرا ہے۔ کمال جان کاہی کی اور اس نظم کی مشق حد کمال تک پہنچائی، راقم ہیچ مدان صابر کم استعداد نے ان تینوں کی ریختی کو نظر غور سے دیکھا اور چشم انصاف سے ملاحظہ کیا۔ ایسا مقام کم پایا کہ زبان ریختی کو لطف شاعری کیساتھ انضمام دے کر ایک مفرح دلنواز تیار کی ہو۔ بیش تر صرف عورتوں کی گفتگو اور ان معاملوں کے سوا کہ مرتبہ شناسان سخن کے نزدیک فضول اور نازک دماغوں کے آگے نامعقول ہیں۔ ۔اور کچھ نہیں۔ اور نامعقولیت سے نہ یہ مراد ہے کہ کلام فحش آمیز یا کلمات شہوت انگیز سے زبان قلم کو آلودہ کیا ہے۔ یہ تو اس نظم کے گوش و گردن کا پیرانہ بلکہ اس طرز کا خمیر مایہ ہے۔ مراس اس سے یہ کہ وہ باتیں جو عورتوں کو اثنائے خانہ داری میں پیش آتی ہیں۔ مثلاً کسی بہن یہیلی کے گھر مہمان جانا یا کسی بھائی بند کا اپنے گھر بلانا۔ خصم سے ٹوم چھلے گھڑوانے کی تمنا اور کرتی انگیا رنگوانے کا تقاضا، ایسی طرح سے خرچ کی

ہیں کہ ان سے کچھ لطیفہ یا نکتہ کہ شاعر خوش مذاق کو لذت دے۔ حاصل نہیں ہوتا۔ اور مرزاے مرزا منش نے ان معاملات کو اس لطافت یا نکتہ کہ شاعر خوش مذاق کو لذت دے۔ حاصل نہیں ہوتا۔ اور مرزاے مرزا منش نے ان معاملات کو اس لطافت سے ادا کیا ہے کہ سامع کا جی نکل جائے اور سننے والا کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جائے۔ یہ چند شعر ریختی کے انتخاب کر کے پیش کش احباب کرتا ہوں کہ صدق سخن پر گواہ اور دعویٰ بلند پر دلیل ہو جائیں:

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جواں تاکا
بوا ہم عورتوں میں تھا بڑ اویدہ زلیخا کا
میں اپنے سر کو دھوتی ہوں بوا اور یہ تماشا ہے
موا بیٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دن آیا تقاضے کا
مجھے کہتی ہیں باجی تو نے تاکا چھوٹے دیور کو
نہیں ڈرنے کی میں بھی ہاں نہیں تاکا تو اب تاکا
اگر اے نازنیں تو دبلی پتلی کامنی سی ہے
چھریرا سابدن نام خدا ہے تیرے دولہا کا
روکنے کو مستعد کیا رات درباں ہو گیا
جان کر یہ مردوا دیکھو تو انجاں ہو گیا
صحبت اب مردوں کو ہے ان شوخ دیدوں سے بوا
چھوڑنا گھر والیوں کا کیا ہی آسان ہو گیا
کوئی بیٹھا ہو تجھے ہے کام اپنے کام سے
اے نگوڑے آدمی سے تو تو حیواں ہو گیا
میں نے تو رکھا نہ تھا منہ پر و لیکن آپ ہی
سوچ کر کچھ مردوا دل میں پشیماں ہو گیا

کیوں کہ چاہتی نے چھوڑا جو ہمارے دن پھرے
آج آنا مردوے کیوں کر ترا یاں ہو گیا
بد زبانی چھوڑ اب تو کھوجڑے پیٹی کہیں
چاہنے والا خصم تجھ سے گریزاں ہو گیا
سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا
عورت انھیں باتوں سے ترا گھر نہیں ہوتا
اب کے وہ خصم ہیں نہیں ہوتا ہے گھر اس کا
کچھ پلے بختی کے اگر زر نہیں ہوتا
کیا جانیے کیا کسبیوں میں شہد گھلا ہے
گھروالیوں سے خوش کوئی شوہر نہیں ہوتا
کچھ ہو نہیں سکتا ہے اور اس پہ ہے اکڑتا
نیچا تو نگوڑے کا کبھی سر نہیں ہوتا
ہے نازئیں رنڈی کے لیے لڑنا خصم سے
چڑھنا بہت مرد کے بہتر نہیں ہوتا
وہ سانولا مجھ گوری سے ہم خواب نہیں تھا
چاندی کا یہ تھیوا تھا وہ نیلم کا نگیں تھا
اڑتے تھے مزے دھوکے ہی دھوکے میں بہت سے
جن روزوں میں انکو مری عفت کا یقین تھا
رنڈی ترے کرنے پہ کوئی یار میں کرتی
پر نام ڈبونا مجھے کنبے کا نہیں تھا
ایسا کسی قحبہ نے لبھایا تھا کہ شب بھر
لیٹا تو رہا پاس پہ کوسوں ہی نہیں تھا

مجھے کہے ہے ترے گھر میں شب کو یار آیا
قسم کا بھی تو موئے کو نہ اعتبار آیا
پڑا ہی رہتا تھا رنڈی کے رات دن ، پر آج
سحر سے شام تلک گھر میں بے شمار آیا
پڑی نہ ہو کہیں اس بد نظر کی تجھ پہ نگاہ
ہوا مجھے تو ترا دھیان بار بار آیا
وہ نقد مال سمجھ کر مجھے چمٹتا ہے
مجھ پہ کھا کے کہیں مردوا ادھار آیا
یہ کل بگڑ گئی ہے رہتا نہیں حمل پھر
پچھتائی میں تو آیا پہلا حمل گرا کر
گھبراؤ تم نہ باجی لڑ کر خصم سے اتنا
اک دن وہ آپ تم کو لے جائیں گے منا کر
میری نماز کھوئی اس مردوے نے آ کر
اٹھی تھی اے دوا میں کم بخت ابھی نہا کر
ایسی جوان رنڈی اے نازنین نہ لو تم
لے جائے گا تمہارا شوہر اسے اڑا کر
گر مرد و زن کو پاس نہیں اپنی بات کا
پھر کیوں یہ لیتے پھرتے ہیں، باجی پرائے دل
یار کرنے کی عبث مجھ پہ ہے تہمت باجی
اس زمانے میں کسی کا بھی کوئی یار نہیں
اے زنا خی مر دوا ہے بد گماں
تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں

نازنین اتنا بھی ہر جائے بنا
یہ تمہارے آ گیا کاے دھیان میں
روز اک دھگڑے کی ہیں مہمانیاں
روز رہتی ہو اسی سامان میں
بوا در گور ایسے مردوے کا منہ کروں کالا
کیا جب تک نہ منہ کالا ٹلا ہرگز نہ وہ یاں سے
تو مسٹنڈا ہے اور میں نازنین کیوں کر بنے صحبت
موے اجڑے نگوڑے تکے چل دور ہویاں سے
رات بھر تھی وہی بات اور وہی چوما چاٹی
اے دوا ایسے ندیدے سے پڑا کار مجھے
دن چڑھتے پر بھی دبوچے ہی پڑا رہتا ہے
مفت نظروں میں جٹھانی کی کیا خوار مجھے
مرد میں کیا کوئی جادو ہے کہ ہوں دل سے خفا
او ربوا دیکھتے ہی آئے ہے اک پیار مجھے
چھوڑ یاروں کو ہوئی تو ہوں خصم پر شاکر
پر یہ بنتی نظر آتی نہیں زنہار مجھے
ہمسائی آئی تھی مرے گھر میں بنی ٹھنی
انکو تو دیکھو رات اسی پر پھسل پڑے
مجھ کو تو بے کلی اور اسے روز کی بہ لت
اچھی بتاؤ تو کہ مجھے کیوں کہ کل پڑے
فوارے کی طرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے
تم ایک بوند پانی پہ کتنا اچھل پڑے

کچھ بھید گیا مرے شوہر پہ نازنیں
جو آج مر دوے کی جبیں پر ہیں بل پڑے
ہو کر لہولہان تو کچھ ڈر گئی تھی پر
جو زخم تھے بوا وہی دل کی دوا ہوئے
دس گھر تو چھٹ چکے ہیں کہاں تک کروں خصم
کس جا بیٹھا ئے دیکھیے اب آسماں مجھے
علامہ بن گئی ہیں اڑا کر مرے ہی ڈھنگ
استانی اب سمجھنے لگیں کسبیاں مجھے
لونڈی مری طرف سے لگایا نہ کر اسے
چاہے ہے کون سا وہ موا آشنا مجھے
دیکھا ہو بات کرتے کسی سے کبھی تو خیر
طعنے بھی دیتی اچھی لگے تو دوا مجھے
اس پاس رات نوچ گئی تھی کہ صبح تک
کیا کیا بری طرح سے ملا اور دلا مجھے

....

ناسخ

ناسخ تخلص، سخن سنج بے عدیل ونظیر، شیخ امام بخش ناسخ، ساکن خاک لطافت بنیاد لکھنو۔ مشاہیر شعرائے خوش سخن اور نام آوران کامل فن سے تھا۔ اس کے فکر سے معنی کوتاب وہ بہا اور اس کی زبان سے الفاظ کو رونق وصفا۔ ذہن کی صفائی یوسف رخان غیب کا آئینہ۔ قلم کا شگاف ارباب کشف کا سینہ۔ رسائی فکر گوہر وحی صندوق سینہ جبریل سے تاراج کر لیتی تھی اور صید افگنی غور نخچیر وقت کو کمین گاہ گوش قارون سے آماج کر لیتی۔ وحشی مضمون ہنوز دام خرد میں صید نہیں ہوا کہ اس کے اندیشے کی کمند

نیم تاب کے کشاد میں صحرائے عدم کی اس سرحد میں پہنچ کر حمایل گردن ہو جاتی تھی اور طائر معانی اب تک عقل فعال قفس میں قید نہیں کہ اس کی طبیعت کی رسائی ایک پرواز میں آشیانہ غیب مطلق سے شکار کرلاتی تھی۔ معنی پست اس کی طبع کی اوج بخشی سے بلند اور الفاظ مکروہ اس کی تراکیب کے حلیے سے دل پسند۔ اگر غریب نواز نہ ہوتا۔ معنی کی طرف اس قدر التفات نہ کرتا اور اگر آشنا پروری منظور نہ ہوتی۔ الفاظ کی اتنی رعایت نہ کرتا۔ معنی، مبتذل اس کے تصرف سے غریب اور اوج فلک اس کے فکر کے سامنے نشیب۔ گرسنہ چشمان ہنر اس کے مائدہ سخن سے زلہ بر اور دعوے داران کمال اس کی شوکت الفاظ سے پامال۔ اہل انصاف اس کو استاد مانتے ہیں اور ارباب فہم اس کے شعر کو سحر جانتے ہیں۔ متانت مزاج سے مضامین شوخ باوجود آمد کے آورد کے محتاج اور تمکین طبیعت سے معانی، برجستہ کو خلوت خیال سے دروازہ لب تک آنے میں تکلیف کی احتیاج، ہر چند طریقہ مختار اس کا تمثیل ہے اور فی الواقع اس طرز میں بے مثل وعدیل ہے۔ شعر عاشقانہ بھی اگر۔ اختیار زبان قلم سے نکل گیا ہے۔ شعلہ شمع کی طرح سے پروانہ طینتوں کی طبع میں آتش افگن اور برگ گل کے مانند عندلیب مزاجوں کو ناخن بہ دل زن ہے۔ آخر عمر میں غلبہ خرافت سے جرات کی وضع کو اختیار اور معاملہ بندی کو قصد کیا اور ایک دفتر پریشان، نام اسی طرز کے اشعار سے مشحون اور اسی ڈھنگ کے ابیات سے مالا مال لکھا۔ ہر چند جرات کی شاعری کا حال جیسا ہے۔ اہل بصیرت اور ارباب بصارت کہ کامل کی استعداد اور سکنہ سخن کے نقاد ہیں، خوب جانتے ہیں، لیکن جو کہ ہمیشہ مضامین بوس و کنار اس کے منہ چڑھتے ہوئے اور مدام اس کی فکر سے ہم کنار تھے اور یہ کہ اس ہوس کے دام میں نو گرفتار، یہ تقلید خوب بن نہ آئی۔ اور بعض مقام میں یہ تو نازو انداز میں محو ہوا اور شاہد معنی نے اسکو غافل کر کے بے باکانہ حجلہ گاہ ابیات سے اپنے گھر کی راہ لی۔ حفظت شیئا و غابت عنک اشیاء، لیکن دردمندان سخن جانتے ہیں کہ اتنی نا سرہ کاری

سے اس کے نقد کمال کو بٹا نہیں لگتا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بود و باش خطہ خوش آب و ہوائے لکھنو سے دل گرفتہ ہو کر الہ باد کی سرزمین میں نشیمن اختیار کیا، لیکن بعد ایک عرصے کے کان پور میں آیا اور وہاں چندے آسایش کر کے پھر وطن مالوف میں منزل گزیں ہوا اور جب تک آغوش لحد میں آرام نہ کیا، اس گل زمین سے قدم باہر نہ نکالا۔ اس کے سفر آخرت کو تخمینا آٹھ سات برس کا عرصہ ہوتا ہے۔ یہ اشعار اس کے دیوان فصاحت سے انتخاب ہو کر پیش کش ارباب بصیرت ہوتے ہیں:

مرا سینہ مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

کفن کی جب سفیدی دیکھتا ہوں کنج مرقد میں
تو عالم یاد آتا ہے شب مہتاب ہجراں کا

یہ عشق ایسا بلاے بد ہے جس کے نام کی دولت
درختوں کو سکھاتا ہے لپٹنا عشق پیچاں کا

دیا میرے جنازے کو جو کاندھا اس پری رونے
گماں ہے تختہ تابوت پر تخت سلیماں کا

نہ شمشیر قاتل کس قدر بشاش تھا ناسخ
کہ عالم ہر دھان زخم پر تھا روے خنداں کا

کیا چین سے ہم اس کے تصور میں محو تھے
کنج لحد میں شور قیامت مخل ہوا

تنگی، محفل کی دولت بھڑ کے بیٹھا مجھ سے یار
رات اہل بزم کی کثرت کا احساں ہوگیا

بعد مر دن ہے ناسخ مجھ سے ہم چشموں کو ضد
سبزہ تربت چراگاہ غزالاں ہو گیا

ایک بوسے کے تصور میں یہ ہوتا ہے کبود
نہیں محتاج مسی کا دہن سرخ ترا

کیا اثر میری سیہ بختی کے آگے نور کا
ماہ ہے اک خال رخسار شب دیجور کا

پاس ہوں یاروں کے جب تک مجھ کو کہتے ہیں بزرگ
خورد آتا ہے نظر انسان کو ، انسان دور کا

دعوئ باطل سے ہوجاتے ہیں اکثر نام ور
شہرہ کیا بانگ اناالحق نے کیا منصور کا

وہ رند ہوں میں روز ازل سے کہ محتسب
دل کے عوض بغل میں ہے شیشہ شراب کا

امید موت آنے کی تو کسی کو ہے ولا
آنا شب فراق میں مشکل ہے خواب کا

راحت طلب کروں تو ملے آسماں سے رنج
حاضر ہے موت ابھی جو خیال آئے خواب کا

خوشی کا ایک دن دیکھا نہ میں نے آکے دنیا میں
رہا ہر ماہ پہ مجھ کو گماں ماہ محرم کا

کی ادھر دل نے کشش کھینچا ادھر سفاک نے
ٹوٹ کر آ کر مرے سینے میں پیکاں رہ گیا

روز روشن تیرہ بختی میں نہ دیکھا عمر بھر
شب کی شب گویا میں اس محفل میں مہمان رہ گیا

ہوگئیں اس میں تمنا مری لاکھوں شہید
دل مرا شاید بنا ہے کربلا کی خاک کا

جز خجالت صحبت ممسک سے کچھ حاصل نہیں
سر نگوں کرتا ہے انسان کو اثر تریاک کا

آج دعویٰ اس کی یکتائی کا باطل ہو گیا
بحث کرنے کو جو آئینہ مقابل ہو گیا

کہتے ہیں مارا گیا بے جرم تیغ ناز سے
کوچہ قاتل میں ناسخ نام جو بے چارہ تھا

پہنچے کب گوشہ نشینوں کو ضرر دشمن سے
آتش سنگ کو کچھ خوف نہیں پانی کا

اگر لب سرخ ہیں تو نشے سے آنکھیں بھی ہیں گلگوں
بتوں نے کر دیا ہے ایک رنگ اعجاز و جادو کا

تو نہیں ملتا تو تجھ سے ہم بھی اب ملتے نہیں
سنگ دل ہم نے بھی اپنے دل کو اب پتھر کیا

حسرت دل نہیں دنیا میں نکلتی ناسخ
ہاتھ شل ہوتے میسر جو گریباں ہوتا

خوں دلاتا اسے ناسور بنا کر گردوں
زخم بھی گر مرے تن پر کبھی خنداں ہوتا

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شب ہجراں میں تو احساں ہوتا

خوب دھوکا مجھے مسی کی ادہٹ نے دیا
دہن یار کو میں غنچہ سوسن سمجھا

نجات ہوگی عذاب حساب سے سب کو
جو پہلے روز قیامت مرا حساب ہوا

لاف زن اہل خوش آمد جو لیے پھرتے ہیں ساتھ
خود فروشی میں بھی ناسخ دخل ہے دلال کا

صدمہ عشق بتاں اٹھ نہیں سکتا مجھ سے
جائے دل کیوں نہ ہوا سینے میں پتھر پیدا

ہر زہ گردی ترک کر گر چاہتا ہے آبرو
بن گیا گوہر سکونت سے یہ قطرہ آب کا

تھی شہادت سے غرض سو اس ادا میں ہوگئی
گونہ قاتل سے نزاکت کے سبب خنجر اٹھا

مانع صحرا نوردی پاؤں کی ایذا نہیں
دل دکھا دیتا ہے میرا ٹوٹ جاتا خار کا

کس کے عارض کے تصور میں ہوں نالاں آج میں
ہے دھواں مہتاب میرے نالہ شب گیر کا

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا
آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہوگیا

بھاگئی کون سی وہ بات بتوں کی ہمکو
نہ کمر رکھتے ہیں کافر نہ دھان رکھتے ہیں

وہ آدمی ہے کہ برسوں کمال رہتا ہے
وگر نہ ماہ کو یک شب کمال رہتا ہے

....

ناصر

ناصر تخلص، مرزا محمد علی بیگ پسر مرزا احمد بیگ، مرد شریف و نجیب اور فن شعر میں راقم تذکرہ سے مستفید یہ شعر اس کے افکار سے ہے:

ناصر نے اس مزے سے اٹھائی جفا کہ اب
انکو بغیر اس کے جفا ہی نہیں پسند

....

ناظم

ناظم تخلص، میر یحیٰ۔اس کا پدر بزرگوار شجاع الملک کے بعد بادشاہ موصوف کی قدردانی سے تحصیل لب و نان میں سرگرم خدمت رہا۔ ساور جب کابل پھر حکام وقت کی پشت گرمی سے اس بادشاہ کا تخت گاہ ہوا، وہ بزرگ افغانا عاقبت اندیش کے ہنگامے میں کام آیا۔ان اوقات میں یہ نیک نہار بیس نائیس کی عمر میں سراسیمہ ہو کر بادشاہ کے بعض اقارب کے ساتھ ہندوستان کی طرف چلا آیا اور صورت معاشی کو حسب دل خواہ جلوہ گر نہ پا کر اطراف و جوانب میں سرگرم تلاش ہوا اور کچھ عمر صوبہ اودھ میں بسر کی ۔دس بارہ برس سے اقامت شاہجہاں آباد اختیار کر کے خوش گرران ہے ۔بعضے کہتے ہیں کہ ہنگامہ گیرو دار کابل میں کچھ ایسا ذخیرہ اشرفی اور جواہر بہا کی قسم سے ہاتھ لگ گیا کہ آج تک گوشہ عزلت میں فراغ عیشی کے واسطے کفایت کرتا ہے اور خام خیالان نافہم کو یہ گمان ہے کہ ہے کہ جب یہ بزرگ کابل سے دوسری دفعہ ہند کو آیا اور لدھیانہ سے جہاں نوردی اور تلاش معاش میں مصروف ہوا، کوہستان میں کسی جوگی نے اس کی شکستہ بالی اور بدحالی پر نظر شفقت مبذول فرما کر کچھ اکسیر اُس کو حوالے کی ۔بہر کیف ظاہر حال اس کا تونگری پر دال اور وہ اپنی وجہ معاش سے تردد و بیدا ش سے فارغ البال ہے خامہ اس کا زمین سخن میں جہاں پیا اور فکر اس کی اس تلاش میں رسا ہے۔

یہ چند شعر اس کے فرزند دل بند سید محمد جان ظہیر تخلص کی زبان سے مسموع ہوئے
:

رشک نے کب مجھے جیتا چھوڑا

اس کے پیکاں نے اگر چھوڑا دیا
دیکھ ہرا ہوں کو جوں نقش قدم
ہم نے اب عزم سفر چھوڑ دیا
دل گم گشتہ کا ہم نے پیچھا
سود تھا یا کہ ضرر تھا ، چھوڑ دیا
ناظم بتوں سے ملیو تو انجام دیکھ کر
انساں کو چاہیے کہ کرے کام دیکھ کر
نقش قدم کی طرح اٹھا مت ہمیں صبا
اس راہ میں پڑے ہیں ہم آرام دیکھ کر

....

ناکام

ناکام تخلص، مکرم علی فتح آبادی۔ مرد خوش خلق اور معاملہ رس اور ذہین تھا۔ اوائل حال میں اگرچہ زبان اردو نامربوط بولتا تھا لیکن کثرت بود و باش شاہجہاں آباد و آگرہ سے کلام کو مہذب اور شائستہ کرلیا۔ موزونی طبع اور صحبت موزوں سخن سنج سے ریختہ گوئی کی طرف بھی متوجہ ہوا۔ دو شعر اس کے سنے گئے:

مباد نخل چمن سے ہاتھ ہو آشنا گل چیں
کھلا نہ گل کہ کمیں میں ہے اے صبا گل چیں
دراز کیجیو مت ہاتھ دامن گل تک
سنے گا کیا کہیں بلبل سے کچھ برا گل چیں

....

نالاں

نالاں تخلص، منولال کھتری، ساکن شاہجہاں آباد ہے، مگر اب فکر معاش اس کو

اطراف ہندوستان میں سرگرداں رکھتا ہے۔ یہ دو شعر اس کے اشعار سے منتخب ہوا:

کہتے ہیں تیری گلی میں اک جواں مارا گیا
دیکھ تو اے بے خبر جا کر کہیں ناداں نہ ہو

....

نامی

نامی تخلص، مبارز الدولہ، نواب مرزا احسام الدین خاں بہادر مرحوم۔ امعائے نامی اور روسائے گرامی شاہجہاں آباد فرحت آثار اور والی لکھنؤ کے قرابتیان صاحب اعتبار سے تھا۔ فن سخن کو میر مستحسن خلیق سے کسب کیا۔ قدر شناسی سخن سے تادم زیست اہل کمال کی قدر دانی پیش نہاد رہی۔

یہ چند شعر اس زبدہ اہل دول کے مرقوم ہوئے ہیں:

گل و سنبل کی بو اب طبع کو آشفتہ کرتی ہے
شمیم زلف سے کس کے معطر ہے مشام اپنا
نہ دی چھونے کبھی زلف اس نے مجھ خاطر پریشاں کو
رہا ابتر سدا اس دل کے اُنجھیڑے میں کام اپنا
کسی کو تم نے چاہا ہے کبھو یارو تو ہر ساعت
نہ سمجھاؤ مجھے، ٹک اپنے دل پر ہاتھ دھر دیکھ
نبا ہوں طائر تصویر گلشنکے تصور میں
قفس میں ہم صفیر و رنگ میرا آن کر دیکھو
دم آخر کرو مت چشم پوشی اپنے عاشق سے
کوئی دم کو جاتا ہے قصہ مختصر، دیکھو
ہزار حیف کہ راہ چمن بھی بھول گیا
قفس سے چھوٹ کے آیا جو اضطراب زدہ

کب اتنی معطر تھی صبا آج تو شاید
لگ آئی ہے گیسوئے سمن بو سے کسی کے
مت غیر سے باتوں میں ہو سرگرم کہ جوں شمع
سر پہنچے ہے آتش بن ہو سے کسی کے

....

نامی

نامی تخلص، نونہال گلشن جوانی، نوبر حدیقہ زندگانی، سعادت کیش، اہلیت اندیش، سہی سرو چمن زار کمال، گلدستہ بہارستان فضل و افضال، مستجمع محاسن اخلاق، زبدہ نیک سیرتان آفاق، پسندیدہ خاطر خاص و عام، بلایو سنگھ نام، خلف ارشد والا دودمان، عالی خاندان، فلاطون فطنت، ارسطو فطرت، رافع رایات اقبال، ناصب اعلام اجلال، بانی بنائے مروت، ناظم مہارت فتوت، عمدہ آراکین مدینہ جا ضلہ، بہترین مآب نفوس کاملہ، لالہ زور سنگھ طال بقائہا۔ اطوار گزیدہ اور اوضاع پسندیدہ اس نوباوہ گل زار سعادت کے اندازہ تقریر اور احاطہ تحریر سے خارج ہیں۔ سخن میں لب کا وا کرنا کتاب اخلاق کے فصول و ابواب کا خلاصہ ہے اور زبان کو حرف و حکایت سے آشنا کرنا مردی و مروت کی داستان کا زبدہ۔ کتب درسیہ کو جناب کمالات انتساب مخدومنا و مولانا مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تحصیل اور فن سخن کو اسی مجمع مکارم سے کسب کیا۔ کیا استعداد کامل ہے کہ نو مشقی میں کہن مشاقان شہر کو برسر انصاف لاکر تحسین کمال میں رطب اللسان کیا۔ تاریخ گوئی میں ید طولیٰ اور اس صنعت میں دست فکر بالا ہے مشتے نمونہ از خروارے قول مشہور ہے حاکم دادگستر تامس میکف بہادر کی تاریخ وفات لکھ کر اہل ذوق کو زور طبع سے آگاہ کرتا ہوں:

چیست باغ دہر کایں جا اسطکاک برگ برگ
سودن دست است بر احوال شاخ ہر شجر

روے دنیا کن سیہ کاں نہر برج افتخار

کنز علو شان خود زد سکہ بر سیم قمر

دست آں یکتا مس ا فلاس را زری کند

نام او زیں لفظ شد چوں بوے از گل جلوہ گر

مرد آں شمع امید و شد ز حسرت مشتعل

آتش غم در دل و داغ مصیبت در جگر

رفت در راہے کہ ہر کس دانہ ہاے سبحہ وار

پیش و پس سر می نہد دائم بہ عزم آں سفر

گفت نامی سال تاریخش بہ معنی و نہ لفظ

یک ہزار و دو صد و ہفتاد اول از صفر

چند اشعار اس کی غزلیات فصاحت آیات اور رباعیات بلاغت سمات سے انتخاب ہو کر نگاہ احباب میں جلوہ گر ہوتے ہیں:

فروغ حسن او کاشانہ ام را می کند روشن

اگر در شب خیال من شود آئینہ رویش را

چرا صیقل زنی از بہر قتلم تیغ ابرو را

کہ چوں نے تیر مژگاں کرد پر سوراخ پہلو را

بہر جا بر کشایدا آں پری رو زلف و گیسو را

ز رشک بوے ۲ خود در خوں نشاند ناف آہو را

چہ آفتی کہ در آغوش بودیو امشب

تغافل تو بہ صد درد انتظارم گشت

زنگ نبوود بہ روئے آئینہ

گردے از راہ انتظام کسے ست

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved ©2002-2006

زردی چهره و گل گونی اشکم بنگر
که خزان دگر و رنگ بهار دگر است
سحر که ساغر چشم ز اشک پر مل بود
خروش گریه زارم نوائے قلقل بود
ایں حسن تو روے مہ نہ دارد
ویں شان تو بادشہ نہ دارد
بے روے ریا بداں کہ سبزہ
با خط تو وزن کہ نہ دارد
نامی عبث است ایں شکایت
در گوشش حرگ رہ نہ دارد
سرت گردم چہ شوخی کردہ پیدا کہ از نازت
ہنوز از جا نہ رفتی عکست از آئینہ بگریزد
خندہ زخم جگر بیں لالہ زار ما مپرس
آرزو ہا خوں شدن دارد بہار ما مپرس
چوں حباب از ہجر ہستی با قبا جوشیدہ ایم
جلوہ کم فرصتم از روزگار ما مپرس
آں رند خرد سوزم کز مستی و مدہوشی
در کعبہ پرستم بت ، در دیر نماز آرم
نامی چہ بودہ کہ بصد سیل آب اشک
یک ذرہ گرد از دل دلبر نہ شستہ
گفتم کہ بیا بسینہ چسپاں می باش
ہم صحبت دل مدام چوں جاں می باش

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

گفتا راضی مشو بایں صحبت گرم
گاہے آرام و گہ گریزاں می باش

دی بر در مے خانہ گذازم افتاد
صحبت با رند دردخوارم افتاد

سر رشتہ اگر ازیں جہانم دادند
وز جادہ آخرت نشانم دادند

فی الجملہ چگویم کہ چہ دادند بہ من
چیزے کہ بود در خورم آنم دادند

....

نایاب

نایاب تخلص، عباس علی، ساکن دارالامارۃ کلکتہ۔ مدت سے دہلی میں وارد اور شاگرد حافظ قطب الدین مشیر ہے۔

یہ شعر اس کا سنا گیا:

وہ پردہ نشیں ہم کو اشارے سے بلالے
اے شوق یہاں کچھ تری تاثیر ہوایسی

....

نثار

نثار تخلص، زبدہ خاندان شرافت، اُسودہ دودمان نجابت، شریف نہاد، عالی حسب ،میر نثار علی، علوی نسب۔ علم وادب اس کے خاندان میں موروثی اور فضل وکمال اس کے دودمان میں مستمر ہے کوئی فن فارسی میں کامل ہوا اور کوئی خوش نویسی میں یگانہ عہد ۔یہ سلسلہ یوں ہی چلا آتا ہے مگر کارساز بےضنت نے اس عالی ظرف میں یہ دونوں نقد سرہ فراہم کر دی۔ فن فارسی کو جناب استادی مولوی امام بخش صہبائی سے کسب

کیا اور خط نستعلیق کو یادگار سلف خلاصہ اکابر میں محمد امیر سے کہ بالفعل، تمام ہندوستان میں نظیر اس بے مثل و مانند کا نشان نہیں ہے۔ درست کیا اور اس کمال کو تکتائی کی دست آویز اور یگانگی کی عروۃ الوثقی بنایا۔ انشا پردازی اور شعر طرازی میں قدرت تمام حاصل ہے۔ سخن اس کا حسن اسلوب سے دل چسپ اور مرغوب، شعر اس کا فروغ معانی سے شعراے یمانی۔ چند روز سے حضرت ظل الٰہی، خلافت پناہی ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ دام اقبالہ نے وقائع نگاری قلعہ معلی کے عہدے پر مامور کیا ہے۔ اس اخبار کی عبارت خصوصاً عنوان بیش تر وقاءع نعمت خاں عالی کے طرز سے مطرز ہوتا ہے اور اس طرز کے پسند کرنے والوں کو ایک خط اٹھتا ہے۔ یہ چند شعر اس کے نتائج افکار سے مرقوم ہوئے ہیں:

چساں بندم بہ مژگاں تند سیل چشم گریاں را
کہ سدا راہ نتواند شدن خس جوش طوفاں را

مانع گریہ بود حوصلہ عشق ار نہ
ہست در دیدہ من مایہ طوفانے چند

دراں وادی کہ رفتم کس نشان ن نمی داند
صبا خود کیس عنقا آشیاں من نمی داند

بز لفش گفتم آ کر بند وا کن سخت پیچیدش
چہ دشوار است، کاں ہندو زبانمن نمی داند

....

نجم

نجم تخلص، سیدزادہ صحیح النسب، والا حسب، میر نجم الدین خلف رشید چمن آراے سیادت، آب گلزار نجابت، مظہر اخلاق حمیدہ۔ مصدر افعال گزیدہ، شائستہ آفریں میں قمر الدین۔ علم ضروری سے آگاہ اور غایت نیک نہادی سے دل ہاے احباب

میں اس کو راہ ہے۔طبع تیز فکر رسا، مذاق شعر صحیح رکھتا ہے۔ یہ اشعار اس کے نتائج طبع سے مرقوم ہوئے:

کیسی کیسی مصیبتیں کھینچیں
اللہ اللہ رے حوصلہ دل کا

نظروں نظروں میں ہو گیا غائب
ہو گیا طرفہ سانحا دل کا

انجم کیوں اتنی بے قراری ہے
تو ذرا کہہ تو ماجرا دل کا

تری چشم خمار آلودہ کے مانند اے ساقی
اگرچہ مست ہوں لیکن بہت ہشیار پھرتا ہوں

یاں جو آیا ہوں تو شاید مری موت آئی ہے
ترے کوچے میں مگر مجھ کو قضا لائی ہے

....

ندا

ندا تخلص، مرزا معین الدین ابن مرزا احمد بخش ابن مرزا خجستہ بخت مرحوم، جوان سعادت مند، خوش مزاج، تیز فکر ہے۔ موزونی اس کی ذات میں ایسی ہے جیسے سرو میں راستی۔ اصلاح شعر مرزا کریم الدین رسا سے لیتا ہے۔ یہ اشعار اس کے مرقوم ہوئے:

کیا خاک ہو پھر دوستی کی اس سے توقع
جس میں نہ مروت ہو نہ ہو پاس وفا کا

آتا نہیں گر رحم تو کر جور ہی ظالم
شکوہ نہیں کرنے کا ترے جور و جفا کا

مرتا غم دوری میں تری کب سے ہے اے شوخ
ہے حال بھی معلوم تجھے اپنے ندا کا

....

ندیم

ندیم تخلص زبدہ سادات عظام محمد عسکری، متوطن کڑا کہ موضع ہے مضافات الہ آباد سے۔ شاہ غلام اعظم افضل تخلص سے کہ ارشد تلامذہ ناسخ سے ہے تلمذ رکھتا ہے۔ مدت تک خط و خال خوباں اور زلف و چہرہ محبوباں کے وصف میں خامہ فرسائی کی لیکن آخر کار رہنمائی توفیق سے مضامین حمد و ثنا کو ورد زبان اور وظیفہ قلب و جناں کیا۔

یہ دو اشعار سابقہ سے ہیں:

زمین قبر سے مجھ کو بڑی ندامت ہے
کہ مشت خاک نہیں ہے فشار کے قابل
آبرو غیر کی کیا اشک ریاسے ہو فزوں
در جعلی کو یہ سنتے ہیں کہ ہیں کام کے کم

....

نزہت

نزہت تخلص، مرزا کرامت اللہ، خسر پور مرزا جمعیت شاہ ماہر تخلص، جوان نیکو منظر، عاشق مزاج، حلیم طبع، گاہ گاہ فکر شعر کو بھی ضمیر عشرت پسند میں راہ ہوتی ہے۔ یہ اشعار تازہ وارد مرقوم ہوئے:

اٹھا لوں سر پہ اگر ہووے غم جدائی کا
مگر نہیں ہے گوارا ستم جدائی کا
آس کس کو سحر وصل کی ہے اے نزہت

نہ شب ہجر کٹے گی نہ سحر دیکھیں گے

....

نسیم

نسیم تخلص، مولوی نسیم اللہ، سکنائے قصبہ کول سے ہے۔ بزرگان والانژاد اس کے بنی اسرائیل، اور سن چھ سو ہجری میں مصر سے وارد ہندوستان ہو کر اس دیار جنت آثار میں مقیم ہوئے اور طالبان کمال نے ان کے انفاس متبرکہ سے علوم ظاہری اور باطنی کا فیض اٹھایا۔ اس صاحب کمال کا جد امجد محمد امین اللہ مرحوم درویش کامل اور طبیب مسیحا دم تھا اور بہ سبب طلب باطنی کے اکثر درویشان خدا آگاہ سے مستفیض ہو کر جناب غفران ماب عالم باعمل مولانا بالفضل اولیٰنا مولوی عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت سراپا افادت سے ارادت اور عقیدت بہم پہنچا کر حلیہ کمالات صوری و معنوی سے آراستہ ہوا۔ جو کہ موزونی طبع کا اقتضا ہے، گاہ گاہ جب استغراق دریائے معارف سے افاقہ ہوتا، اشعار فارسی سے خزینہ بیاض کو مملو کرتا۔ تیمنا یہ شعر اس کے نتائج افکار سے مرقوم ہوتا ہے:

ہر طفل سر شک در نگاہم

لخت جگری و نور چشم است

اور والد ماجد اس کا حکیم محمد علیم اللہ سلمہ تعالیٰ مرد خوش اخلاق اور کمال مہارت طلب میں شہرہ آفاق ہے۔ اس کا دامن فکر بھی گاہ گاہ طراز سخن سنجی سے مطرز ہوتا ہے۔ یہ ایک شعر اس کے نتائج طبع سے بہ تقریب ذکر مرقوم ہوتا ہے:

نقد دشنام بدہ جنس دعاے بستاں

کہ ازیں بیع و شرا رونق بازار من است

اور یہ نونہال گلشن کمال انیس برس کی عمر میں مولوی عبدالجلیل کی خدمت میں کتب درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر فن طب کی تحصیل اور قوانین علاج کی تکمیل کے

واسطے شہر کرامت بہر شاہ جہاں آباد میں وارد ہو کر طبیب فاضل اور حکیم کامل، بقراط زماں، سقراط دوراں، حکیم امام الدین خاں سلمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت فیض موہبت سے استفاضہ اور باقی علوم عقلی اور نقلی کے استیعاب کے واسطے زبدہ علماے روزگار، رئیس کبرائے شہر و دیار، مولائے واعظم، مخدوم و مکرم، جامع ضدین جد نیا و دینی مفتی محمد صدر الدین ابقاہ اللہ الی انقطاع الزمان کی خدمت کیمیا خاصیت سے انواع حقائق اور اصناف دقائق کا استفادہ کیا۔ جب ضروریات علم سے فراغت بہم پہنچی، جو کہ شتا بندگان عرصہ خاک کو تحصیل وجہ معاش سے گریز نہیں، قوانین محکمہ حکام وقت میں مہارت نامہ بہم پہنچا کر سند عہدہ منصفی حاصل کی اور بالفعل ضرورتاً محکمہ عدالت کول میں عہدہ وکالت کو اختیار کرکے افضال منعم حقیقی کا منتظر ہے۔ کمالات علمی کی قوت سے اشعار ریختہ اور فارسی کو نہایت متانت اور غایت رزانت کیساتھ کہتا ہے۔ جو کہ نظر ہمت ان مقاصد عالیہ پر مقصود ہے۔ تدوین سخن کی طرف اصلا التفات نہیں ہے۔ وگرنہ ہر صنف شعر سے کئی دفتر مدون ہو جاتے۔ چند شعر ریختہ کے درج اوراق ہوتے ہیں:

بے سبب ہر کس و ناکس سے لڑا کرتی ہیں
اپنی آنکھوں کو ذرا اوبت پر فن سمجھا

جو لذتیں ہیں قناعت میں حرص میں کب ہیں
نشہ جو کم ہو اسی کو سرور کہتے ہیں

زمانے کو بندہ کیا چاہتے ہو
بتو کیا خدا تم بنا چاہتے ہو؟

نسیم اس سے کہتا ہوں کر بات کوئی
تو کہتے ہیں کیا کچھ سنا چاہتے ہو

گن گن کے روز کرتے ہیں وہ عاشقوں کو قتل

ہر روز ان کے کوچے میں روز شمار ہے

پھرتا ہے چشم تر میں ہماری قد نگار

یہ قد ہے یا کہ سرو لب جوے یار ہے

....

نسیم

نسیم تخلص، محمد یعقوب ہفرزند دل بند حافظ غلام احمد نگہت تخلص اور خواہر زادہ عبد الحکیم بسمل، سنین عمر ہنوز بارہ تیرہ سے متجاوز نہیں ہیں۔ تحصیل کتب فارسی میں سرگرم ار موزونی، طبیعت سے شعر گوئی کی طرف مائل۔ اصلاح شعر صاحب زادہ جناب صہبائی مولوی عبدلکریم سوز سے لیتا ہے۔ یہ چند اشعار اس کے نتائج طبع سے لکھے جاتے ہیں:

جو چرخ سے آفت کوئی آئی سو مجھی پر

جو درد اٹھا سو وہ مرے دل کے قریں تھا

عشاق پہ تو نے جو کیے ہیں ستم ایجاد

انصاف سے کہہ تو ہی کہ یہ ظلم کہیں تھا

چرخ رہتا ہے گردشوں میں سدا

یہ بھی گویا غبار ہے اپنا

عشق کس طرح چھوڑ دوں ناصح

یہ کوئی اختیار ہے اپنا

نہ اٹھاؤ نسیم کو در سے

جانیو خاکسار ہے اپنا

ہو گئے خاک ہم ولے ظالم

دل میں تیرے غبار ہے اب تک

جاں بلب ہے نسیم دل خستہ
پر ترا انتظار ہے اب تک
کوئی نبھتی ہے اس طرح کہ سدا
اک نہ اک بات پر لڑائی ہے

....

نسیم

نسیم تخلص دیا شنکر، پنڈت کشمیری، ساکن لکھنو جوان خوش ترکیب، حسن خلق اور جمال ظاہری سے بہرہ مند ہے۔ اگرچہ خود نسیم تھا لیکن پائے فکر اس کا نسیم سے دو قدم آگے رہتا تھا۔ ایک مثنوی، گلزار نسیم نام قصہ گان بکاؤلی میں فصاحت عبارت اور باندی معنی کے ساتھ اس سے یادگار ہے۔ فن سخن کو میر حیدر علی آتش سے کسب کیا تھا۔ پانچ چھ برس ہوئے کہ انیس بیس برس کی عمر میں مثل نسیم و صبا گلشن دنیا سے گزر گیا۔ یہ شعر اس کا مطبوع طبع راقم تھا کہ مرقوم ہوا:

کس سوچ میں ہو نسیم بولو
آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

....

نسیم

نسیم تخلص، نسیم اللہ نامی، ساکن میرٹھ، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔ یہ شعر اس کے اشعار سے ہے:

دم بدم آج دم سرد جو بھرتے ہو نسیم
یاد شاید چمن کوچہ جاناں آیا

....

نشاط

نشاط تخلص، منشی بسنت سنگھ، قوم کاتیہ، ساکن شاہ جہاں آباد، آبا و اجداد اس کے منشی گری، خالصہ شریفہ سرکار سلطانی سے ممتاز ہوتے چلے آئے اور وہ بھی اپنے دم آخر تک اس عہدے پر مامور رہا۔ ارباب روزگار میں عزت اور حرمت کیساتھ بسر کرتا تھا۔ مشق سخن انشاء اللہ خاں خطہ لکھنو کو راہی ہوا، اس کی اجازت سے سعادت یار خاں رنگیں اس کے اشعار کو پیراہ اصلاح سے زینت دیتا رہا۔ یہ چند شعر اس کے نتائج سے مرقوم ہوئے:

بسان نقش قدم یاں نشاط جم بیٹھا
اٹھے ہے کب وہ اٹھائے سے تو ہزار اٹھا

اپنے ہاتھوں سے مل کر مہندی تم
مفت کرتے ہو پائمال ہمیں

تاؤ کھاتا ہے دیکھ کر شب و روز
زلف کا تیرے بال بال ہمیں

خیر ہے، کیوں کہ آئے آپ، نہ تھا
آج آنے کا احتمال ہمیں

گر مٹانے سے کہیں نقش نگیں کا مٹ جائے
تو نوشتہ بھی مری لوح جبیں کا مٹ جائے

آشنائی تجھ سے کی، کیا مجھ سے نادانی ہوئی
دوستی میری ہی آخر دشمن جانی ہوئی

....

نشاط

نشاط تخلص، میرن شاہ، درویش استغنا سرشت اور فقیر سعادت سرنوشت تھا۔ کلام مجید کو اس خوش لہجگی سے پڑھتا تھا کہ عندلیب نے مصحف گل کو اس خوبی سے نہ پڑھا

ہوگا۔گاہ گاہ فکر شعر بھی کرتا تھا۔دس برس ہوئے کہ انتقال کیا۔یہ شعر اس کا یاد ہے:

لگے ہو بیٹھنے اس بے وفا کے پاس بہت
نشاط آپ کو یہ کیا خیال آیا ہے

....

نصیر

نصیر تخلص، شہسوار عرصہ سخن وری، فارس مضمار معنی پروری، نخل بند حدیقہ کمال، بانی بنائے افضال، سخن سنج، سخن گو میاں کلو، مشہور بہ شاہ نصیر الدین خلف الصدق شاہ غریب، سجادہ نشینی میر جہاں مرحوم کی اس کی ذات بابرکات سے آسمان پایہ اور خلافت اس عارف مغفور کی اس کی نہاد خیر بنیاد سے خورشید سایہ تھی اور یہ مرحوم مغفور وہ ہے کہ اس کا مزار پر انوار محلّہ روشن پرہ میں کہ ایک محلّہ محلات مشہور وہ شاہ جہاں آباد نزہت آباد سے ہے۔زیارت گاہ صاف باطنان پاک نہاد ہے۔بہر کیف شاہ موصوف ہر چند استعداد علمی سے بہرہ ور نہ تھا بلکہ سواد بھی چنداں روشن نہ تھی لیکن روشنی طبع خداداد سے خلوت دل میں ہزار شمع معنی بزم افروز تھی۔کیا مرد میدان سخن وری تھا کہ بارہا ہنگامہ مشاعرہ میں حریف ہنوز انشاد اشعار سے فارغ نہیں ہوا کہ اس نے اس کوتاہ مدت میں شمع مقابل رکھ کر اشعار سوزاں تر از شعلہ شمع بہ قدر دو تین غزل کے لکھ کر مشتاقان سخن کے گوش گزار کر دیے۔بیش تر تشبیہ نو اور استعارہ جدید بہم پہنچانے میں مصروف رہتا اور شعر طرز صائب پر کہتا۔بلندی، تلاش سے مشاعرے میں کسی کی غزل کو اس کی غزل پر تفوق نہ ہوتا تھا۔سنگ لاخ زمینوں کو دعوے داران کمال میں سے اس کے سوا کوئی پے سپر نہ کر سکتا۔ایک بار سفر لکھنو اختیار کیا۔جس دن یہ شہسوار عرصہ سخن اس گل زمین میں وارد ہو کر کارواں سرا میں فرو د آیا۔دفعتا درد گردہ میں مبتلا ہوا۔قضارا خبر ورود وفاش او ہوس مطارحہ ہر ایک کے دم میں گرم تلاش ہوئی۔ان ایام میں مصحفی اور انشاء اللہ خان اور مرزا قتیل اور جرات چار بالش حیات

پر متمکن تھے۔ سب کے مشورے سے آٹھ مصرعے مشکل زمینوں میں طرح ہوئے او اس مبتلائے کو وقت سفر کے پاس پہنچے۔ اتفاقاً مشاعرے میں تین دن باقی رہے تھے۔ معاذ اللہ سخت مشکل واقع ہوئی۔ زمین وہ سنگلاخ، طے راہ اس دردو الم میں دشوار، لیکن غیرت کے تقاضے نے ماموراور اسی عرصہ قلیل میں اس فرمایش کے سرانجام میں مجبور کیا۔ ان میں سے ایک کا ردیف وقافیہ چمن سرخ تر، اور دہن سرخ تر، اور دوسرے کا فانوس ہیں گویا اور جالینوس ہیں گویا صیغہ جمع تھا۔ اس مہم ضروری سے فارغ ہوکر صرف اپنی طبع کے تقاضے سے ایک اورغزل کا فکر کیا کہ ا کا ردیف اور قافیہ چمن کی مکھی، اور کفن کی مکھی، تھا۔ حسن اتفاق یہ ہے کہ اس کی شہرت کی کشش نے اکثر ساکنین شہر لکھنو کو اس کے حلقہ شاگردی میں کھینچ لیا تھا۔ روز معسو د ایک جم غفیر تلامذہ اعتقاد کیش کا ساتھ لیکر بساط مشاعرہ پر قدم رکھا۔ کملائے فن نے جب اس زور طبع اور تیزی فکر پر اطلاع پائی۔ صلہ تحسین وآفرین سے شاد کیا اور حق انصاف ادا کیا۔ یہ تحسین وآفرین کہ اس شیریں کلام کی خوبی سخن نے ان بزرگوں سے بزور لی تھی اور پھر اس غوغائے محشر نما کے ساتھ اہل انتساف کو ناگوار ہوئی۔ ایک کج طبع، ستیزہ خو نے کہ شاگردان مصحفی کے زمرے سے تھا۔ باآواز بلند کہا کہ شاہ صاحب فی الواقع ان آٹھوں غزل کی داد حیز قدرت سے خارج ہے لیکن نویں غزل میں مکھی کی ردیف سے نفیس مزاجوں کو جی متلاتا ہے۔ اس یکہ تاز عرصہ ظرافت نے بدیہہ کہا کہ۔ لطیف طبعان نفیس مزاج تو اس موائد لذیذہ کے نعما سے لذت ستاں اور کامیاب ہیں لیکن غالب ہے کہ علیل نہادان صفرائے حسد کو جوش غیرت سے ڈاک لگ جائے۔ اس کی شہرت میں مدعیان سخن کو ایسا خمول تھا جیسے فروغ آفتاب میں چراغ کو۔ اس مقام میں حق کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے۔ کوئی اس کلام سے یہ نہ سمجھے کہ اس زمانے میں کسی کا پایہ شاعری اس کو نہ پہنچتا تھا۔ حاشا وکلا اس بزرگ کا کلام عام فہمی کے سبب سے کم استعداد ان تنگ مایہ کے زہن میں بہت جم جاتا اور سہولت

فہم سے ہر کس و نا کس کی زبان حرف تحسینے ہنگامہ قیامت برپا کرتی اور معاصرین کا کلام از بسکہ خواص کی تحسین کے لائق تھا۔ اور خواص ہر زمانے میں قلیل ہوتے ہیں۔ نافہموں کے نزدیک اس کے سخن پر فائق معلوم نہ ہوتا تھا۔ العاقل تکفیہ الاشارۃ۔ اکثر شاہزادگان والاشان بلکہ شاہجہاں آباد میں بیشتر شعرائے عالی طبع اور موزوں طبعان تیز فہم مثل شیخ ابراہیم ذوق و محمد مومن خان مومن تخلص اور میر حسین تسکین اوائل حال میں اس کی شاگردی سے مشرف تھے۔ الحاصل اطراف ہندوستان جنت نشان کی سیر و سیاحت سے کامیاب اور جس سرزمین میں وارد ہوا وہیں کے شعرائے شریں کلام سے معرکہ آرا ہوا۔ چند بار حیدر آباد میں جا کر راجہ چندو لال مختار سرکار وزیر الممالک آصف جاہ نظام الملک والی، دکن کی قدر شناسی سے صلہ نمایاں پایا۔ آخر کار اسی زمین میں مضمون مر باندھا اور سوسن بہشت کی زبان سے حرف تحسین جا سنا۔ سلسلہ اس کی شاعری کا ملک الشعرا مرزا رفیع سودا تک پہنچتا ہے۔ اس طرح سے کہ یہ شاگرد بلاواسطہ تھا۔ طول کلام سے محترز اور اطناب سخن سے مجتنب ہو کر چند شعر اس کے نتائج افکار سے لکھ کر ارباب طبع کی ضیافت کرتا ہوں:

نکلے ہے گھر سے وہ بت خانہ خراب کب

پہچانتا ہے عاشق دل گیر کی صدا

نہ سمجھو کہ آغاز خط، عارضی ہے

خدا جانے کیا اس کا انجام ہو گا

افسوس کہ نرگس کی طرح باغ جہاں میں

کچھ ہم نے بجز حسرت دیدار نہ پایا

نصیر اس زلف کی یہ کج ادائی کوئی جاتی ہے

مثل مشہور ہے رسی جلی لیکن نہ بل نکلا

سج تا تو مجھے سو فار خدنگ قاتل

لہو کس کس کے پیے گا دہن سرخ ترا
چارہ زخم جگر وہ رخ پر نور ہوا

جلوہ صبح ہمیں مرہم کا فورہوا
کیوں کہ محتاج کفن اہل فنا ہوں اے نصیر

عاقبت جاتا ہے دم کے ساتھ ملبوس حیات
کیا چشم یار سے ہو دل زار کا علاج

بیمار سے ہو انہیں بیمار کا علاج
کس کی نگہ نے جلوہ برق اب دکھا دیا

آنکھیں جو اپنی ہو گئیں بے اختیار بند
ہوا، خواہاں میں اتنا تو کوئی اے بیکسی ہووے

بگولا دشت میں جا روب کشی ہے خاک مجنوں پر
حباب وار غنیمت ہے فرصت اک دم کی

ہو اپہ زندگی، مستعار رکھتا ہوں
مدام رند کریں کیوں نہ آستاں بوسی

حرم ہے شیخ مشیخت ماب کے گھر میں
سر مژگاں سے وقت نالہ آنسو کو ترستے ہیں

یہ سچ ہے جو گرجتے ہیں وہ بادل کم برستے ہیں
اس نے تو ڈبویا مجھے اور اس نے جلا دیا

ہو خانہ خراب آنکھ کا اور دل کا برا ہوا
آہ مژ گاں سے نہ کاوش کرو اے طفل سرشک

جس کے سائے میں رہو اس کا برا چاہتے ہو
جہاں سے گو بت مغرور اٹھ گیا انصاف

خدا کے روبرو ہوگا مرا ترا انصاف
وجہ معلوم تو ہو چیں بہ جبیں ہونے کی

سچ کہو جی میں ہے کیا۔ کس سے لڑا چاہتے ہو
فتراک سے نہ باندھ کہ ہوں صید خوں چکاں

دامان زین پہ ترے نہ لو ہو ٹپک پڑے

....

نصیر

نصیر تخلص، نصیر الدین۔خلف بدر الدین، دختر زادہ منشی نبی بخش حقیر تخلص، فن شعر میں نومشق، عمر ہنوز سولہ برس سے متجاوز نہیں۔ رسائی طبع اور تیزی فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صحبت اساتذہ شفیق سے بہرہ مند رہے گا تو البتہ کلام کو متانت اور سخن کو شائستگی بہم پہنچ جائے گی۔ یہ اشعار اس کے نتائج افکار سے ہیں:

ڈوبے ہیں میرے دیدہ پرنم کی شرم سے
قلزم ہوا فرات، ہوا ابر تر ہوا

ان میں سے میرے درپے آزاد ہے ہر ایک
ناصح ہوا ، رقیب ہوا۔ چارہ گر ہوا

دل ٹھکانے ہو تو ناصح کی بھی دو باتیں سنیں
ہم کو جمعیت کہاں زلف پریشان دیکھ کر

بوسے غیروں کو دیے اس نے نصیر
لب پہ میرے نہ شکایت کی

....

نظیر

نظیر تخلص، شیخ محمد اکبر آبادی عوام ہندوستان اس کی شاعری کا پایہ فرق شعری اور

تاریک ثریا سے بلند جانتے ہیں۔ اطراف و اکناف ہند میں ایسی شہرت پائی ہے کہ غالباً اگر آسمان چاہے کہ اس کے نام کو صفحہ عالم سے حک کردے، صورت پذیر نہ ہو۔ پرگوئی کا یہ عالم ہے کہ مقلدان ہنگامہ ہولی سے ہر ایک کی زبان پر سو سو مخمس جداگانہ سے کم نہ ہوگا۔ جوکہ اس طرح کی زبان درازی سخن کو خبط کر دیتی ہے۔ اغلب وہ کلام بے انتظام شایستہ آفریں نہ پایا۔ لیکن بعض بعض شعر کہ حلیہ لطف سے آراستہ تھے۔ کم کم گوش زد بھی ہوئے۔ با ایں ہمہ باطن اس مرد سنجیدہ کا ایسا آراستہ اور مہذب تھا کہ اس کی حکایت طبائع غفلت شعار کو سرمایہ حیرت ہے۔ یہ چند شعر اس کے مرقعم ہوئے ہیں:

سبھوں کو مے ہمیں خوں ناب دل پلانا تھا
فلک ہمیں یہ تجھے کیا یہ زہر کھانا تھا

ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد
وہ بھی کم بخت ترا چاہنے والا نکلا

آغوش تصور میں جب میں نے اسے مسکا
لب ہائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا

داغ مرنے کا وہی محروم جانے جس کی آہ
موت آ پہنچی شتاب اور یار آیا دیر کر

عزت و قدر کی اس بت سے توقع ہے عبث
واں نہ عزت کی ہی عزت ہے نہ کچھ قدر کی قدر

رہا ہے غم سے یوں آنکھوں میں آب ارغوانی بھر
کہ جوں ساغر میں دے ساقی شراب ارغوانی بھر کر

رہ کے خاموش خوش آئے بت گلفام کو ہم
سیکھے ہیں بلبل تصویر سے اس کام کو ہم

زلف ہو بر سر احساں تو ڈر فتار کرے
چشم کی عین عنایت ہو تو بیمار کرے

....

نظیر

نظیر تخلص، گنپت رائے، شاگرد شاہ نصیر، اس کے حال سے زیادہ اطلاع نہیں، اور یہ ایک شعر مسموع ہوا:

کیا زرد ہوئیں عشق کے آزار سے آنکھیں
ہم چشم ہیں اب، نرگس بیمار سے آنکھیں

....

نقشی

نقشی رنگ آمیز نگارستان ہنر، جلائے صافی گوہر، رنگ بہارستان مکارم ذات۔ آب گوہر محاسن صفات۔ زبدہ انام اسوہ عظام، والا دودمان،، بدرالدین علی خاں کہ شرق تا غرب اس کی صیت یکتائی نے اس طرح مملو کیا ہے جیسے عالم کو ہوا نے اور زمین تا آسمان آوازہ کمال نے ایسا بے سپر کیا ہے جیسے فضا کو نگاہ تیز پائے۔ پائے دولت کرسی نشیں آسمان اور فرق عبودیت وقف آستان۔ گفتار و کردار تہذیب اخلاق کا باب۔ اوضاع و اطوار لطف و مروت کی کتاب۔ مشغلہ اوقات دل ہائے خراب کی مرمت اور سرائے عقبیٰ کی معموری، مصرف توجہ حضرت واجب سے تحصیل قرب اور ماسوی سے تلاش دوری، ہر چند اکثر فنون میں علم یکتائی بلند اور پایہ کمال ارجمند ہے لیکن صنعت حکاکی میں نظر احول بھی اس کو ایک جانتی ہے اور اس تلاش دوئی پر اکو یگانہ پہنچانتی ہے۔ اس کی زبان قلم کے فیض سے اصاغر و ادانی کا نام اسم اعظم کے برابر اور ہر نگیں خاتم سلیماں سے ہمسر۔ باایں ہمہ سخن کا مرتبہ کس قدر بلند کیا ہے اور طرز کلام کو کیا کچھ دل پسند، ہر لفظ لذت معنی سے شریں اور ہر حرف

ملاحت سخن سے نمکین۔ ہر صفحہ معنی، عرفان خیز سے ارباب کشف و شہود کا سینہ اور ہر بیت الفاظ آب دار سے گوہر شاہ وار کا گنجینہ۔ یہ چند شعر کہ مذاق اہل دانش میں لذت بخش ہیں، صفحہ تحریر پر ثبت اور مرقوم ہوتے ہیں:

دارم جنوں در ہجر او ویرانہ باید مرا
بیزارم از عیش و طرب غم خانہ باید مرا
ساربان چوں مل جانانہ بر جمازہ بست
بر دلم بار غم و اندوہ بے اندازہ بست
بود ابتر دفتر دیوانگی ہماچیش ازیں
ایں قدر نقشی کتاب عشق را شیرازہ بست
نا خدا ترس تو از غمزہ بکشتی و دگر
بر سر نعش من از بہر نماز آمدہ

....

نگہت

نگہت تخلص، سلالہ خاندان شرافت، زبدہ دودمان نجابت پسندیدہ اطوار، خجستہ کردار، مقبول خاطر نیک و بد، حافظ غلام احمد، اس نیک نہاد کو جناب استادی مولائی مولوی امام بخش صہبائی سے قرابت قریبہ اور اسی جناب فیض انتساب سے تلمذ ہے۔ کتب درسیہ فارسی اور عروض اور قوانی کو اسی استاد فیض نہاد کی ہدایت و ارشاد کے ذریعے سے ایسا خوب حل کیا ہے کہ ان فنون میں گویا کوئی عقدہ لا ینحل تھا ہی نہیں۔ فارسی اور ریختہ دونوں میں فکر کرتا ہے اور اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے۔ کلام حلاوت سے اور طرز نمک سے خالی نہیں۔ معنی بلند ہے اور استعادہ دل فریب۔ الفاظ پاک ہیں اور تشبیہ غریب۔ یہ اشعار اس کے افکار گوہر نثار سے انتخاب ہوئے:

فارسی

رخصت آہے اگر بخشی من مہجور را
می کنم تعلیم افغاں ہا صداے صوررا

ظرف می باید کہ در مستی حریف من شوی
ایں مے پر زور از جامے برد منصور را

محتسب در خلوت اور دخت رز نابالغ است
گر شکستی شیشہ مشکن دانہ انگور را

ہمچو بیماری کہ ہر گز کسی نمی گردد برش
داشتی زانساں بہ تنہا نگہت رنجور را

بازیچہ بود کہ بہ اطفال می دہند
در دست جور رسیم برآں جان سخت ما

سر گرم گریہ ایم و بہ سیلاب دادہ است
ایں سیل ہمچو خس ہمہ سامان و رخت ما

چہ باشد گر فتد بر دامن او خاکم اے گردوں
بدست باد دہ یک دم عنان اختیار من

مبارک گر سر پا مالیم داری علے تر سم
کہ می ماند بخاک تفتہ گلخن مزار من

اگراز حسرت آغوش یک دم پردہ بردارم
چو بوے گل روی از خویش و آئی در کنارمن

ایں راست قامتی ز کجا و تو از کجا
اے سرو سر کشیدہ تو بالاے کیستی

رخ زرد و آہ سرد جگر داغ بہر چیست
نگہت بمن بگو کہ تو شیداے کیستی

ریختہ

ہم صاحب احتیاط ہیں زاہد نہ کر تو منع
کرتی نہیں ہے اپنے تو دامن کو تر شراب

بیداری اور خواب ہیں یاں جمع ایک جا
رکھتی ہے تیری آنکھوں میں کیا کیا اثر شراب

اچھا ہوا کہ آنکھوں سے خوں ہو کے بہہ گیا
مدت سے ایک آفت جاں تھی بلائے دل

جھگڑا ہی مٹ چکا تھا فلک کا پہ ضعف سے
لب تک مری پہنچنے نہ پائی صدائے دل

نگہت کے خو دبہ خود کے الجھنے سے ہے یقین
آتے کسی طرف سے ہیں اپنا لٹائے دل

....

نگہت

نگہت تخلص، مرزا نیاز علی بیگ۔ خاندان شرافت اور دودمان نجابت سے تھا۔ چہرہ اس کا کتب اخلاق کی فہرست، لب اس کا مصحف مروت کا مفسر، مزاج میں مزاح اور عین حالت انقباض میں انشراح، فن سخن کو شاہ نصیر مرحوم سے کسب کیا تھا۔ سکندر نامہ زبان اردو میں نظم کیا اور اس میدان میں اپنی حد سے قدم باہر رکھا ہے۔ جو کہ فراخ رو اور کشادہ دست تھا۔ ذخیرہ سابق نے کفایت نہ کی۔ ہر چند پاؤں ضرب شدید پہنچنے سے ایسا بے کار ہو گیا تھا کہ راہ نوکری اور عرصہ چاکری میں لائق دوا دو نہ رہا تھا، اس نسخے کو وسیلہ قدر شناسی سمجھ کر لنگ لنگان سفر لاہور اختیار کیا۔ اس وقت وہ زمانہ تھا کہ راجہ شیر سنگھ پسر راجہ رنجیت سنگھ حکومت موروثی پر متمکن تھا۔ ایک قصیدہ اس کی مدح میں گذرتا، اتفاق تقدیر سے اس کو پسند آیا اور اس متوقع کرم کو قدر دانی کا

امیدوار کیا۔ دم اقامت تک خوراک کے نام سے اس قدر مقرر کیا کہ غالبا اور متوقع معاش کے واسطے مشاہرے کے نام سے مقرر نہ ہوتا اور رفتہ رفتہ اس کے دل میں ایسی جگہ ہوگئی کہ ہنگامہ سیر وشکار بھی اس کی رفاقت سے خالی نہ تھا۔ اس امر میں لنگی، پا کا عذر لنگ تھا۔ یہ سمجھے کہ شاید آسمان اب راہ صلح میں گام زن اور بے مہریوں سے دست بردار ہوا۔ لیکن غافل تھے کہ وہ پلنگ خوگرگ آشتی سے پیش آرہا ہے۔ ایک روز وعدہ واثق درمیان آیا کہ کل فلانے باغ میں دربار کے وقت مرزا صلہ نمایاں سے کامیاب کیا جاوے اور واقعی دوسرے دن وہی باغ اس کے ہوائے اقبال اور نسیم حضور سے شگفتہ ہوا۔ حضار دربار دست بستہ موجود اور جناب نگہت بوے گل کی طرح ارباب مجلس کے لیے لخلخہ مشام اور اسباب صلہ حرص وآز کے حوصلے سے زیادہ مہیا۔ اس طرف بہانہ جوئی کرم قصیدہ خوانی کی منتظر اور اس طرف جنبش لب اجازت سخن کی توقع۔ ناگاہ ایک غلغلہ عظیم پیدا ہوا اور ایک شور محشر نما برپا۔ آنکھ اٹھا کر کیا دیکھا کہ مسند ریاست خون داور وقت سے ایسی سرخ تھی کہ زمین قصیدہ معانی بہار سے ایسی رنگین نہ ہوگی۔ راہیں مسدود ہوگئیں اور دروازہ بند اور قاتل کی تلاش ہونے لگی۔ نگہت بوے گل کے مانند بے خود ہو گئے اور ان کو باوجود شکستہ پائی کے یہ مضمون سوجھا کہ جس طرح سے ہو اس مجلس سے نکلنا چاہیے۔ قلم رو سخن میں نسیم وصبا کو قاصد بناتے تھے۔ ممالک پنجاب میں وہ صبا کے دوش پر سوار ہو کر راہی ہوئے۔ جب یہ ہنگامہ فرو ہوا اور نونہال سنگھ مسند پدر پر جاے گیر ہوا۔ یہ برگشتہ بخت پر پاؤں رکھ کر شاہ جہاں آباد کی طرف راہی ہوا اور تا دم مرگ خانہ نشینی میں بسر کی۔ اس عرصے میں ایک فرہنگ مصطلحات زبان اردو میں پچاس ساٹھ جزو کے قریب مرتب کی۔ عرصہ کئی سال کا ہوا کہ گلشن جناں میں چوں بوے گل خرام نازمیں مصروف ہے۔ چند شعر اس کے نتائج طبع سے انتخاب ہو کر مرقعم ہوئے:

کھیلتا ہے ساقیا گر تو بط مے کا شکار

تو لب دریا بتا موج مئے احمر سے دام
ترحم کب کسی پر یہ ستم آثار کرتے ہیں
نمک اس پر چھڑکتے ہیں افگار کرتے ہیں
لگا ہے جب سے دل اس شوخ ہر جائی سے اے ہم دم
طبیعت ایک دم اپنی نہیں اب ایک جا لگتی
نہ لگتا دل گر اس زلف سیہ سے تیرہ بختوں کا
تو کیوں بیٹھے بٹھائے ان کے پیچھے یہ بلا لگتی
نصیحت دل لگے پر خوش نہیں آتی ہے اے ناصح
خدا کو اے بندے خدا کے، کہہ خدا لگتی
ہم نے چاہا تھا کہ سا وخت رز کو منہ لگائیں
ہم سے یہ مراد بر وقت تپاک اڑنے لگی

....

نوا

نوا تخلص قدرت اللہ مرد عمر رسیدہ اور معلم الصبیان ہے۔ یہ شعر اس کا سنا گیا:

ہم نے مانا کے بھی کہ محشر میں ملے گی دل کی داد
پر یہ حیراں ہیں کہ کس منہ سے کریں فریاد ہم

....

نواب

نواب تخلص، سلالہ خاندان سیادت، میر نواب، ساکن بلدہ بنارس متبنائے، جناب مرزا خورم بخت مرحوم ساکنین شہر مزکور کی نظر میں عزت و اعتبار سے بسر کرتا ہے۔ شیخ امام بخش ناسخ کی شاگردی کے ساتھ مشہور اور سخن سنجان بنارس کی زبان پر بہ حرف استادی مذکور ہے۔

یہ دو شعر اس کے یاد تھے:

پیکاں ہر ایک غنچہ ہے بند اس کی آنکھ میں
نشتر ہے باغ میں مجھے نالہ ہزار کا
اپنی برہنہ پائی ہے ہر آبلے کو آج
کیا کیا مزا ملا خلش نوک خار کا

....

نورِ حق

نورِ حق قدرہ و سالکان منازل کمال، جامع صفات جلال و جمال شریف خاندان مجد و علا، فخر دودمان اعتلا، صاحب پایۂ گاہ جلیل شاہ محمد جمیل سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس قدسی نژاد اقدس بنیاد کے عالی خاندان کا ذکر زبان کا شرف اور انفاس کا افتخار ہے اور اس کی والا دودمانی کی۔ ستایش وصاف کا موجب سعادت اور مداح کا منشاے اعتبار۔ جدامداس کے حضرت عالم گیر اورنگ زیب کے حسب طلب زمین بخارا سے وارد کشمیر ہو کر منصب پانصدی زات سے ممتاز اور آثار شریف کی حفاظت اور صیانت کے عہدے سے سرفراز ہوئے۔ ان کے بعد خواجہ عطاء اللہ اور میر خواجہ پسر بعد از پد اسی منصب پر قیام اور اسی عہدے کا سرانجام کرتے رہے۔ پھر خواجہ محمود اگر چہ ایک زمانہ ممتد تک اس منصب سے ممتاز رہے لیکن آخر کار اس کو خلل پذیر دیکھ کر حضرت دہلی تشریف لائے اور گو کہ حصول جاگیر سے کامیاب نہ ہوئے۔ اعانت خرچ سے محروم نہ رہے۔ اس کے بعد خواجہ جلیل پدر بزرگ وار شاہ محمد جمیل کے شاہ زادہ کام گار مرزا حاجی کی تحریک سے کہ مرزاے ممدوح کا خلف اور خلق اور مروت میں یادگار سلف تھا۔ علاقہ مختاری سرکار موصوف سے امتیاز پایا۔ چند مدت کے بعد شاہ محمد جمیل عین ایام شباب میں پدر والا تبار کی طلب سے روانہ بنارس ہوئے۔ اتفاقاً ابر رگ نے داعیان قضا کے تقاضے سے نقد زندگانی کو محصلان اجل کے سپرد کر دیا تھا۔ یہ جس

روز بنارس میں پہنچے فاتحہ سیوم کا سرانجام بر سر دست تھا۔ خدا کی قدرت ہے کہ وہ علاقہ ان کے انتقال کے بعد ہی اور کے نام پر مقرر ہو گیا اور اس مستحق رعایت کے حق میں تواضع خشک کے سوا کچھ ظہور میں نہ آیا۔ ناچار دل برداشتہ ہو کر اپنی سعی و اجتہاد سے سرکار انگریز میں روزگار معقول بہم پہنچایا لیکن کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ جذبہ دل رہبر ہوا اور علاقہ دنیا کو توڑ کر مسند فقر کو مزین اور خانہ نشیں ہو کر ایک گوشہ عافیت معین کیا۔ اوائل عمر میں کہ نہ چنداں عقل معاش کو سررشتہ جزرسی کا حاصل تھا اور نہ عقل معاد کو تمیز نیک و بد کا جہد کامل، بعض رمز شناساں فیض باطن کے اشارے سے مولوی قطب الدین مرحوم ابن جناب جنت مآب مولانا و مرشدنا مولوی فخر الدین کے دست حق پرست پر بیعت کی لیکن اس سرمنزل میں مقصود کا سراغ ہاتھ نہ لگا اور سرزمین فیض آگیں مارہرہ میں جا کر حضرت افادت مرتبت شاہ آل احمد کی خدمت بابرکت سے کہ زبان عوام پر اچھے میاں کے نام سے مذکور تھے، شرف بیعت حاصل کیا اور فیض نامتناہی بہم پہنچایا، حتیٰ کہ سلسلہ خاندان چشتیہ و قادریہ و سہروردیہ و نقشبندیہ و مداریہ کے سلسلوں کی اجازت حاصل کی اور تکمیل نفس کے بعد پھر حضرت شاہ جہاں آباد میں وارد ہوئے اور جناب غفران مآب محمد نصیر محمدی نواسہ خواجہ میر دردؔ کی خدمت میں پہنچے۔ اس جناب نے جب وہ استعداد کامل پائی۔ اپنے خاندان کے فیض سے محروم نہ رکھا اور مجددیہ سلسلہ نقشبندیہ و قادریہ کے اجازت کی خلعت سے مخلع کیا۔ اب تک وہ ہی فیض طالبان رشد و ہدایت کی تکمیل کا وسیلہ اور سالکان جادہ طلب کی رہ نمائی کا ذریعہ ہے۔ گاہ گاہ فکر شعر کی طرف بھی متوجہ ہیں اور استادی مولائی مولوی امام بخش صہبائی سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ شعر کہ ان کے نتائج ذہن وقاد سے ہے۔ اس مدعا پر دال اور اس دعوے کا شاہد ہے:

کیا عجب گر یہ فروغ سخن آرائی ہے
نور حق تو بھی تو اک ذرہ صہبائی ہے

سر رشتہ طول کلام کوتاہ کر کے چند شعر اس تقدس نہاد کے کلام معجز نظام سے درج تذکرہ کرتا ہوں:

حجاب خودی اٹھ گیا جبکہ دل سے
تو پردہ کوئی پھر نہ حائل رہے گا

ہجر میں تو آرزو ہے دیکھیے ہ دم اسے
اور جب دیکھوں تو ہو جاتا ہوں میں تصویر سا

یہ پاس خاطر اغیار ہے اسے کہ وہ شوخ
بٹھائے ہے مجھے محفل میں اپنی سب سے دور

آنکھ اٹھا کر کون دیکھے جلوہ حوراں خلد
نو رحق خوگر ہیں آنکھیں اور ہی دیدار سے

رباعی

دنیا میں ہو اعدم سے آنا اپنا
اور آکے ہوا نہ یاں ٹھکانا اپنا
نے جانے کی راہ ہے۔ نہ رہنے کی جگہ
دشوار ہو اہے منہ دکھانا اپنا

ایضا

تاحق کے ہیں تجھ کو مجھ سے فکر و حیلے
دل پہلے لے لیا ہے اور اب جی لے
سیتا تو ہوں ، نام حق پہ بے تابی سے
ہو جاتے ہیں زخم دل کے ٹانکے ڈھیلے

....

نیاز

نیاز تخلص، محمد نیاز علی ولد پیر جی محمد مبارک علی، ساکن قصبہ بچھراؤں، ضلع مراد آباد، بزرگ اس سعادت منش کے مشائخ کبار سے تھے اور اس نونہال کی پیشانی سے خورد سالی میں سعادت و رشد کے آثار ظاہر و آشکار ہیں۔ یہ اشعار اسکے نتائج طبع سے ہیں:

سوائے ایک صدا کے نہ دوسری آئی
ہر ایک گھر پہ ہر اک در پہ میں پکار آیا
سر گرم فغاں شب دل ناشاد و حزیں تھا
شعلہ مری آہوں کا جو تھا عرش نشیں تھا
دوری میں نیاز اس کی کہوں کیا کہ مرا دل
کس درد، کسی اندوہ، کس آفت کے قریں تھا
برباد ہو کے یار کے دل میں ملی جگہ
آباد کر گئیں مری بربادیا مجھے
صحرا سے کوہ کوہ سے کونے نگار میں
لایا ہے یہ جنوں بھی کہاں سے کہاں مجھے۔

....

نیر رخشاں

نیر رخشاں تخلص، فارس مضمار اقبال، یکہ تاز عرصہ جاہ جلال، جرہر تیغ شہامت، صافی آئینہ دولت، زور آزمائے محارک ہمت بلندی، معرکہ آرائے مصاف عدو بندی، نواب والا دودمان محمد ضیاء الدین خان بہادر۔ خلف الصدق نواب گردوں اقتدار دشمن شکار زبدہ نوئینان، جہاں احمد بخش خاں بہادر مرحوم والی۔ فیروز پور جھرکہ۔ آسماں پایگی کو اس کی جاہ سے بلندی اور محیط سرمایگی کو س کی بہ دولت ارجمندی۔ آفتاب اس کے ضمیر سے گنگینہ نور اور انگ آستاں اس کے نقش قدم سے

ہم رتبہ طور۔ ذات جامع فضل و افضال، صفات مستجمع جلال و جمال۔ فروغ اقبال سے اگر زمین پر نظر ڈالے۔ پستی کو آسمان بنا دے اور ذرے کو خورشید درخشاں اور گرانی حلم سے اگر کوہ پر قدم رکھے۔ پشتے کو مغاک کر دے اور سنگ کو خاک۔ تواضع اور فروتنی کا یہ حال کہ گویا زلف نے شکست کو اور ابرو نے تسلیم کو اس سے وام لیا ہے اور خلق ومروت کا یہ طور کہ غالبا گلنے طیب انفاس اور بحر نے دریا دلی کو اسی سے حاصل کیا ہے۔ اہل انصاف جانتے ہیں کہ سن جوانی میں کمالات پیری کو بہم پہنچانا اور موسم گل میں لذت ثمر سے شیریں کام ہونا ترقیات روز بہ روز پر دال ہے۔ علوم رسمی کو تحقیق اور تدقیق سے حاصل کیا اور علم ادب میں ید طولیٰ بہم پہنچایا۔ کتب سیر کے مطالب ایسے معلوم ہیں کہ آدم سے دم تک واقعات گزشتہ ارباب معاملہ سے زیادہ ملحوظ اور سرگزشت عالم مخطورات ضمیر سے زائد منفہوم ہے۔ میزان سخن سنجی میں پایہ ہنر گراں سنگ اور بہار معنی نگاری میں گل برگ اوراق۔ سیر رنگ، مشق شعر کو مرزا اسد اللہ خاں غالب تخلص کی نظر تربیت سے کمال کو پہچایا اور حریفان زبان دراز کا سر خاک پر جھکایا۔ لطف سخن سے اہل فہم کی زبان حرف تحسین سے خاموش نہیں ہوتی اور خوبی کلام سے ارباب کمال کی طبیعت جادہ اشتیاق میں کاہل کوشش نہیں ہوتی۔ اس نامی کا جزو اول کا شانہ ابیات فارسی کو فروغ آفتاب کا مخزن کرتا ہے ار جزو ثانی شبستان اشعار ہندی کو جوں پرتو مہتاب روشن، یعنی فارس سے ہند تک اسی نام بلند مقام کے زیر نگیں ہے اور ان دونوں قلم رو کے نقد سرہ پر اسی کے نام کے سکہ مربع نشیں۔ جو کہ نیر ذات ہے اور رخشانی اور فروغ لوازم اور صفات گویا توجہ ریختہ کی طرف بالعرض ہے اور فارسی کی جانب بالذات۔ جو کہ میرے قلم کی زبان اس کے ذکر محامد میں حرف عجز سے آشنا ہے اور اسی کا کلام اس کے کمال کی مدح میں کما حقہ گویا، چند شعر فارسی اور ریختہ سے ذخیرہ کتاب ہوئے ہیں کہ لا احصی کا عذر اور انت کما اثنیت، کی وجہ خاطر نشین احباب ہو جائے:

بکن هلاک که شادم به ناروای، خویش
بروے من مکشا چشم اعتبار مرا
نمو تیره چو شب روے روشنان سپهر
بخاک سای سر نخوت غبار مرا
دلش بسوخت چو برکار هاے بے مزدم
وفا نتیجه به از مزد داد کار مرا
نمود سعی به لے بر گئی من و خلجلم
به کیسه نیست چو پا مزد روزگار مرا
اگر نیامدن دوست ماتے دارد
سفید بهر چه شد چشم انتظار مرا
سرے و شور نشور ولبے و نفخه صور
فلک ز پهلوے تیر نگاه دار مرا
خوش می برد بخواب عدم قصه مختصر
افسانه درازی، شب هاے تار ما
در شبستان سینه از تپ غم
شمع روشن بر استخوان من است
گر ستم ور کرشمه افزوں باد
هر چه بر من ز دلستان من است
نشاند ز سوز جگرم دوش بر خود
خواهم که به خنجر بشگافم جگر خود
پیچیده غبارم به هو ادر گزر دوست
آں به که زنم آب هم از چشم تر خود

چوں آمدہایم از عدم آسان بود اکنوں ے
پیمو دن راہے کہ بود بے سپر خود
نیر گزر از رشک بہر نامہ دشمن
تا دوست بدیں وجہ نراند ز در خود
دست در غارت کالاے خودم بکشودند
بہر ایں گرمی بازار دکانم دادند
رشک بر دامن من تابرد دامن دہر
خامہ ہم چوں مژہ خونناب فشانم دادند
روش دھر بیک گونہ نباشد نیر
نہ چنیں بود کہ ہست و نہ چنانست کہ بود
تا نقاب از روے چوں خورشید او برداشتم
دیدم آں دولت کہ چشم از چرخ و اختر داشتم
آں دم کہ بخش چشم ووہاں کرد روزگار
خندیدن ا زتو بودہ و از ماگریستن
تازنم آتشے بچرخ آہمرا شرار کو
تا دہم ایں جہاں بہ آب دیدہ اشکبار کو
تا تو ستیزہ آوری من رہ عجز بسپرم
جور ترا کراں کجا، شعق مرا کنار کو
دیدہ چوں مردہ بہ ناچاری من رحم آورد
صورت زندگی از مرگ بتر بایستے
ہست آویختہ زلف کسے می شنوم
از دل زارم ازیں بیش خبر بایستے

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

پردہ دل گر کشودمے چہ غمستے
لالہ ستانے نمودمے چہ غمستے

رباعی

از کوری، خود بروز انور عقرب
نیشے زدہ بپاے نیر عقرب
بر مہ رسد از تو چشم زخمی نہ بمہر
من نیر اعظم نہ اصغر عقرب

ریختہ

ممنوں نہیں ہے برق و سموم و شرار کا
رکھتا ہے حکم جلنے میں عاشق چنار کا
جب اپنے شغل سے دل خونیں نہ باز آئے
پھر کیا گناہ دیدہ خونابہ بار کا
آنکھوں میں بوالہوس کی کھٹکتا ہوں مثل خار
احسان ہے یہ مجھ پہ مرے چشم زار کا
گر انتہا نہیں ستم و جور یار کو
شوق زیادہ جو کہ مرے بھی گراں نہیں
ہے دوست صدق دشمن و دشمن دروغ دوست
کیا رشک صلح جس میں صفا درمیاں نہیں
نکلے آنکھوں سے وہیں جذب ہوئے دامن میں
بجز اشکوں کے کوئی گوہر نایاب نہیں
پیری و مفلسی میں نہ لو نام مے کہ اب
لطف ارتکاب میں ہے نہ اجر اجتناب میں

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

پی کے گرنے کا ہے خیال ہمیں
ساقیا لیجیو سنبھال ہمیں

شب نہ آئے جو اپنے وعدے پر
گزرے کیاکے نہ احتمال ہمیں

تیرے غصے نے ایک دم میں کیا
مردہ صد ہزار سال ہمیں

طالع بد سے نیر رخشاں
اپنے ہی گھر میں ہے وبال ہمیں

کیا پہنچے تو ، فرشتے کا جس جا گزر نہ ہو
بیت الصنم ہے شیخ، خدا کا پہ گھر نہ ہو

رخشاں جو آتے آتے ابھی رک گئے ہیں اشک
آنکھوں میں آ گیا کوئی لخت جگر نہ ہو

کر کے نومید ہمیں قتل سے پہلے یکسر
خون رلوا چکے کیا خون کا دعویٰ کیجے

چاک یکسر مرا گریباں ہے
دل کا محضر مرا گریباں ہے

سینے کا چاک کرنا سکھلایا
میرا رہبر مرا گریباں ہے

بو الہوس اور بھی مرنے کی کریں گے خواہش
لے کے گل قبر پہ رخشاں کی نہ آیا کیجے

....

باب الواو

واحد

واحد تخلص شیخ عبدالواحد، شہر شاہ جہاں آباد میں رہٹ کے کوئیں کے حوالی میں ساکن اور حکیم آغا جان عیش تخلص کا شاگرد ہے۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں:

مونس اپنا عشق میں سمجھا واحد دل کو میں
پر مرے پہلو میں وہ بھی دشمن جاں ہو گیا
بے تاب ہو کے شوق میں سب راز کہہ دیا
واحد ستم کیا یہ دل بے قرار نے
پوچھتے کیا ہو اسیران قفس کا احوال
بال و پر نکلے نہیں تھے کہ گرفتار ہوئے

....

وارث

وارث تخلص، شاہ وارث الدین، مخاطب بہ زمرد رقم خاں، حضرت کرامت مظہر شیخ فریدالدین شکر گنج کی اولاد اور مشائخ پاک طینت صافی نہاد سے تھا۔ کمالات ظاہری اور باطنی کے حلیے سے آراستہ اور زیور قابلیت سے پیراستہ، خط نستعلیق اور نسخ اور تعلیق اور ریحان اور شفیعا اور شکستہ اور گلزار میں علم یکتائی بلند اور استادی، عالم گیر ثانی نے اس کے مرتب کو ارجمند کیا تھا۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہے:

ہم نے کیا کیا نہ ترے ہجر میں اے یار کیا
سینے کو داغ اور آنکھوں کو گہر بار کیا

وجاہت

وجاہت تخلص، احمد علی ولد احمد نور خاں مرحوم، قوم سے افغان اور ساکن قدیم رام

پورا اور فن شعر میں شاگرد محمد حیات خاں حیات تخلص ہے مرد خوش خلق اور نیک نہاد اور صاحب طبع حلیم و ذہن مستقیم ہے۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہیں:

آب بر نقش زیست یہ وجاہت ہے
کا باطل نقش آئے یقین کیا

دیکھ کو خمدار ابروے خوں ہے اجائے ہو دل
دیکھ کو یار مژہ میں جگر ہے لگتا تیر

....

وجود

وجود تخلص سید محمد علی ساکن بنارس، ہزل گوئی میں مزبان اس کی وا اور سلسلہ اس کی شاگردی کا صاحب قراں تک پہنچتا ہے۔ تذکرے کی ضرورت سے یہ ایک شعر مرقوم ہوا:

....

وحشت

وحشت تخلص، خاندان وال دودمان، غلام علی خان۔ شرافت کو اس کے نام سے عظمت اور نجابت کو اس کی ذات سے کرامت۔ حلم اور بردباری اور مروت میں بے عدیل اور ایجاد معنی اور ابداع سخن اور جودت فکر میں بے نظیر، مشق سخن مومن خاں مومن تخلص مرحوم سے کی ہے اور خوش فکری کو حد کمال تک پہنچایا۔ یہ اشعار اس کے افکار گوہر نثار سے ہیں:

اے ہوں سناتا کی صہبا حرمت آیتیں
کا آشامی مے کی رقیبوں کے سن سن ذکر

کی آپ الفت کے گئی بڑھ کے عدو میں دل
نہیں کرم و لطف سے پہلے میں دنوں ان کچھ

بے تکلف آئے وہ بہر تماشا وقت نزع
کام آساں ہو گیا یاں مردن دشوار سے
نالہ میرا روز و شب سن سن کے عادت ہو گئی
اہل عالم اب نہیں مرنے کے بانگ صور سے

....

وحشت

وحشت تخلص، میر حبیب احمد، خلف زبدہ مشائخ کبار، میر مشتاق احمد، نوجوان خوش ترکیب، خوش مزاج فن فارسی سے بقدر ضرورت آگاہ ہے۔ شعر ریختہ ہر چند کم کہتا ہے لیکن اچھا کہتا ہے۔

آخر اپنا بھٹک کے غبار
ایک دن اس کے در پہ آ ہی رہا
آپ ہی رک رک کے مر گیا آخر
حال وحشت کا کچھ چھپا ہی رہا
خانہ خراب نالہ وہ زاری سے باز آ
ہر دم کی ہائے ہائے میں اے دل اثر نہیں
چلو اے حضرت دل اب کرو کچھ اور فکر اپنا
کہاں ہے اب دماغ اتنا کہ سہویں ناز خوباں کو
شغل واں اس کو مے کشی کا رہا
زہر کے گھونٹ یاں پیے ہی بنی
اس کے ہتھم ہتھم کے گھر کے آنے پر
ہم کو رک رک کے جاں دیے ہی بنی
جو نہ سنتا تھا وہ سنا ہم نے

جو نہ کرنا تھا وہ کیے ہی بنی
دل کی خانہ خرابیاں وحشت
عاقبت سر پہ دھر لیے ہی بنی

....

وحشت

وحشت تخلص، شاہ زادہ، بلند، مرتبت، صاحب تمکین، میرزا کبیر الدین۔ متانت وضع اور حسن اخلاق اور فرط مروت اور کثرت حلم میں شہرہ روزگار ہے۔ شیخ ابراہیم ذوق سے مشق سخن کی ابتدا کی تھی اور مرزا رحیم الدین حیا سے اس کمال کو انتہا تک پہنچایا۔ یہ اشعار اس کے کلام معجز نظام سے انتخاب ہوئے:

وہ بے وفا وہ امید تسلی، شب غم
خیال یہ دل مضطر تر کدھر آیا
کون سے فتنوں میں ہے فتنہ محشر ظالم
سیکڑوں فتنے ہیں ایسے تری رفتار کے پاس
ناحق کے ظلم و کاوش بے جا سے کیا حصول
لوگے ستا کے کیا کسی خانہ خراب کو

....

وزیر

وزیر تخلص، خواجہ وزیر، متوطن خاک مینو آئین لکھنو، مرد کبیر السن اور ریختہ گویان قدیم سے ہے۔ یہ شعر اس کا سنا گیا:

خاک ساری ہے فقیری میں بھی مشکل ورنہ
پیرہن مٹی میں کس کو نہیں رنگ آتا ہے

....

وصال

وصال تخلص، حکمت مآب، فضائل اکتساب، سلالہ اماجد کرام، زبدہ افضل عظام ،قدوہ اکابر آوان، حکیم نصیر اللہ خان سلمہ الرحمان، خلف جناب مستطاب غفران پناہ، مغفرت دست گاہ، یگانہ آفاق حکیم ثناء اللہ فراق ۔جناب حکمت مآب موصوف کے اوصاف حمیدہ او اطوار پسندیدہ اگر بیان کیے جائیں تو نہ زبان تا رکھتی ہے اور نہ کتاب گنجائش ۔قامت استعداد اس جناب کا حلیہ علوم عقلیہ اور نقلیہ سے آراستہ۔ حدیث ،فقہ و اصول و حکمت و ہندسہ و حیئت کو مولانا و مخدومنا مولوی رفیع الدینؒ کہیں برادر جناب جنت ماب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے تحصیل اور علم طب کو حکیم کامل اور طبیب فاضل حکیم شریف خانؒ و الغفر ان سے کسب کیا۔عقل باور نہیں کرتی کہ یہ حدس صائب درگاہ حکیم علی الاطلاق سے کسی اور کو عطا ہوا ہو۔ بیماری چشم نرگس اور جوش خون لالہ کی علت کا دریافت کرنا ایک امر سہل ہے۔صبا اگر ان کے شفا خانے میں چلے دل صنوبر کو خفقان سے نجات دے اور اگر نسیم ان کے دستور العمل کے موافق کام کرے۔شکم غنچہ کو نفع سے بچالے۔طلاء شبنم اگر ان کی تدبیر سے ہوتا، رگ گل میں خون نہ مرتا اور اگر نخلخہ گل ان کی تجویز سے عمل میں آتا تو بلبل کا مرض دماغ اتنا طول نہ پکڑتا، ان کمالات سے قطع نظر اوقات شبا روزی میں بیش تر عبادت و طاعت میں مصروف اور اکثر احیان اسی امر نیک میں مشغوف ۔ایسا عالم باعمل عرصہ روزگار میں کم مشاہدہ ہوا۔موزونی، ذاتی اور مناسبت طبیعی سے گاہ گاہ فکر شعر بھی دامن گیر ہوتا ہے۔یہ اشعار ان کے افکار گوہر نثار سے ہیں:

جان من اضطراب اس دل کا
رشک افزا ہے مرغ بسمل کا
تھا سر اپنے بدن پہ بار گراں
میں ہوں ممنون تیغ قاتل کا

پھر تو قفس ہی خوب ہے اے مرغ ناتواں
پرواز جب کہ ہو نہ سکے آشیاں تلک

پھیریں گے منہ نہ ہرگز اس شوخ کی جفا سے
ہوگا یہی تو آخر مر جائیں گے بلا سے

کس کس سے جاں بچاؤں حیراں ہوں الٰہی
چشمک سے ، شوخیوں سے ، انداز سے ، ادا سے

....

وصل

وصل تخلص، نوجوان خوش اخلاق، سلیم طبع، محمد علی خان۔ خلف جناب کمالات انتساب حکیم نصر اللہ خاں وصال تخلص، اس سن و سال میں علوم رسمی سے فارغ التحصیل اور فن طلب سے کما ینبغی بہرہ مند۔ سچ ہے فرزند رشید ایسے ہی سعادت کیشان اہلیت شعار کو کہتے ہیں۔ فن شعر میں اپنے والد ماجد سے مشورہ کیا ہے۔ یہ اشعار اس کی طبع رنگین سے انتخاب ہوئے:

کیا مزہ اس دل مجروح کو حاصل ہوتا
اس کی شمشیر کے گر ساتھ نمک داں ہوتا

دشت پرخار میں جب ہم رہے بے دامن و جیب
چاک چاک اپنا نہ کیوں کر تن عریاں ہوگا

گر لکھوں حال دیدہ تر کا
مثل دریا ہو حال دفتر کا

حیف جس میں کہ نامہ باندھا تھا
گر پڑا پر وہی کبوتر کا

ظلم اس سنگ دل کے بس کے سہے

بن گیا اپنا دل بھی پتھر کا

ناتوانی سے میں حیران ہوں بیٹھا اس طرح
جیسے دیوار سے جاوے کوئی تصویر لگا

بوسے تو اپنے لب کے ہمیں پانچ چار دے
ساتھ اس کے گالیاں بھی اگرچہ ہزار دے

محفل اغیار میں مجھ کو بلایا آپ نے
فتنہ کیا بیٹھے بٹھائے یہ اٹھایا آپ نے

....

وفا

وفا تخلص، میر حیدر علی مرثیہ خواں، اپنی خوش آوازی سے الحان داؤدی کو دل سے بھلا دیا اور تاثیر انفاس سے پتھر کو موم بنا دیا۔ مصیبت زدگان کربلا کا ذکر اگر اس زاکر با اخلاص کی زبان سے سنتا، یزید اپنے افعال سے تجل اور شمر اپنے کردار سے منفعل ہوتا۔ گاہ گاہ موزونی سخن کی طرف بھی عنان توجہ معطرف ہوتی ہے۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں:

خاک پہنچائی نہ میری کبھی اس دامن تک
اے صبا تو نے اڑا کر اسے برباد کیا

ہم تھے مشتاق شہادت اور وہ خنجر بہ کف
قتل کرنے میں ہمارے پھر تامل کیوں ہوا

دشمنوں سے مل مل کر خاک میں ملاتے ہو
خاک دوستی کا ہو آپ پر گماں اپنا

ولی

ولی تخلص، شیخ ولی محمد خلف شیخ منگلو، وطن اصلی اس کا سیالکوٹ اور مولد اس کا

شاہجہاں آباد، والد ماجد اس کا نواب نجابت علی خاں مرحوم والی۔جھجھر کی سرکار میں عہدہ کرنیلی سے سرفراز اور اقران و امثال سے ممتاز تھا اور یہ بزرگ منش عہد طفولیت سے اب تک نواب بہادر جنگ خاں بہادر ولی، بہادر گڑھ کی سرکار میں اعتبار و جاہ سے بسر کرتا ہے۔کبھی عہدہ کوتوالی اور کبھی ندیمی اور مصاحبت سے سربلند ہو کر اخوان روزگار کیا بلکہ آقائے قدر شناس کی نظر میں عزت و وقار رکھتا ہے۔عمر پینتالیس چالیس برس کی ہے اور فکر سخن ہنوز جوان ہے۔سخن کی مشق شاہ نصیر مرحوم سے کی اور بہ سبب کم فرصتی کے ترتیب دیوان ہنوز صورت پذیر نہیں ہوئی۔راقم کو یہ تین شعر اس کے یاد تھے:

کیوں کہ بتلاؤں نشاں تجھ کو ستم گر اپنا
عالم خانہ بدوشی میں کہاں گھر اپنا

رتبہ تھا کیا قمر کا جو کرتا وہ ہمسری
جب آفتاب رخ کے برابر نہ ہو سکا

کشتہ جو تری نرگس فتاں کا ہے اے شوخ
زندہ وہ کبھی عیسی مریم سے نہ ہوگا

....

باب الہا

ہادی

ہادی تخلص، مرزا غلام فخر الدین بہادر خلف الصدق، مرزا، خجستہ بخت بہادر مرحوم، ابن حضرت فردوس منزل شاہ عالم بہادر مغفور۔ حکیم آغا جان عیش سے تلمذ اور طبع سلیم اور ذہن مستقیم رکھتا ہے۔ یہ شعر اس کا یاد تھا:

آیا نظر وہ مہر لقا تین دن کے بعد
روشن یہ قصر چشم ہوا تین دن کے بعد

....

ہاشمی

ہاشمی تخلص، محمد نادر حسین خان، صاحب شوکت و جاہ، دولت و اقبال پناہ، بلند مرتبت، جلیل منزلت، حلم اس کی طبیعت میں جاگزیں، وقار اس کے اوضاع سے ہم نشیں۔ گل زمین کالپی میں رئیس کامگار اعظم الدولہ نصیر الملک نواب محمد حسین خان بہادر دام اقبالہ کی سرکار فلک مدار میں عہدہ نیابت سے سرافراز اور اخوان روزگار سے بیشی، مراتب اور افزونی، مدارج میں ممتاز ہے۔ اقبال جاہ اس کا رفیق جانی اور علم و فضل اس کا خاندانی ہے۔ پدر عالی وقار اس کا شیخ فرخ حسین حرماں تخلص میدان شاعری اور عرصہ انشا طرازی میں شہ سواران کمال سے قصب السبق لے گیا تھا اور رئیس ممدوح اور اس کے والد ماجد مغفور ناظم الدولہ نواب امیر الملک بہادر ظفر جنگ جنت آرام گاہ کی استادی کے شرف سے مشرف تھا۔ یہ چند اشعار اس صاحب مرتبہ عالی کے اشعار سے انتخاب ہوئے:

اس سنگ دل سے آج ملاتا ہوں اپنا دل
شیشہ مرا مقابلہ کرتا ہے سنگ کا

فاتحہ خواں ہوں روح مجنوں پہ

کا برادر پہ حق برادر ہے
مجھ کو کرتا ہے کب شکار وہ شوخ
کون خواہاں ہے صید لاغر کا
ہاشمی دیکھیے کیا پائے قرار آخر کار
عشق اور عقل میں دن رات ہے جھگڑا ہوتا
یہ راز عشق چھپے کس طرح کہ ان روزوں
ہمارے بس میں دل خانماں خراب نہیں
لوٹی جو میں نے زلف و رخ یار کی بہار
بگڑے ہے شانہ آپ کو، آئینہ آپ کو
جب ہاشمی دیکھ تجھے حیران ہی دیکھا
سچ کہہ ہے تعلق تجھے کس آئنہ رو سے
دو مجھ کو سیر گل کی نہ تکلیف دوستو
وہ دل نہیں رہا ، وہ طبیعت نہیں رہی
واشد مرے دل کی کوئی ممکن ہے صبا سے
کھلتا ہے کہیں غنچہ تصویر ہوا سے
سرو اس قامت موزوں پہ فدا ہوتا ہے
رنگ گل دیکھتے ہی رخ کے ہوا ہوتا ہے
اس قدر کنج قفس مجھ کو خوش آیا ہے کہ اب
دل مرا نام رہائی سے خفا ہوتا ہے
عشق کے آغاز ہی میں تم کو ہے جوش جنوں
ہاشمی ہوتا ہے کیا انجام اسکا دیکھیے

....

ہجر

ہجر تخلص، مولوی محمد حسین، ساکن قصبہ جے پور۔ ایام خوردسالی میں گل زمین شاہجہان آباد میں وارد اور شدائد غربت اور مہاجرت اقارب کو اپنے نفس پر گوارا کر کے تحصیل علم وہنر میں سعی مشکور کو نصاب کمال تک پہنچایا اور روز وشب خدمت سراسر افادت جناب مولانا و بالفضل اولنا مولوی امام بخش صہبائی سے مشرف ہو کر زانوے تلمذ تہہ کیا، پردہ چشم کو اوراق کتاب سے کوک کے اور انفاس کو نتائج افکار بلغا کے واسطے گہوارہ بنایا۔ پیک فکر کو ایسا تیز رو کیا کہ راہ تنگ و تاریک عبارت کو پے سپر کر کے معنی، دشوار یاب کا سراغ جہاں سے مل سکا بہم پہنچایا۔ نہ رات کو رات سمجھا، نہ دن کو دن۔ رات کو خواب کا دشمن اور کتاب کو رفیق، جانا اور دن کو تعطیل کا عدو اور تحصیل کا صدیق۔ خلوت شب میں دود چراغ غذاے دماغ ہوتا تھا اور عرصہ روز میں عرق سعی گوشہ دامن کو گرداب کرتا تھا۔ جناب مولانا نے جب سعی اور شوق کو ہم آغوش پایا اور اخلاص تہ دلی اور اعتقاد خالص کو ہم دوش، شفقت پدرانہ مبذول کی اور تربیت فرزندانہ صرف۔ سچ ہے جب تک اپنی سعی اور استاد کی شفقت فراہم نہ ہوں۔ تحصیل کمال دائرہ امکان سے خارج ہے۔ چند روز میں فنون متداولہ میں دست گاہ کامل حاصل ہوگئی اور ہر کتاب سے ہر مقام کے غوامض نے اس کی فکر کے ساتھ ہم آغوشی کی۔ کتاب دانی میں کہ بے تائید الٰہی حاصل نہیں ہوتی۔ امثال واقران میں علم یکتائی بلند کیا، تحقیق لغت اور تفتیش مصطلحات میں اس قدر صرف اوقات ظہور میں آئی کہ چند مدت کے بعد تن خود ایک جلد کتاب ہو گیا اور دل ایک فرہنگ، جو کہ اصل طینت میں موزونی مخمر تھی۔ ایام طالب علمی میں باوجود توجہ تحصیل کے گاہ گاہ نقش باغچہ دل سے مثل سرو خود بخود موزوں ہو کر جلوہ گر ہو جاتا۔ لیکن اس امر کے توغل کو مشغلہ علوم کا مانع تصور کر کے کتاب سے صحبت اختیاری اور شاہدان معانی سے مہاجرت اضطراری کو واجب جانا۔ اگرچہ یہ شغل خطیر حسن طبیعت

اور جلوہ افکار کا پردہ پوش تھا۔ لیکن لمحہ ان پری وشوں کا رنگ ۔ شراب کی طرح شیشہ ضمیر سے بے اختیار چھلک جاتا اور جو کہ وہ ثمراۃ الفواد استعداد علمی کا دست پخت ہوتا۔ اہل سخن کے مذاق میں گوارا آتا تھا۔ جب تحصیل سے فراغت کلی حاصل ہوگئی، فکر و خیال کو شاہدان معانی کی مشاطگی پر مامور کیا اور اس فراغ بال میں سخن سنجی کو شغل ضروری سمجھ لیا۔ مراعات لفظی اور صحت محاورہ کے باب میں تو کچھ ہدایت کی احتیاج ہی نہ تھی، چستی، تراکیب اور گرمی، الفاظ اور رکری نشینی، معنی کہ بسبب کم مشقی کے اہل استعداد سے ان امور میں فروگذاشت ہو جاتی ہے۔ استاد معلی القاب کے التفات سے کم تر روزگار میں پایہ والا کو پہنچ گیا اور اہل روزگار نے طبائع عوام پر نظر کر کے استعجاب کا فرق چرخ بلند تک پہنچایا۔ طرفہ یہ ہے کہ جس قدر سرمایہ استعداد بڑھتا تھا اسی قدر اخلاص و اعتقاد فرزندانہ اس استاد شفیق تر از پدر کی خدمت میں ترقی پاتا جاتا تھا۔ جس زمانے میں شاہد اقبال سکھان بے دولت کا پایہ شباب سے فرود آ کر قدرے کہولت کی طرف میل کرنے لگا تھا۔ یعنی رنجیت سنگھ کی ممات کے بعد راجہ شیر سنگھ نے مسند حکومت پنجاب کو زینت دی، ایک تقریب حسن سفر لاہور کا سبب ہوئی اور چند سال تک وہ گل زمن اس کے قدوم بہار لزوم سے خرم و سرسبز رہی، شہرہ استعداد اور آوازہ فارسی دانی نے اصاغر و اکابر کے گوش کو ایسا پر کیا کہ نغمہ بلبل نوایان ایران کو خلوت قبول میں بار نہ رہا۔ پھر جذبہ آب خور کے تقاضے سے نشاط آباد دہلی چندے محل آسایش ہوئی، ہر چند روسائے شاہجہاں آباد گوارا نہ کرتے تھے کہ اس کی صحبت فیض اثر سے مہجور اور اس کے افاضے سے محروم رہیں لیکن کچھ آبش خور کے اقربا خصوصاً خدمت استاد شفقت نہاد سے مہجور کیا اور چرخ ناتواں بیں نے اس صحبت فیض بخش کو گوارا نہ کیا اور اس کی برات روزی دیوان والی، اندور پر لکھ دی۔ ناگریز یہ سفر دور و دراز کہ ایک ماہ تمام میں اتمام کو پہنچتا ہے۔ رر پیش آیا۔ اول قدر دانی جو اس رئیس ہنر شناس سے جلوہ گر ہوئی۔ یہ تھی کہ اپنی سرکار کے مدرسے میں سر

کردہ مدرسین مقرر اور ستر اسی روپے کا ماہیانہ اخراجات ضروری کے انصرام کے واسطے معین کیا۔ جو کہ حسن لیاقت ایسا جوہر ہے کہ کسی پردے میں چھپ نہیں سکتا۔ قریب زمانہ میں ترقی، مراتب نے جلوہ گری کی کہ مصاحبت وحضوری دربار اور استادی، راجہ عالی تبار ظہور میں آئی اور اس پر زمانہ نہ گزرا تھا کہ نظامت دیوانی کا عہدہ تفویض اور اڑھائی سو تین سو روپیہ مشاہرہ مقرر رہوا۔ اب تک وہی مسند اور کے وجود سے مشرف اور خوش سلیقگی اور نیک طینتی کے ذریعے سے داد دہی کا آواز گنبد فلک میں بلند ہے۔ اس کثرت اشغال پر تدریس طالبان کمال اور فکر انشائے نظم بھی دامن گیر ہے۔ بیش تر خطوط ورسائل کے وسیلے سے وہ افکار گوہر نثار جناب استاد کی خدمت میں پہنچتے ہیں اور کثرت حاضر باشی کے سبب سے راقم ہیچ میدان بھی ان جواہر نفیسہ کی خوبی پر نظارگی ہوتا ہے۔ زبان کو یارا کہاں کہ ان افکار لطافت آثار کی خوبیاں بیان کرے اور قلم کو مجال نہیں کہ اس سخن کے محاسن کو حیز تحریر میں لائے۔ چند شعر ارباب مذاق کے گوش گزار کر کے بس کرتا ہے:

من قصیدتہ

سال و مہ باشی بہ اقبال ہمایوں سرفراز
اے کہ ذاتت مسند اندور را آمد طراز

کے قباد و خسرو و اسکندر و دارا و جم
بر درت استادہ دائم بہر کسب امتیاز

شحنہ جودت چنیں گر درنظام عالم است
آز را یابی ز طبع بے نوایاں احتراز

بر سر باد بروت خصم در روز وغا
جز زبان خنجرت دیگر نمی بینم دراز

گر گل شمع است فرق خصم در بزم وجود

ہست شمشیرت برائے قطع او در حکم کاز
ثر الہ آسا ہر نفس ا زتاب شمشیرت بود
دل درون سینہ خصم تو سر گرم گداز
داور اور ورت بہار طرفہ دارد کاند رو
دشمنان پیوستہ بزماں دوستاں در اہتز ار
تشنگاں شوق ر اشد موج آب زندگی
بر جبین شاہدان مجلست آں چیں ناز
بس کہ فیض عام او محتاج نگذارد بہ دہر
بعد ازیں مفہو، گردد ناز از لفظ نیاز
می برد دل از ظفر موج غبار رزم او
چوں دل محمود برداز کف خم زلف ایاز
چوں حباب ار دشمنش بر خویشتن بالدیچہ سود
کش دروں کاہیدہ می یابم ز تاثیر گداز
خصم جاہش ہم چوں چوگان سرکشی اندیشہ کرد
چرخ کنفش سر برنگ گوی در میداں بباز

....

من غزلیاتہ

ز دودآہ سوزانم شرارے گر شود پیدا
توگوئی از سپہر نیلگوں اخترشودپیدا
انشت از خط بیاقوت لبش گرد کساد آرے
کہ آتش چوں شود افسردہ خاکستر شود پیدا
گداز دل بکف آور چوتاثیر نفس خواہی

سر گم گشتہ ایں رشتہ از گوہر شود پیدا
دم کشتن اگر لعلش در بیداد بکشاید
ز موج خون بسمل چشمہ کوثر شود پیدا
نمی دانم چہ سوزے در جگر دارم کہ از چشم
بہر مژگاں بجاے قطرہ یک اخگرو شود پیدا
بمن تعلیم و حشت ہست ہر دم جوش سودا را
دہیداز فرد بادم مژدہ دامان صحرا را
زند ساغر بخون بے گناہاں لعل جاں بخشی
کہ جاے دم زدن نبود بہ پیش او مسیحارا
ز تاب آہ ہجر ناتواں غافل مشو ظالم
کہ چادر آتش است از رشک او زلف چلیپارا
بہ چناں ضعیف شد از غم تن نزار مرا
کہ بار خاطر من می کہد غبار مرا
بہ یاد روے تو خلوت در انجمن دارم
من و خیال تو بادیگرے چہ کار مرا
تو نیز چارہ حرماں نمی توانی کرد
بہ جلوہ آئی و حیرت برد ز کار مرا
ز بار درد تو ہم فرنگ توتیا گشتم
نشد بایں ہمہ در چشمت اعتبار مرا
نکرد در دل سنگین او رہے پیدا
فغاں ز بے اثری کرد شرمسار مرا
بپاے آبلہ طے می کنم رہ صحرا

بود کہ باز شود ایں گرہ ز خار مرا
ز باغ بادہ شود ہجر لالہ زار تنم
شکست توبہ بود عہد نوبہاد مرا

شب کہ بے رویت رخ زردم چراغ خانہ بود
لخت دل ز خوش گریہ ام پروانہ بود
یاد ایامے کہ از حسن سلوک روزگاہ
طرہ آشفتہ را پنجہ من شانہ بود
تا کجا بودی کہ امشب تا سحر در راہ شوق
آنچہ بر می خاست از دل نالہ مستانہ بود

رہ نجلوت کدہ قطرہ برد و حشت موج
راہ آید چو بسر روے بمنزل باشد
تاب آں جلوہ کہ تفسیر جواب ارنی ست
ہجر بر دیدہ حیرت زدہ حائل باشد

....

ہجر

ہجر تخلص ، میر جمیل الدین خلف میر ابرار علی کہ اکابر سادات کرام اور اعاظم شرفاے ذوی الاحترام سے ہے نوجوان خوش سیرت و نیک سیرت اور برناے پاک نہاد، لطف سریرت ہے ۔علوم ضر دوی سے بہرہ بردار اور نستعلیق نگاری اور نستعلیق گوئی میں سر کردہ اخوان روزگار۔ طبیعت معدن حلم ، دل مخزن علم ۔ اوصاف حمیدہ کو اس سے اعتبار اور اطوار پسندیدہ کو اس سے افتخار۔ بزرگان والا نزاد اس نیک نہاد کے شہاب الدین غوری کے ایام سلطنت میں بغداد سے وارد ھندوستان جنت نشان ہو کر اکثر مراحم خسروانی سے پایہ بلند اور مراتب ارجمند کے ساتھ سرفراز رہے ۔ پدر

بلند مرتبت اس مقام ڈاسنہ سے کہ ایک مدت سے آبائے عالی تبار کا محل بود باش مقرر تھا، دھلی میں وارد اور نواب بہادر جنگ خاں والی بہادر گڑھ کی سرکار میں عہدہ وکالت سے ممتاز ہوا اور اس عہدے کو ایک زمانہ دراز تک حسن لیاقت سے سرانجام دیا۔ اب استغنائے مزاج اور بے نیازی طبیعت کے اقتضا سے خانہ نشینی اختیار کی۔ یہ خلف الصدق تحصیل علوم میں سرگرم اور تہذیب اخلاق میں مصروف ہے۔ گاہ گاہ فکر شعر کرتا ہے۔ زبان پاک ہے اور خیال بلند۔

یہ اشعار اس کے کلام سے یاد تھے:

ہے جو سودا اے سر کا کل پیچاں ہم کو
خواب کیا کیا نظر آتے ہیں پریشاں ہم کو
آتی ہے سر پہ دیکھیے اب اور کیا بلا
وہ ہم کو دیکھ زلف لگے ہیں سنوارنے

....

ہدہد

ہدہد تخلص، عبدالرحمان نامی ساکن نواح پورب۔ مدت سے خاک شاہ جہاں آباد میں وارد ہے جو کہ خلط چہارم کی رنگ آمیزی نے اس کے مرقع دماغ کو قوت متخیلہ کے واسطے لوح تعلیم بنایا تھا۔ احباب ظریف طبع کو ایک مشغلہ طبیعت اور بازیچہ مزاج ہاتھ آیا اور کثرت تحسین سے الفاظ پوچ و پا در ہوا اور سخن ناموزوں اور بے معنی کو ہم جب وحی الہام سمجھنے لگا۔ اب تک اس سودا کا جوش اور اس جنوں کا خروش یرقی پر ہے۔ احباب کے خندہ رسا اور قہقہہ بلند صدا کو غلغلہ تحسین او رصدائے آفرین جانتا ہے۔ اوقات میں اس قدر وسعت نہیں کہ اس اعجوبہ روزگار کا حال مفصل لکھوں۔ چند شعر لکھ کر ختم کلام کرتا ہوں اور ہر چند مناسب مقام یہ تھا کہ اس کی وضع خاص کے اشعار لکھتا اور اس کی موزونی ذاتی سے زبان ایسی مزخرفات سے

آشنا ہو۔ ناچار اسی دو چار شعر سے اوراق تذکرہ کو مایہ دار کرتا ہے کہ خواہ حسن اتفاق سے خواہ کسی کی اصلاح سے فی الجملہ لطف سے خالی نہیں ہیں:

راست آئینوں کو نفرت ہے کج آئینوں سے
تیر نکلا جو کماں سے تو گریز اں نکلا
آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہد ہد آیا
غل پڑا پیش رو ملک سلیماں نکلا
آجائیں اس کے سائے میں دونوں جہاں فقط
ہد ہد جو ایک پنکھ تو اپنا پسار دے
ہد ہد کا مذاق ہے نرالا سب سے
انداز ہے اک نیا نکالا سب سے
سر دفتر لشکر سلیمان ہے یہ
اُڑتا بھی ہے یہ تو دیکھو بالا سب سے
جہاں میں آج دیپی سنگھ تو راجوں کا راجا ہے
خدا کا فضل ہے جو قلعے میں تو آبر اجا ہے
کسی کو دے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اس میں
مگر ہد ہد کو دے دے، کیوں یہی ہد ہد کا کھاجا ہے

....

ہوش

ہوش تخلص، منور شاگرد خدا بخش خاں تنویر۔ طبیعت رسا اور فہم تیز رکھتا ہے۔

یہ شعر اس کے نتائج طبع سے ہے:

ذبح ہوتے ہیں جان کر عاشق
اپنے قاتل کا دل بڑھانے کو

....

ہوشیار

ہوشیار تخلص، منشی کیول رام قوم کایستھ۔ مرد سنجیدہ صاحب استعداد۔ قصائد و غزلیات فارسی سے دیوان فراہم رکھتا ہے گاہ گاہ ریختے کا فکر بھی کرتا ہے، اُس کے کلام سے یہی دو تین شعر بہم پہنچے:

ملایا خاک میں دُھلا کے تو نے وو بالا کو
سہی کو سرو کو شمشاد کو عرعر کو طوبیٰ کو
خراب چشم میگوں ہو گیا اب ہے سلام اپنا
صراحی کو پیالے کو، سبو کو خم کو، مینا کو
خط و زلف و قد و عارض نے تیرے کر لیا عاشق
سمن کو سرو کو سنبل کو ریحان مطرا کو

....

ہنر

ہنر تخلص، مرزا بختاور بخت شاگرد موزا حاجی شہرت۔ شعر خوانی کے وقت زبان کو لکنت اس قدر ہے کہ لب گویا درج دہان کا قفل ہے۔ غالباً اس کے کلام کی شیرینی بند زبان ہے۔

یہ اشعار اس کے مرقوم ہوئے:

کس چمن میں ہمیں تقدیر ہے لائی یا رب
کہ ہے آزاد جہاں نام گرفتاروں کا
آپ اور آرزوے وصل بتان بے رحم
اے ہنر دل تو بنا لیجیے پتھر اپنا
اے ہنر دیکھا کچھ اپنے درد پنہاں کا اثر

پر دے ہی پردے میں اُن کو شوق پیدا ہو گیا
بے چھنیاں یہی ہیں دل کی تو اے ہنر تم
لائے ہو آج کل میں آفت کوئی اُٹھا کر
جلد گردن پر مری رکھ دے خدا کے واسطے
دست نازک میں سنبھل سکتا اگر خنجر نہیں
ہنر کچھ اب کے نگاہیں وہ کر گئیں جادو
و گر نہ یوں تو ملی آنکھ بارہا ہم سے
گریباں چاک ہیں اور مو پریشاں
ہنر شاید کہ آئے ہیں وہاں سے

....

باب الیاء

یاس

یاس تخلص، خیر الدین نام، ساکن شاہ جہاں آباد۔ صناعت طب میں جالینوس زماں، بقراط دوراں، حکیم احسن اللہ خاں کی توجہ سے مہارت تام اور مرالجہ امراض میں دست گاہ تمام بہم پہچائی تھی اور فن شعر میں کبھی شیخ ابراہیم ذوق اور کبھی مومن خاں مرحوم اصلاح لیتا تھا۔ چند سال ہوئے کہ عرصہ عالم سے عناں تاب ہو کر راہی فردوس ہوا۔

یہ شعر اس کا ناخن بدل زن معلوم ہوا:

زانوے یاس کہاں اور سر دل دار کہاں
ہم نشیں بات وہ کر جس کا پو کچھ بھی سر پاؤں

....

یاس

یاس تخلص، جوان اہلیت شعار و برنائے سعادت آثار نخل بند گلشن کمال، میراب چمنستان فضل و افضال، صاحب طبع متین، حافظ حفیظ الدین کہ حلم اور بردباری کا جامہ اس کے قد پر درست اور مہر اور محبت کا لباس اس کے بر میں چست ہے۔ استقامت فکر دست خرد کے واسطے عصا اور رسائی طبیعت شاہد ان معنی کے چہرے سے نقاب کشا۔ مروت میں یگانہ اور مردی میں یکتائے زمانہ۔ ہر چند اقتضاے جوانی کی کشمکش سد راہ ہے لیکن کسب کمال کو مائدہ اوقات کا ماحضر اور تحصیل علوم کو جادہ سلوک کا راہبر کیا ہے۔ سینہ دانش کا گنجینہ، لب و زبان حرف کمال سے ہم داستان، حفظ کلام الٰہی سے "مستقر اک فلاتنسی" کا مصداق اور صحیح خوانی اور تجوید حروف میں یگانہ آفاق۔ ازبس کہ جودت اور ذہن کی رسائی اور فکر کی تیزی ور خیال کی بلندی اپنے اقتضا سے باز نہیں آتی۔ باوجودے کہ اوقات عمر سے بیش تر تکمیل

ہنر و تحصیل کمال میں مصروف ہے، سخن کو اس کے لب و دھان میں موزونی سے گزیر اور کلام کو اس کی زبان پر اکتساب فصاحت سے چارہ نہیں۔ سبحان اللہ طبع ہے یا گنجینہ تحت العرش کا ایک گوشہ اور دل ہے یا صحرائے عالم قدس کا ایک قطعہ۔ ہر چند بنائے سخن سنجی اور اساس موزونی کو صرف اپنی ہی امداد طبیعت پر رکھا ہے لیکن لطف معنی اور نیکی اسلوب اور دل نشینی طرز حیطہ بیان سے خارج ہے۔ اس نیک نہاد کے اوصاف میں حیران ہوں اور ذکر محامد میں سرگرداں؛ اصالت نسب اور شرافت حسب اور اعتبار کی بلندی اور پائے کی ارجمندی، ارباب روزگار کی نظر میں وقار کے ساتھ زیست کرنی اور آشنا اور بیگانے کی نگاہ میں عزت اور ساتھ بسر کرنی ایک طرف اور طبع کی موزونی اور سخن کی رنگینی اور فکر متانت اور اندیشے کی رسائی اور زمانہ نشو و نما کی غرور انگیزی اور پندار جوانی کی جلوہ ریزی ایک جانب۔ اور پھر اگر ان سب اسباب رعونت کو ایک پلے میں رکھیں اور تواضع اور فروتنی کو کی روف حقیقی کے خزانہ انعام سے گنجینہ طبیعت میں فراہم ہے ن، دوسرے پلے میں، تو پلہ تواضع ہی کا جھک جائے اب اس عرصے سے عنان قلم کو معطرف کر کے چند شعر اس کے کلام فصاحت انتظام سے نذر احباب کرتا ہے:

ہوویں گے نہ ہم تو یتر ے ظالم
پھر کون یہ جستجو کرے گا
مر جائیں گے ہم تو پھر کسی پر
یوں ہی جو یہ ظلم تو کرئے گا
جب تو نہ ملا تو یاس ختم
پھر کون سی آرزو کرئے گا
بادہ خواری نہ چھوڑ تو اے یاس
یہ بھی اک مشغلہ ہے یاروں کا

کیا کہوں کس طرح سے پھرتے ہیں
ہو کے مضطر ترے گریباں چاک
ناتواں ہیں پہ اُڑتے ہیں کیا کیا
مثل صرصر ترے گریباں چاک
یہی وحشت رہی تو بیٹھ چکے
گھر کے اندر ترے گریباں چاک
کو بہ کو کیا خراب پھرتے ہیں
خاک ہو کر ترے گریباں چاک
رکھے برپا ہیں بن ترے ہر دم
شور محشر ترے گریباں چاک
اور کو کیا بتائیں حال اپنا
خود نہیں جانتے کہ کیا ہیں ہم
مغبچوں سے یہ راہ و رسم اور پھر
یاس کہتے ہو پارسا ہیں ہم
یاد آتا ہمیں اپنا دل خوں گشتہ
جب کہیں بزم میں ہم جام و سبو دیکھتے ہیں
کچھ تو بتلا ہمیں احوال دل اپنا اے یاس
کہ ٹپکتا تری آنکھوں سے لہو دیکھتے ہیں
جہاں میں پھرتے ہیں ہم ہر طرف سراسیمہ
مگر یہ کچھ نہیں کھلتا کہ ارزو کیا ہے
چونک پڑتے ہیں عدم سے خفتگان خاک بھی
ہمرہ شور قیامت کیا تری رفتار ہے

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ہوا ہے کس سے دل آزردہ اس قدر اے یاس
کہ تیرے منھ سے شکایت سدا نکلتی ہے

اُڑ کے دامن تلک بھی پہنچے نہ ہم
عبث اس کی گلی میں خاک ہوئے

جب جنوں تھا تو تھے گریباں چاک
عشق ہے اب تو سینہ چاک ہوئے

دیکھ کر کھینچیو جنوں اس کو
یہ ستم گر مرا گریباں ہے

اس کے ہر تار میں ہے سو شورش
رشک محشر مرا گریباں ہے

صبح کا چاک ہے گریباں لیک
اس سے بڑھ کر مرا گریباں ہے

چاک کیوں کر نہ ہوئے سو سو بار
پھر یہ آخر مرا گریباں ہے

....

یاور

یاور تخلص، میر امام الدین، باشندہ دہلی، شاگرد میر نظام الدین ممنون۔ مرد نیک نہاد اور فن تصور کشی میں یگانہ تھا۔ چند سال ہوئے کہ راہی ملک بقا ہوا۔

یہ شعر اس کا سنا گیا:

دعا کہیے تو کیا کہیے کہ ہم کو ہم نفس
بات بھی کرنے کا اس کے سامنے یارا نہیں

....

یکتا

یکتا تخلص، خواجہ معین الدین۔ مرد با اخلاق و مودب اور سرکار شاہی سے خانی

کے القاب

سے ملقب ہے۔ جناب غفران مآب حافظ عبد الرحمان خاں مرحوم سے

تلمذ رکھتا ہے۔ یہ اشعار اس کے افکار ہیں:

جو دم میں ہو کچھ لمحے میں کچھ آن میں کچھ ہو
ایسے سے بھروسا ہے کسے مہر و وفا کا
منھ شرم سے ہر گل نے گریباں میں چھپایا
وا اس نے چمن میں جو کیا بند قبا کا
عالم کو کیا قتل تری تیغ نگہ نے
اور مفت میں بد نام ہوا نام وضا کا
زلفوں کو جو دی مشک سے نسبت تو خطا کی
مت ہو جیے برہم کہ مقر ہوں میں خطا کا
کیا جانے محو خال ہوا یا اسیر زلف
ہے مدت مدید کہ دل کی خبر نہیں
برسات میں کہے ہے کہ یکتا نہ پی شراب
واعظ تجھے کچھ ابر و ہوا پر نظر نہیں

....

یل

یل تخلص، عبد القادر۔ مرد سپاہی طور، پہلوان وضع تھا۔ ایک دفعہ گاؤ زوری کے غرور سے اکھاڑے میں ایک کشتی گیر کے مقابل ہوا۔ وہ پہلوان ہرچند اس سے زور میں زیادہ نہ تھا لیکن فنون کشتی سے اس پر غالب آیا اور ہنگامہ عام میں اس کی پست

کو زمین سے آشنا کیا۔ اس نادان نے تقاضائے غیرت سے ایسی جلائے وطن اختیار کی کہ پھر خاک شاہجہاں آباد میں قدم نہ رکھا۔ گاہ گاہ شعر بھی کہتا تھا اور بیش تر تخلص کی رعایت سے مضامین رندانہ باندھیا تھا۔

یہ اشعار اس کے مسموع ہوئے:

کہہ دو رقیب سے کہ وہ بار آئے جنگ سے
ہر گز نہیں ہیں یار کم اس دبنگ سے
پھرتے ہو یل بنے ہوے تم کچھ دنبگ سے
مطلب نہ نام سے غرض ہے نہ ننگ سے
لب کا بڑھا دیا ہے مزا خط سبز نے
ساقی نے پشت دی مے صافی کو بنگ سے
دو چار صورتیں کہیں آتی ہیں گر نظر
واں ہم بھی جا دھمکتے ہیں دل کی امنگ سے
دل اب کی بے طرح سے پھنسا زلف یار میں
نکلے یہ کیوں کہ دیکھیے قید فرنگ سے
آجائیو نہ پیچ میں ظالم کے دیکھنا
یاری تو تم نے کی ہے یل اس شوخ و شنگ سے

....

یمین

یمین تخلص، احمد علی خاں باشندہ دہلی، شاگرد حکیم قدرت اللہ خاں قاسم۔ فن طب سے فی الجملہ بہرہ رکھتا تھا۔ تمام عمر سپاہ گری میں صرف کی، دس بارہ برس ہوئے کہ نقد زندگانی کو تاراج گاہ فنا میں ہاتھ سے دیا۔

یہ شعر اس کا سنا گیا:

شب کہاں بیتی پنا اپنے مجھے گھر کا بتا
کان کا بالا بتا کر بس دیا بالا بتا

....

خاتمہ

الحمدللہ و المنتہ اس کتاب لطیف اور نسخہ شریف نے کہ روشن دلان پاک نظر کا تذکرہ اور کم نگاہان بصارت طلب کے واسطے تبصرہ ہے، اخیر ماہ شوال بارہ سو اکھتر ۱۲۷۱ ھ سال ہجرت مقدسہ افضل۔نوع بشر صلواۃ اللہ علیہ وسلامہ میں اتمام پایا اور کسوت اختتام کو اپنے قامت پر راست کیا۔شبدیز قلم کی تیز عنانی اور سمندر خامہ کی سبک جولائی پر آفرین ہے کہ اتنی اوقات قلیل میں ایسے وشت ناپیدا کنار کو طے کیا کہ پیک وہم اس کے تصور سے نقش پا کے آغوش میں گوشہ گزیں اور برید خیال اس کے نام سے واماندگی کے کنار میں خلوت نشیں ہے۔سخن شناس جانتے ہیں کہ اردو کا پایہ کس بلندی پر پہنچا اور رہندی کا فرق کس اوج پر مرتفع ہوا کہ لہجہ دری اس کے اوصاف میں الکن ہے اور زبان پہلوی اس کی مدح میں۔سخن اردو کو کسوت دری اور رہندی کو لباس فارسی میں جلوہ دینا اگر اعجاز نہیں تو سحر سے کم نہ ہوگا۔احباب معنی رس کہ نکتہ فہمی کو انصاف سے ہم آغوش اور ہنر شناسی کو قدر دانی سے ہم دوش رکھتے ہیں اور طرز سخن سے آگاہ اور کشور کمال میں صاحب دست گاہ ہیں۔اگر اس شاہد دل پسند کے وصف جمال میں زبان سخن سرا کو حرف مبالغہ سے بھی آشنا نہ کریں گے اور غلو اور اغراق کو کام نہ فرمائیں گے اور بیان واقعی اور حرف راست ہی زبان پر لائیں گے تو اس سے کم نہ کہیں گے کہ سحر ہے معجز نظام اور سخن ہے ہم پایہ وحی و الہام، اردو سے معلی کا پایہ اول کس قدر پست تھا اور اب صابر سخن سنج نے کس درجہ عالی پر پہنچا دیا اور پہلے یہ زبان کیا تھی اور مولف معنی شناس نے کیا سے کیا بنا دیا۔اور اس لطف سخن پر علو مضامین اور بلندی معنی کا کیا پایہ اور اس بلندی، پایہ پر گنجیہ قدرت کتنا پر سرمایا ہے۔جس وقت

بحر سخن جوش میں آتا ہے اور دریائے معنی خروش میں، حسرت انصاف دل شکن اور تمنائے قدردانی ناخن بہ دل زن ہوتی ہے۔ اور خام طبعی یہ خیال پکاتی ہے کہ غالبا پاستانیوں پر قدردانی کمال اور مرتبہ شناسی، ہنر ختم تھی۔ اس باب میں افسانہ ہائے دور و دراز اور حکایات طویل مسموع ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس روزگار میں ایک برگ کو گلدستے کی قیمت سے خریدتے تھے اور ایک شبہ کو لعل و یاقوت کی بہا سے مول لیتے تھے۔ اب تو سد سکندر میں سو سو رخنے نکلے ہیں اور جام جہاں نما میں ہزاروں غلطیاں پیدا ہوتی ہیں۔ عدل نوشیرواں کی داستان کو حمزہ کا قصہ سمجھتے ہیں ور رستم و سام کے کارناموں کو لڑکوں کا کھیل جانتے ہیں۔ ایک تو متاع ہنر خود کاسد ہے اواس پر اگر کوئی خریدار پیدا ہو تو وہ حاسد ہے۔ ہر گاہ نوائے بلبل و صدائے زاغ میں امتیاز اور نقش بال تدرو اور خط پائے کلاغ میں تفرقہ نہ ہو تو نغمہ طرازی پر نوحہ درکار ہے اور ریحان نگاری پر فسوس بے شمار۔ سبحان اللہ، بے تمیزی کا ہنگامہ کیا گرم ہے۔ نبات ان کے نزدیک لفظ ہے نفی سخن کے واسطے موضوع اور ماہو را یک کلمہ ہے نفی، آفتاب کے واسطے معین، کہتے ہیں کہ اعمی باوجود عین کے بے صبر کو کہنا منع ہے اور بصیر کو عین کے نہ ہونے سے بینا پر طلاق کرنا ناروا، اگر نادانی یہ ہے تو ابن ہبنق کو دہستان کمال میں افلاطون پر ناز ہوگا اور باقل ملقب دانش میں معلم اول سے ممتاز۔ استغفر اللہ، اسی زمانے سے خالی نہیں پایا جاتا اور کوئی عہد اس رنج کے شکوے سے آسودہ نظر نہیں آتا۔ قدما کی کتابیں شکوہ روزگار ہے اور پیشنوں کے دل حوادث زمانہ سے شکایت خیز، اے صابر نا قباحت فہم، شکوہ نا قدردانی سے لب وا نہ کر اور شکایت روزگار زبان پر نہ لا۔ تجھ کو زمانے سے کیا غرض اور زمانیوں سے کیا کام۔ اگر صرف سخن کی قدردانی اور ہنر کی رتبہ شناسی مقصود ہے۔ نگاہ فیض دستگاہ کام وائے لفظ و کشور کشائے معنی۔ حضرت استادی مخدومی، مخدوم الانامی، فارس مضمار یکتائی، مولوی امام بخش صہبائی مدظلہ العالی کافی ہے کہ اس کی نگاہ کے اثر سے مس طلا اور کاہ

کیمیا ہو جاتا ہے۔ خار اس کی ایک نظر کے فیض سے گل احمر ہے اور خاک اس کی ادنیٰ توجہ سے زر۔ خوشہ انگور فیض تربیت سے شیشہ بادہ طہور۔ سنگ خارا نگاہ لطف سے قابل نشو ونما۔ اور یہ بھی اسی کی نظر کیمیا اثر کا فیض ہے کہ صابر ہندی نژاد اس جزو زمان میں نثر رنگین کی تحریر اور عبارت متین کی تسطیر اور ایجاد معانی، تازہ اور اختراع مضامین بے اندازہ میں ظہوری، تو شیزی کا ہم جنب اور طغرائے مشہدی سے ہم پہلو ہے۔ اور اگر رفعت پایہ دولت اور بلندی، شان ثروت مطلوب ہے تو حضوری آستانہ بادشاہ عالم پناہ۔ ملائک سپاہ، عرفان دست گاہ، فریدوں سریر، جمشید کلاہ، ابو ظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ کنایت کرتی ہے۔ کہ اس آستانے کی خاک سلاطین روزگار کی سجدہ گاہ اور خواتین زمانہ کی پناہ ہے۔ سکندر اس کے ممالک میں ایک آئینہ ساز ہے اور پرویز اس کی بزم میں ایک نغمہ نواز۔ ابر اگر اس کے بحر کف سے سرمایہ نہ لیتا، صدف گوہر سے گراں بار نہ ہوتی اور آفتاب اگر اس کے ضمیر سے فیض نہ اٹھاتا، کان زر سے سرمایہ دار نہ ہوتی، خاک چمن نے اس کے جرعے کے اثر سے جام نرگس کو مے سے لبریز کیا اور باد صبا نے اس کی شگفتہ روئی کے فیض سے زمین گلشن کو گل خیز کیا۔ دامن سائل اس کی سخا سے گنج قاروں اور علم فریدوں اس کی ہیبت سے سرنگوں۔ رستم کو اس کے میدان رزم سے کنج لحد کے سوا پناہ نہ ملی اور سہراب کو اس کے عرصہ جنگ سے صحرائے عدم کے سوا راہ نہ ملی۔ سکندر اگر اسکے نقش قدم کو خضر راہ بناتا، چشمہ حیواں سے کام یاب ہو جاتا او رسلیمان اگر اس کی حراست میں ہوتا، خاتم کو ہاتھ سے نہ کھوتا۔ اگر زر گل میں کچھ نقصان آ جاوے، صبا سے حساب طلب ہو اور اگر زبان سوسن کند بیان رہے، باغبان سے جواب طلب ہو، حکم ہے کہ صبا باغ میں پتا نہ کھڑکاوے تا کہ نرگس کی خواب راحت میں خلل نہ آوے اور کوئی جانور شب کو شاخ درخت سے نیچے قدم نہ اتارے تا کہ بھولے سے سبزہ خوابیدہ پر پاؤں نہ پڑ جاوے۔ اس کے گلشن اقبال میں اگر

دشمن دیوانگی کرے۔ چوب دربان چوب گل کا حکم پیدا کرے اور اس کے دارالشفائے شجاع میں آ کر حریف زہر اگلے، اس کی شمشیر تریاق فاروق مہیا کرے۔ اس کے عدل کی مہابت سے سوسن اپنا خنجر تیز نہیں رکھتی تا کہ ہم نشین کے پہلو میں خراش نہ آوے اور اس کے انصاف کے خوف سے خار اپنی سنان کو باہر نہیں نکالتا کہ سینہ گل میں چبھ نہ جاوے۔ حق کو باطل سے ایسا جدا کیا کہ سوسن باوجودیکہ دشنہ رکھتی ہے، خون بلبل کی تہمت سے بری ہے اور کثرت عطا سے خلق کو ایسا مستغنی کیا ہے کہ ہوا ہر چند اڑا لینے کو آندھی ہے۔ گل خیرے کی اشرفی جہاں دھری ہے وہیں دھری ہے۔ کیا حسن انتظام ہے کہ اگر نہر ہزار چور بہم پہنچاوے۔ ایک قطرہ باہر نہ جا سکے اور اگر باغ ہزار نافرمان رکھتا ہو۔ اس کے اعمال کا قبضہ نہ اٹھا سکے۔ اس کی کف دست وہ ابر ہے کہ قطرے کی جگہ گوہر بار ہے اور اس کا صفحہ تیغ وہ باغ ہے کہ خون اعدا سے لالہ زار ہے۔ اس کے سیل عطا سے ایوان بخل منہدم اور اس کی تیغ عدالت سے آثار ظلم متعدم۔ اس کی تیغ ایک سے دو کرتی ہے۔ دشمن ترقی کا شکر گزار کیوں نہ ہو اور اس کا گر زنقش پا سے ہم آغوش کرتا ہے۔ خصم رفع تردد کا سپاس در کیوں نہ ہو۔ خلق کو زبان درازی، خامہ سے یہ گمان ہے کہ صحیفہ مدح میں کوئی مضمون باقی نہ رہا ہو اور مدیح نگار سے حق ثنا ادا ہو گیا ہو اور صابر شکستہ ارقام خجل ہے کہ اس کتاب کے ایک حرف اور اس خط کے ایک نقطے سے عہدہ برآ نہیں ہوا اور ان مقاصد سے ایک نکتہ اور ان خوامض سے ایک دقیقے کو سرانجام نہ دے سکا۔ جب راہ کی درازی اس قدر اور قدم کی نارسائی یہ ہو۔ تو ناموس سعی کو برباد کرنا اور آبروے جرات کو خاک پر گرانا حیف ہے۔ ختم کلام دعا پر اولی ہے اور اتمام سخن اس کلمے پر بجا ہے۔ یارب، جب تلک ہلال عید روزہ داروں کی بستگی، دہن کے واسطے کلید ہے۔ اس کے جام عشرت سے کام تمنا لذت گیر اور اس کے خون سخا سے معدہ آرزو فیض پذیر رہے:

تمت

....

قطعہ اختتام تذکرہ نتیجہ طبع معدن دانش وتمیز مولوی عبدالعزیز

خلف استادی مولوی امام بخش صہبائی

چو صابر یہ کلک گہر بار خویش

رقم کرد ایں نامہ شاعری

عزیز جگر خستہ تاریخ گفت

شدہ گرم ہنگامہ شاعری

....

ولہ

جو مرزا صابر جادو بیاں نے

لکھا ہے تذکرہ با زیب و تزئیں

برنگ غنچہ اس میں نقطہ نقطہ

بسان گل ہر اک حرف اس میں رنگیں

نہ اس کے لطف کو پہنچے گلستاں

نہ نقش چیں میں اس کے طرز و آئیں

عزیز خستہ جاں سے مال اتمام

کہی ہاتف نے کہ ، گفتار شیریں

....

قطعہ تاریخ ریختہ کلک فیض اندوز مولوی عبدالکریم سوز

خلف اوستادی حضرت صہبائی

از کلک صابر ایں در شہوار بر تری

در سلک انتظام بصد زیب سفتہ شد

سوز حزیں چو کرد تامل بجیب فکر
معیار فطرت و ہنرش سال گفتہ شد

....

ایضا در سمت

یہ وہ ہے تذکرہ جس کو پڑھے گر باغ عالم میں
تو ہردم نغمہ مستانہ گائے بلبل معنی
نتیجہ میرزا صابر کی ہے طبع ہمایوں کا
کہ جن کی فکر روشن سے ہوا روشن دل معنی
جو پوچھا سوز نے اس سے کہ ہے تاریخ کیا اس کی
کہا ہاتف نے سن کر ہے فروغ مشعل، معنی

....

ایضا در فصلی

صابر انداخت رنگ تذکرہ
کہ ازو رہبتری نیاری گفت
جوہری کو کہ قدر او داند
کہ بدست قلم چہ در ہا سفت
قیمتی گوہر ے کہ در جنبش
در جاں را کسے نگیرد مفت
چمنے کو کہ در ضیا بانش
بچنیں رنگ و بو گلے بشگفت
منصفے کو کہ بیند و گوید
کہ چساں بحر را یہ کو زہنفت

سوز دل خستہ در سن فصلی
سال اور ثمرہ الفواد بگفت

....

تاریخ مرزا غلام نصیر بہادر قناعت تخلص

ای قناعت چہ خوب تذکرہ
کرد تالیف صابر خوش خو
سال تاریخ اگر ز تو پرسند
نسخہ دل پسند شوق بگو

....

ولہ

یافت زیں تذکرہ قناعت دل
راز ہاے نہفتہ دانش
عقل گفتہ بدل ز روے ہنر
گو گل نو شگفتہ دانش

....

جب کہ یہ تذکرہ جس کا شہرہ
ہند سے لے کے ہے تا روم دمشق
ہو چکا ختم قناعت نے کہی
سال اس کی سخن کامل عشق

....

قطعہ تاریخ طبع زاد مرزا جمعیت شاہ بہادر ماہر تخلص

قلم نے حضرت صابر کے جب کی
نہال تذکرہ کی آبیاری
ہوا ماہر کو فکر سال اتمام
خرد بولی گل باغ بہاری

....

قطعہ تاریخ نتیجہ، افکار سید احمد خاں

بہادر صدر امین بجنور متخلص بہ آہی

کلک صابر نگاشت تذکرہ
کہ ازو خوب تر بہ دہر مجو
سال تاریخ ختم او آہی
ذکر یاران ہمدم است بگو

....

قطعہ تاریخ تصنیف شیخ رحیم بخش

طرب تخلص

چو ایں تذکرہ گشت اے دل تمام
بفضل خدوند پاک و صمد
طرب از پے سال تاریخ آں
بگفت آب گلزار عقل و خرد

....

یہ اور چند مادہ تاریخ طبع زاد شیخ

رحیم بخش لکھے جاتے ہیں کہ ان کے

ابیات کو خوف اطناب سے ترک کر دیا

دفتر اشعار ہے، بزم سخن کی زینت، زیب گلشن فہم و ذکا، معیار سخن وری، جاوید، ہے روشنی، خانہ دل۔

....

قطعۂ تاریخ شتاب خاں متخلص، بہ سپہر

فلک بارگاہ ملک احتشام
پناہ جہاں و ذوی الاحترام
مبارک سیر زبدہ روزگار
وقار جہان و جہاں وقار
فلک مرتبت صابر نام ور
مبارک خصائل ہمایوں سیر
ہیں جد ان کے تیمور صاحب قراں
ہمایوں، جہاں گیر و شاہجہاں
وہ ہیں میرے استاد فرخ نہاد
فریدوں حشم اور سکندر نژاد
اور اس مرتبے پر جو اخلاق ہیں
جہاں میں وہ مشہور آفاق ہیں
ہے اک بحر ذخار علم ان کی ذات
کلام ان کے ہیں غیرت معجزات
لکھا ان دنوں میں ہے اک تذکرہ
کہ ہے راحت روح و فرحت فزا
عبارت ہے اس کی بہت دل پذیر

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

ہر اک فقرہ اس کا ہے ماہ منیر
عجائب ہے وہ روضہ دل کشا
سرور انتہا و مسرت فزا
جو اس نظم رنگیں کی دیکھے بہار
تو کہوے کہ ہے جوش پر لالہ زار
یہاں تک تجلی سے معمور ہے
کہ گویا یہ نور علی نور ہے
یہ تھا تذکرہ کان فضل و ہنر
اور اصلاح صہبائی نامور
عجب کیمیا کا اثر کر گئی
کہ یہ سیم تھا اس کو زر کر گئی
یہ سب کچھ اسی کو تو امداد ہے
کہ وہ سارے عالم کا استاد ہے
یہ ہے اس کے ہی فیض کا کچھ اثر
کہ صابر نے اگلے ہیں لعل و گہر
نہیں منہ جو بن کے بیاں ہوں صفات
کہ چھوٹا ہے منہ اور بڑی ہے یہ بات
نہیں تذکرہ ہے یہ اک شمع طور
کہ ہے نور معنی کا اس میں وفور
سپہر اس کی جس دم زیارت ہوئی
تو جاں غرق دریائے حیرت ہوئی
کیا عقل نے یہ نہیں حوصلہ

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-06

کہ تو ہو سکے اس کا مدحت سرا
رقم کر یہ تاریخ گ رہے زہیں
کتاب اس سے اب کوئی بہتر نہیں

....

قطعہ تاریخ مرزا واصل بیگ مشہور بہ مرزا چھنگا فاخر تخلص

چو دیدم کلام مطرائے صابر
چو دریائے اعظم بود در طلاطم
خصوصا عبارات ایں نسخہ کزوے
خرد گشت در حیرت و فکر ہا گم
بمن گفت کاے فاخر از بہر سالش
بگو مردم چشم و یا چشم مردم

....

قطعہ تاریخ رشحہ کلک حافظ عبدالرحمان حیرت

میرزا صابر بہادر، شاہ زادہ ذی وقار
باعث فخر جہان و قدر دان اہل فن
تذکرہ تالیف کرد و داد داد شاعری
طرز تحریرش ربا ید از جہاں رنج و محن
حیرت خستہ جگر چوں فکر تاریخش نمود
داد ہاتف ایں ندا آرایش بزم سخن

....

ولہ

میرزا صابر بلند شکوہ

صاحب عالم بلند وقار
دل او رمعدن جواہر قدس
سینہ اوست مخزن اسرار
رقم و ثبت کرد تذکرہ
کہ بود بوستان بہ نقش نگار
بود حیرت بہ فکر تاتخش
گفت ہاتف خزائن الاشعار

....

تاریخے کہ میر رحمت علی رحمت فرمودہ اندو بہ انضمام لفظ رنگینی، معانی بہ گل سخن عدد سال اختتام کتاب درست نمودہ

چوں نخل بند معنی یعنی کہ کلک صابر
باصد بہار تازہ آراست ایں چمن آرا
رحمت ز بہر سالش گفتا کہ خامہ او
رنگینی ،معانی دادہ گل سخن را

....

تاریخ طبع زاد، جوان نیک نہاد، محمد بیک محوی تخلص

زین تذکرہ لطیف مرزا صابر
خوش حجلہ پے عروس معنی آراست
نظارہ او سرور دل ہاے غمیں
سطرش در جام صفحہ موج صہبا است
کیفیت خویش چہ گویم کہ چہا است

هست انچه زروے کار حالش پیداست
کردم چو سوال سال او از محوی
گفت از سر درد یادگار شعر است

....

قطعہ تاریخ، تصنیف عبداللہ بیگ عاجز

تذکرہ چوں بہ اختتام رسید
غنچہ آرزوے دل شگفت
سال تاریخ ختم او عاجز
رشحہ ابر فکر نادر گفت

....

تاریخ کہ منور علی ہوش تخلص گفتہ
صابر خوش فکر بنوک قلم
گوہر ایں تذکرہ را چوں بسفت
ہوش پئے سال وے از روے جہد
گلشن نایاب خرد باز گفت

....

تاریخ یگانہ دودمان اہلیت، یکتائے جہان قابلیت جامہ زیب خلعت سعادت ذات، شائستہ محاسن صفات، نونہال چمنستان جوانی، نو باوہ حدیقہ زندگانی، طراز و سادہ متانت، نقاش نگار خانہ فطانت، صاحب طرز متین حافظ فخر الدین فخر تخلص کہ حسن خط اس کے قلم کی مشاطگی سے سادہ رویان دل ربا کے جمال سے زیادہ تر دل کش ہے اور رخ سادہ اوراق اس کے خامہ مانی نگار کی آرایش گری سے کمال نظر فریبی بہم پہنچا کر مخطط ہونے میں دل خوش ہے۔ اس کا قلم ہے باگلشن سخن طرازی کا

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

سرو، اس کا خامہ ہے یا چمن نغمہ پردازی کا تدور، حرف کو اس کی زبان قلم کے طفیل شیریں دھنوں کی گفتگو پر حرف ہے اور فرط دل نشینی سے عمر نظارہ اس کے طرز خط کے مشاہدے میں صرف، پیشی تر اجزا اس کتاب بلاغت انتساب کے اسی یگانہ کشور کمال کے زیور کتابت سے مزین ہیں اور اس کے رگ ابر قلم کی آبیاری سے گلشن:

در احوال رنگیں کلامان دہر
مرتب چو شد ایں کتاب عجب
بہ گفت از سر آرزو فخر زود
بود فخر ارباب فہم و طلب

....

تاریخ صاحب فکر رسا، سبحان الدین متخلص بہ فنا کہ طبع موزون اور معدن ضمیر جواہر نکات سے مشحون رکھتا ہے۔ بالفعل خاک شاہ جہان آباد اس کے بہار قدم سے رشک چمن اور زمین سخن اس کے فکر کی آبیاری سے گلشن ہے:

ہوا تذکرہ اے فنا جب مرتب
بطرز دل آویز و آئین رنگین
مری بے تکلف بہ نکلا زباں سے
ہے تاریخ اس کی مضامین رنگیں

....

قطعہ تاریخ تصنیف مرزا علی بیگ نازنین تخلص ریختی گو

اے میں قربان اپنے صابر کے
مجھ کو سب کچھ انھوں نے سکھلایا
ان سے دو بول سے ہوئی واقف

ان سے آیا جو کچھ مجھے آیا
میں تو ایک بد تمیز رنڈی تھی
نیک و بد سب انھوں نے بتلایا
ان کے صدقے سے مجھ سی عورت نے
رتبہ مردوں سے بھی سوا پایا
ہیں وہ شہزادہ بلند نژاد
رتبہ اللہ کے گھر سے ہے پایا
بس کہ علم و ہنر میں کامل ہیں
ان کا سب سے بلند ہے پایا
ڈالا اصلاح کے جو دامن کا
سر پہ میرے کلام کا سایا
تھے بڑے جو کہ مرد کامل فن
ان کو میرے سخن نے شرمایا
دیکھ شوخی زبان عورت کی
رشک سے زہر مردوں نے کھایا
تذکرہ شاعروں کا لکھا ہے
اور مجھ کو بھی ہے وہ دکھلایا
کس طرح کہہ سکوں میں اس کی صفت
کیا میرا منہ ہے کیا مرا پایا
اللہ اللہ عبارتیں ا سکی
بھر مضموں ہے جوش میں آیا
رنگ معنی پہ تازگی حروف

جیسے گلشن پہ ابر ہے چھایا
وہ سخن ان کے لب پہ ہے گویا
لب عیسیٰ پہ معجزہ آیا
لے کے ان سے وہ تذکرہ اک دم
نازنیں کو بھی میں نے دکھلایا
اس نے تاریخ یہ کہ مجھ سے
جی میں صدقے یہ خوب فرمایا

....

تمہید سپاس احباب شفیق وتوطیہ شکر یاران صدیق

صابر رنگین نگار، فکر رسا اور جادہ پیمائی خامہ تیز پا سے اس قدر سپاس دار نہیں ہے جس قدر بزرگان کریم نہاد اور محبان صادق الوداد کا حرف شکر ذخیرہ لب ودہان رکھتا ہے کہ اس کتاب کے اتمام اور اس نسخے کے انصرام مین ان والا ہمتان بلند حوصلہ کی طرف سے کیا کیا حسن ومروت جلوہ گر ہوا۔ جناب مستطاب استادی مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کے آفتاب کی فروغ بخشی کا تو کیا بیان ہے کہ اگر ہر موے بدن جوں برگ سوسن دس زبان بل جوں گل صد برگ سو زبان پیدا کرے، اس دفتر سے ایک حرف ادا نہ ہو سکے۔ شاہدان عبارت کو اس طرح زیور اصلاح سے آرایش دی کہ ان دلرباؤں کی گردن وگوش کا جلوہ اوپیرایہ وحلل کے پردے میں نظر تامل ہے روپوش ہوگیا۔ گویا ایک سایہ تھا کہ ہجوم انوار میں محو ہوگیا۔ یہ شکر تو مرخضر سے زیادہ تر طول مدت چاہتا ہے۔ ان دوستوں کے بار احسان سے سر فرو ہے کہ مصالح کے بہم پہنچانے میں اتنی عرق ریزی اور اس شغل کے اہتمام کی راہ میں ایسی قطرہ زنی کی کہ جو راہ کہ عمر برہما کی درازی پر طعنہ زن تھی۔ اس کو بسان بشن ایک چشم زدن میں طے کیا۔ یگانہ عالم محبت مرزا غلام نصیر الدین قناعت اور یکتاے

کشور مودت مرزا پیارے متخلص بہ رفعت اور رشک ہمسران معاصر مرزا جمعیت شاہ ماہر اور طراز و سادہ الفت وہ مہر شتاب خاں متخلص بہ سپہر اور سبک جولان عرصہ قدرت کلام مرزا عبداللہ بیگ عاجز اور جگر شگاف حاسدان کینہ اندوز صاحبزادہ بلند اقبال جناب استادی ومولائی حضرت صہبائی عم نوالہ مولوی عبدالکریم نام متخلص بہ سوز، رنگیں کلامان حضرت شاہجہان آباد کے اشعار کی تحصیل میں اور یکہ تاز عرصہ لطف و مروت، فارس مضمار یگانگی و مودت، واقف سرار سخن مولوی ابوالحسن کہ متوطن فرید آباد اور بلدہ طیبہ اکبر آباد میں حکام عہد کی قدر دانی سے عہدہ تدریس کتب فارسی پر مامور اور اطراف و اکناف میں اس فن کی دقیقہ سنجی و رموز فہمی کے وصف سے مشہور ہیں، شعرائے دارالخلافہ مذکور اور سخن گویان نواح نزدیک و دور کے سخن بہم پہنچانے میں اس قدر ساعی ہوئے کہ اس کا شکر دفاتر لیل و نہار مین گنجائش پزیر نہیں، اور سرانجام مسودہ اور ترتیب اجزا کے بعد شمع افروز بزم اتحاد، چمن پیرائے حدائق وداد، رنگ آمیز کارنامہ فکر وار جمند، مرزا صفدر علی بیگ بلند اور گلدستہ بند بہارستان ہنروری تازہ نہال گلشن معنی پروری، مورد ماثر سعادت، مولوی محمد حسین شفقت نے تبیض کا شغل دشوار اپنے تعہد میں لیا اور نامہ نگار کو انواع لطف و مروت سے ممنون کیا۔ جب یہ مراحل طے ہو چکے، حسن عبارت اور لطف معنی اور رشاقت اسلوب اور خوبی انتخاب اشعار کا شہرہ اطراف عالم میں پہنچا اور ہر طرف سے دامن آرزو وسیع اور دست تمنا دراز ہوا، کاتبین کی سعی اس وادی میں شکستہ پا اور ناسخین کی ہمت اس میدان میں نارسا تھی۔ ناگہ مظہر مکارم شیم، مصدر آثار کرم، محی مراسم یگانگی، ماحی، رسوم بیگانگی، جامع محاسن خفی و جی شیخ نثار علی صاحب مطبع مرتضوی کہ اس جزو زمان میں بلندی، ہمت و فراخی حوصلہ اور عموم مروت و شمول مکرمت اس کی ذات میں اس طرح جمع ہیں جیسے محیط میں امواج، اور حسن اخلاق اور یک رنگی، وفاق اور رعایت دوست نوازی اور ملاحظہ راست بازی اس کے نہاد سے ایسے چسپاں اختلاط

ہیں جیسے مرکب سے مزاج، لطف و مروت کے اظہار اور مراسم یار فروشی کے اعلان کی طرف مائل اور اس کتاب کے چھاپنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ حق یہ ہے کہ اس امر کے سرانجام میں مساعی جمیلہ کو اس طرح صرف کیا کہ قلم اس کی کیفیت کی تحریر میں روز حساب تک سر زانو سے نہیں اٹھا سکتا۔ اس مطبع کے حسن اہتمام کا ذکر کروں یا خوبی، اسباب کا حرف زبان پر لاؤں۔ کاتب کی زبان قلم حرف نستعلیق سے اس طرح آشنا ہے جیسے طوطی، خوش لہجہ حرف دل ربا سے اور لطافت سینہ کاغذ سے یوں جلوہ گر ہے جیسے صفائی آئینہ مجلّا سے۔ آخر الامر اس سعی مشکور پر یہ اثر مرتب ہوا کہ مدت قلیل میں یہ شغل خطیر اتمام کو پہنچا اور نسخہائے بے شمار فراہم ہو کر مشاقان ناشکیب کی نظر شوق سے دوچار ہوئے۔ یہ نسخہ ہر چند اہل سخن کی طبع کو پسند تھا لیکن جب اس مطبع میں زیور طبع سے آراستہ ہوا اور ارجمند ہو گیا، اللہ تعالیٰ ان دوست نوازان بلند ہمت کو انقطاع سر رشتہ روزگار تک بادہ مراد سے مزہ چش اور حصول مرام سے دل خوش رکھے فقط۔

تمت بالخیر والعافیت

ختم شد